ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۶ شمارہ ۱

جنوری سنہ ۱۹۶۵ء

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

ادارہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

قیمت:۔

سالانہ چار روپے فی پرچہ ۳۷ پیسے

ٹیلیفون ۷۴۴۶۴

ترتیب

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے یونین پریس جامع مسجد دہلی ۶ میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

خطرہ ہے

کچھ ہندوستان ہی پر موقوف نہیں ہے، نئے نئے آزاد ہونے والے جتنے ایشیائی اور افریقی ملک ہیں قریب قریب سب کے یہاں مشینی (ٹکنالوجیکل) ترقی کی ہوس کے پیچھے تعلیم اپنے اصل مقصد سے ہٹتی نظر آرہی ہے۔ زراعت اور صنعت کے باب میں تو کچھ کہنا ہی نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو میدان ہی سائنس اور ٹکنالوجی کے ہیں، غضب یہ ہے کہ پوری زندگی کو اسی کیلی کے اوپر گھمایا جارہا ہے۔ تقریریں، بھاشن، درسیات، نظمیں، افسانے اور ناول — غرض سب کے سب اسی ایک رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آرہے ہیں، اور لطف یہ ہے کہ اگر اس موضوع سے ہٹ کر بات کیجئے، شعر کہئے، افسانے اور مضامین لکھئے تو ان کے اوپر قدامت پن کی مُہر لگادی جاتی ہے — اور تعلیم! تعلیم کے بارے میں تو یہ طریقِ فکر یہاں تک دلوں پر محیط ہوگیا ہے کہ اگر کوئی بچہ خالص ادب اور آرٹ کا ذوق لے کر پیدا ہوا ہے تو بھی اس کے ماں باپ اور اساتذہ جب انتخاب مضامین کی منزل آتی ہے، اُسے ٹکنکل مضامین کے انتخاب کا مشورہ دیتے ہیں اور وہ بے زبان چار و ناچار یہی بوجھ جسے اُس کا جی سر سے اُتار پھینکنے کو چاہتا ہے، اُٹھانے پر مجبور ہوتا ہے

یہاں سوال پیدا ہوگا کہ "اچھا، یہ نہیں تو پھر تعلیم کا اصل مقصد کیا ہے؟" ایک امریکن مصنف تھیوڈور ینگے جس کا ایک مختصر مضمون اسی شمارے میں "اڈلٹ ایجوکیشن اور اچھی زندگی" کے زیرِ عنوان شریکِ اشاعت ہے، تعلیم کا اصل مقصد "اچھی اور شائستہ زندگی کی تعلیم قرار دیتا ہے" جو اس کے نزدیک صرف کارآمد خواندگی (فنکشنل لٹریسی) اور پیشے کی تعلیم کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکتی۔ تھیوڈور ینگے نے امریکہ کے موجودہ مسائل کا جن میں بے روزگاری سب سے زیادہ تشویشناک ہے، ذکر کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "یہ یاد رکھنا چاہیے کہ موجودہ بے روزگاری کی ذمے داری بہت بڑی حد تک تعلیم کے ناکافی اور ناقص ہونے پر ہے۔"

تعلیم کے اصل مقصد پر بحث کے دوران میں یہ سوال اُٹھایا جاسکتا ہے کہ "اچھی اور شائستہ زندگی" کسے کہتے ہیں؟

اس سوال کا جواب دیا جائے گا تو پھر اس پر بھی ایک نہ ایک سوال اٹھ کھڑا ہوگا : یہ بحث کا مزاج ہے، مگر اس بات پر غالباً اتفاق ہو جائے گا کہ انسان اور مشین میں فرق ہے۔ انسان جان دار ہے، مشین بے جان ہے۔ انسان طبعاً متلوّن پسند واقع ہوا ہے اور اسی لیے اُسے ارادہ اور اختیار کی قوت حاصل ہے۔ مشین ایک مقررہ ڈگر پر چلنے والی چیز ہے جس میں ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا، اور نہ مشین کو ارادے کی قوّت حاصل ہے۔ انسان اور مشین کے بنیادی فرق کو ذہن میں رکھیے اور پھر سوچیے کہ جب کسی جماعت کا اوڑھنا بچھونا، اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا ــــــ غرض اس کی دال روٹی سائنس اور ٹکنالوجی بن جائے گی تو کیا خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ نہیں پکڑے گا ؟ اور کبوتر کبوتر کے ساتھ پرواز نہیں کرے گا ؟ اور جب یہ صورتِ حال ہوگی تو اچھی اور شائستہ زندگی کا کیا نقشہ ہوگا !

یہ سوال آج امریکہ اور اُسی جیسے دوسرے مشینی سماجوں میں بڑی گمبھیر شکل بنائے سامنے آرہا ہے اور انسان اور انسانیت کے بہی خواہ مفکّر اس سے تشویش میں پڑ گئے ہیں۔ ہمارا ملک، یہ سچ ہے کہ، ابھی سائنس اور ٹکنالوجی کے نقطۂ کمال پر نہیں پہنچا ہے جہاں یہ سوال خوفناک شکلیں بنا بنا کر سروں کے اوپر بھوت کی طرح منڈلاتا ہے، لیکن یہ بات ہمیں ــــــ اور خاص کر ہمارے تعلیمی مفکّروں کو ــــــ ہر وقت ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ معاشی پرواز (اکنامک ٹیک آف) کی ہوس میں ہمارے ہاتھ سے بھی انسانی تمدّن کا دامن ــــ جس نے اُسے حیوانِ مطلق سے اشرف المخلوقات بنایا ہے ــ چھوٹ جائے اور ہم بھی اسی نوبت کو پہنچ جائیں جہاں مشینی سوسائٹیاں ترقی یافتہ ہونے کے باوجود بے بسی کی تصویر بن گئی ہیں، اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ معاشی پرواز کے چکّر میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اپنا توازنِ فکر کھوئے دے رہے ہیں، اور سائنس اور ٹکنالوجی کے عشق میں پڑ کر اُن کی نظریں ان چیزوں کی طرف سے برگشتہ معلوم ہوتی ہیں، جو صحیح معنی میں انسان کو انسان بناتی ہیں۔

اڈلٹ ایجوکیشن اور اچھی زندگی

(جنرل ایجوکیشن کی روشنی میں)

(۱)

آج کانوں میں سب سے زیادہ جس لفظ کی آواز گونجتی ہے وہ ہے "تبدیلی" اور "تبدیلی" ہی وہ چیز ہے جو انسانی زندگی کے نقطۂ آغاز سے اب تک ترقی پذیر تہذیب کی داستان بنتی رہی ہے۔ اب سے پہلے تبدیلی کو قبول کرنے میں انسان کو ایک طویل مدت لگ جاتی تھی، مگر نئی زمانہ یہ رفتار بہت تیز ہو گئی ہے اور جدید مشینی رواج نے انسان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو تبدیلی کے تقاضوں کے مطابق دس یا پانچ سال کے اندر ہی اندر ڈھال لے۔ اس اعتبار سے گویا "ارتقا" کی جگہ "انقلاب" نے لے لی ہے اور اس سے تعلیم کے اوپر مخصوص ذمے داریاں عاید ہو گئی ہیں۔

لیکن اگرچہ زمانے کے تیز دھاروں نے تعلیم کو اس نئے میدان میں لا پھینکا ہے، پھر بھی مقصد تعلیم کے باب میں تبدیلی کے مسئلے پر ابھی تک تنقید و تجزیہ کی روشنی میں غور نہیں کیا گیا ہے۔ "عوام کے دماغ" میں زیادہ سے زیادہ جو چیز آئی ہے وہ یہ کہ قدیم مقاصد ہی کے اوپر از سر نو توجہ مرکوز کی جا رہی ہے۔ ان سطور میں لفظ "عوام کا دماغ"، تعلیم کے اس عوامی تصور کی نمایندگی کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے جس کا مفہوم "تعلیم برائے ملازمت" ہے اور یہ تصور تعلیم کے اس تصور سے بالکل مختلف ہے جس کے شیکسپیر کی زبان میں "عوام لذت آشنا نہیں ہیں"۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں تعلیمات عامہ کے آغاز ہی سے کارآمد خواندگی (فنکشنل لٹریسی) اور پیشہ ورانہ تعلیم، قومی نظام تعلیم کا مقصد و منتہا رہی ہے۔ ابھی زیادہ زمانہ نہیں ہوا کہ موجودہ صدی میں بھی ہائی اسکول کا ڈپلوما حصول روزگار اور شہریت کی اہمیت کے لیے کافی و شافی سمجھا جاتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے تک کالج کی تعلیم یا تو دولت مند لوگوں کے لیے مخصوص تھی جو اس کا خرچ اٹھا سکتے تھے اور جن کے لیے یہ اعزاز اور سماجی بلندی بڑی مفید اور کارگر نشانی تھی، یا پھر ان چند مخصوص طبقوں کے لیے جو قانون

طب یا انجینری جیسے پیشوں میں سے کسی ایک میں کیریئر بنانے کے خواہش مند ہوتے تھے۔ رہی تجارت اور کاروبار تو اس میں کامیاب ہونے کے لیے اعلیٰ تعلیم ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔

موجودہ صدی کے نصف آخر یعنی موجودہ دور نے اگرچہ ہمیں مشینی انقلاب (ٹکنالاجیکل ریوولیوشن) کے بیچوں بیچ لاکر کھڑا کردیا ہے لیکن ہماری کیفیت یہ ہے کہ عوام کے ذہن میں تعلیم کا مقصد اب بھی جوں کا توں وہی ہے جو پہلے تھا یعنی کسی نہ کسی پیشے میں کامیابی حاصل کرنے کی تیاری؛ البتہ اتنا فرق ضرور پیدا ہوا ہے کہ خودکار مشینوں اور آلات کے رواج سے انسانی ہاتھ کی ضرورت روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ اب کالج کے ڈپلومے کی بالکل وہی قیمت اور حیثیت ہے جو اب سے پچاس سال پہلے ہائی اسکول کے ڈپلوما کی تھی۔ خودکار مشینوں نے جب سے غیر تربیت یافتہ مزدوروں کی ضرورت کو قریب قریب ختم کردیا ہے اس وقت سے چھوٹی چھوٹی ملازمتوں کے لئے کم سے کم تعلیمی لیاقت کی جو شرط قرار دی گئی ہے وہ ہائی اسکول کا ڈپلوما ہے۔ البتہ کالج یا پوسٹ گریجوایٹ ڈگری (بی۔اے۔ کے بعد کی ڈگری) ان لوگوں کے لئے جو کسی پیشے میں اپنا کیریئر بنانا چاہتے ہیں اور کسی اونچے انتظامی عہدے پر پہنچنا چاہتے ہیں، عملاً ناگزیر ہوگئی ہے۔

۱۹۶۰ء کی مردم شماری سے جو حیرت انگیز انکشافات ہوئے ہیں ان میں سے ایک اہم انکشاف یہ ہے کہ عوام کے دماغ میں تعلیم کا مقصد نوجوانوں کو ایسی ٹریننگ دینا قرار پایا جس سے انھیں ملازمت اور روزگار حاصل کرنے میں مدد ملے۔ اس مردم شماری کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیمات عامہ کے نظام کو قائم ہوئے اگرچہ ایک صدی سے زیادہ مدت گذر چکی ہے تاہم بالغ آبادی کا نصف سے زیادہ حصّہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو ہائی اسکول کی منزل بھی پار نہیں کر پائے ہیں؛ اور اٹھارہ سال کی عمر کے لوگوں میں ۸ فی صدی سے زیادہ ایسے ہیں جو تعلیم میں چھٹی جماعت سے آگے نہیں پڑھ پائے۔ اس وقت بھی وہ لڑکیاں اور لڑکے جو اسکول کی تعلیم کو بیچ ہی میں چھوڑ بیٹھتے ہیں، ان کی تعداد اتنی بڑی ہے کہ ملک کے سامنے ایک تشویشناک مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے۔

روزگار کی شرائط کے اوپر روز افزوں پابندیاں، کم معیار کی تعلیم پائے ہوئے بالغوں کی زبردست تعداد جو کروڑوں تک پہنچتی ہے، زبردست صنعتی بے روزگاری اور آبادی کی بے تحاشا بڑھوتری؛ ان باتوں کو ملا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ملازمتوں کے لئے مقابلے کی آج جو کیفیت ہے اس کی نظیر تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

یہ مقابلہ بازی غالباً نتیجہ ہے ہمارے سماج کے مقابلہ بازانہ مزاج کا۔ مگر سبب خواہ کچھ ہو، اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہئیے کہ عوام کے ذہن میں تعلیم کا قدیم مقصد جتنا کچھ ماضی میں تھا، آج اُس سے کہیں زیادہ غالب ہے۔ اس صورتِ حال نے ملازمت کی غرض سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے لوگوں میں وہ کیفیت پیدا کردی ہے جو

مقابلے کی دوڑ کی ہوتی ہے، لیکن تعلیم کی اس دوڑ کی منزل بس اسی حد تک ہے، اس سے زیادہ اور غالباً سب سے اہم جو منزل ہے یعنی انسان کو تبدیلی کے مطالبات و مقتضیات سے ہم آہنگ کرنا ـــ وہاں تک کسی کی نظر نہیں پہنچتی۔

(۲)

آج کے تغیر پذیر سماج کے پیش نظر تعلیم کا جو مقصد ہونا چاہیے، اس کی وضاحت وصراحت کی ضرورت کو اب اور زیادہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً عوام کے ذہن میں تعلیم کا مقصد ملازمت حاصل کرنا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ ان کی نظر میں بھی یہ مقصد ثانوی حیثیت کا ہو اور اچھی اور شائستہ زندگی کی تخلیق و تعمیر مقصد اولین۔

جو بدنصیب مشینی ترقی کا شکار ہوئے ہیں ـــــ اور جن کی تعداد مع ان کے اہل خاندان کے چار کروڑ کے لگ بھگ ہے، اور جو مفلسی کی حد کمال کو پہنچ گئے ہیں ـــــ وہ کچھ عجیب ڈھنگ سے قوم پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ پھر ان کے علاوہ بھی دوسرے بہت سے لوگ ہیں جو اس بوجھ کو گراں سے گراں بنائے دے رہے ہیں۔ اور وہ ہیں شمالی اور جنوبی ملا علاقوں میں رہنے والے نیگرو، جنوب مغربی علاقے کے میکسیکن، شمال مغربی علاقے کے پیورٹو ریکن، دوسرے ملکوں سے ہجرت کر کے آنے والے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مزدور، کھیتی کا پیشہ کرنے والے لاکھوں غیر ضروری کسان، اسکول کو بیچ ہی میں چھوڑ بیٹھنے والے بے شمار نوجوان، اور عمر رسیدہ لوگ جو دوسروں کے اوپر بوجھ بنے ہوئے ہیں اور تعداد میں برابر بڑھتے جا رہے ہیں۔

اس دھوکے میں بھی نہیں رہنا چاہیے کہ خودکار مشینی ارتقا سے جتنی جگہیں ختم ہو گئی ہیں، اتنی ہی نئی جگہیں پیدا ہو جائیں گی۔ یہ یوں ممکن نہیں ہے کہ آبادی میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور صنعت و حرفت روز بروز شہرانی علاقوں میں مرکوز ہوتی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ نئے حالات کے حسب حال نئی قسم کی ٹریننگ کے بڑے بڑے پروگرام بنا کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روزگار حاصل کرنے کے قابل بنانا چاہیے اور بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ عقیدہ کہ پیشہ ورانہ تعلیم ہی سے اس سماجی مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے، جس سے زندگی کی قدر و قیمت میں گھٹیا پن آتا جا رہا ہے اس کی حقیقت خواب خرگوش سے زیادہ نہیں ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بے روزگار مزدوروں کی از سر نو ٹریننگ کے ساتھ ساتھ حکومت کو ایک کام یہ بھی کرنا چاہیے کہ جہاں جہاں یہ لوگ رہتے ہیں، وہاں پبلک ورک کے پروگرام چلائے اور ان لوگوں کو کام پر لگائے اس سے یہ ہوگا کہ ان کے اندر قوت خرید پیدا ہوگی جس سے معیشت کو زوال سے بچایا جا سکے گا اور یہ طریقہ اس سے کہیں زیادہ موثر اور کارآمد ہوگا کہ محاصل میں تخفیف کی جائے۔ کیونکہ محاصل میں تخفیف کرنے سے زیادہ تر انھی لوگوں کو

فائدہ پہنچے گا جو موجودہ مماحل کو ادا کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔ اور یہ واقعہ مسلمہ ہے کہ محض پیشہ ورانہ ٹریننگ کے پروگرام کو وسیع کردینے سے یہ مسئلہ تمام کا تمام حل نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ اس حد سے بہت آگے نکل چکا ہے۔

یہ سماجیاتی مسائل جو سیاسی عواقب کے لحاظ سے بہت دور رس ہیں، ان کا ذکر محض اس مقصد سے کیا گیا ہے کہ مسئلہ تعلیم کی حقیقت کا پس منظر سامنے آجائے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کے مقصد کو از سر نو متعین کیا جانا چاہیئے جس کی بنیاد ایک بہتر زندگی کی تخلیق ہو۔

(۳)

تعلیم کے اس بدلے ہوئے مقصد کا تصور جن اجزا سے مل کر بنا ہے، وہ فی نفسہ نئے نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں جو چیز نئی ہوگی وہ عوام کے ذہنوں میں اس تصور کی اہمیت کا احساس و ادراک ہے۔ نارمن کزنس (NORMAN - COUSINS) کے بقول ہمیں اپنی زندگی کو بے معنی قرار دینے کا حق نہیں پہنچتا جب کہ زندگی کو بے معنی بنانے کی ذمہ دار اقدار سے سراسر خالی خود ہماری اپنی ذات اور ہمارا اپنا عمل ہو۔ اس اعتبار سے لوگوں میں اعلیٰ تر قدروں کی تخلیق اور ان کی آبیاری اڈلٹ ایجوکیشن کی اولین اور فوری ذمہ داری ہے۔

ہمارے اس نظریے کا مدعا یہ ہرگز نہیں ہے کہ نئی ٹریننگ کے پروگرام پر جو توجہ ہے، وہ کم یا ختم کردی جائے مگر اس کا منشا صرف یہ ہے کہ حصول روزگار کے لیے ٹریننگ دینا خالص تعلیم کا مقصد اولین نہیں ہے، اس لئے کہ جدید زندگی کا پورا کا پورا نظام علم، سمجھ، اور قدردانی چاہتا ہے۔ جو پیشہ ورانہ تعلیم اور کارآمد (فنکشنل لٹریسی) خواندگی پیدا نہیں کرسکتی۔ آج کی دنیا میں جہاں آزادی کو اعلیٰ ترین قدر تصور کیا جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ سب لوگوں کو اچھی سے اچھی تعلیم ملے۔ اس کی یہاں تک اہمیت ہے کہ ملازمت کے لئے جو لوگ منتخب کئے جائیں وہ بھی ایسے ہونے چاہئیں جنھیں بہت اچھی تعلیم مل چکی ہو کام یا پیشے کی ٹریننگ عموماً انھیں کاموں یا پیشوں کی خصوصی واقفیت بہم پہنچا سکتی ہے لیکن اگر جنرل ایجوکیشن کے اعتبار سے وہ اچھے تعلیم یافتہ ہوں گے تو خود پیشے یا کام میں انھیں جن تبدیلیوں سے سابقہ پڑے گا انھیں وہ زیادہ کامیابی سے قبول کرسکیں گے۔ اور ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکیں گے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ موجودہ بے روزگاری بڑی حد تک تعلیم کی کمی اور خرابی ہی کا نتیجہ ہے۔ پھر جنرل ایجوکیشن خود ترقی اور مستقبل سازی کا سب سے اچھا اور کامیاب ترین ذریعہ ہے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ جو شخص عام تعلیم (جنرل ایجوکیشن) کا حامل ہوگا اس کے اندر تمدنی ضرورتوں اور تقاضوں کو سمجھنے کی زیادہ اہلیت ہوگی، اور تمدنی ضرورتوں اور تقاضوں کی سمجھ وہ چیز ہے جو مطالعہ و تحقیق کو روزمرہ کی زندگی کا ایک پسندیدہ اور مرغوب مشغلہ بنا دیتی ہے جب کسی شخص کو معلوم ہوجاتا ہے کہ پڑھنے لکھنے اور حصولِ علم کا مقصد

محض دولت کمانے کی نفس پرورانہ تحریک ہی تک محدود نہیں ہے تو وہ بہ حیثیت ایک فرد کے محبوب و مقبول انسان، بہ حیثیت ایک شہری کے ایک مشفق اور مفید باپ یا ماں اور بہ حیثیت ایک شہری کے زیادہ کارآمد خادم خلق بن جاتا ہے۔ بغرض اچھی زندگی کے لیے تعلیم کا تسلسل ــــ تعلیم چھٹی جماعت تک کی نہیں (جسے فنکشنل لٹریسی کہتے ہیں) اور جسے ووٹ دینے کی اہلیت کے لئے کافی تصور کیا جاتا ہے ــــ بمنزلہ شرط کے ہے۔ اور اگر زندگی کی اقدار ــــ آزادی، امن، اور زندگی گزارنے کے آرٹ سے مستقبل کی دنیا میں لطف اندوز ہونا مقصود ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اچھی زندگی عامی سے عامی انسان کو بھی میسر ہو نہ کہ چند افراد پر مشتمل صرف ایک چھوٹے سے طبقے کو۔

جن باتوں کی واقفیت کی بنا پر کسی شخص کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ لبرل ایجوکیشن کا حامل ہے، وہ علوم عمرانی، سائنسی علوم کے مطالعے سے حاصل ہوتی ہیں، اور ان کی تعلیم بچپن میں شروع ہونی چاہیئے اور عمر بھر ہمیشہ جاری رہنی چاہیئے۔

عام تعلیم (جنرل ایجوکیشن) تعلیم کی وہ شاخ ہے جس میں بہت سے علوم جمع ہو سکتے ہیں اور جو اپنے ساتھ بہت سے علوم کو ملاتی ہے۔ اُس کے طالب علم کو زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا ہوتی ہے، مختلف علوم و فنون کے باہمی رشتوں کو سمجھنا ہوتا ہے اور اظہار خیال کی مشق کرنی ہوتی ہے۔ اس کا مزاج اور خمیر تبدیلی ہے یعنی اس کا عقیدہ ہے کہ بات بجائے خود ایک تبدیلی ہے جس طرح ایک ادبی افسانے کی جان اس کے کرداروں کی سیرت میں تغیرات کا رونما ہونا ہے، بالکل اُسی اصول پر عام تعلیم کے اثر کی کسوٹی یہ ہے کہ عوام کے قلب و دماغ، طرزِ عمل اور کردار میں ارتقائی پر تبدیلیاں نظر آئیں۔ عام تعلیم کے مزاج کی یہی خصوصیت ہے جو انسان کو ایک تغیر پذیر دنیا میں زندگی گذارنے کے لیے تیار کرتی ہے۔ اگر علوم و افکار کی ترقیاں انسانوں کو اس کی تعلیمی پس ماندگی کی وجہ سے پیچھے چھوڑتی چلی گئیں تو انسان بمثال پہاڑ جیسی اس دیو پیکر دنیا کے سامنے ایک بونے کی ہو کر رہ جائے گی۔

جنرل ایجوکیشن کی قدر و قیمت کا پیمانہ یہ تو شاید نہ ہو کہ اس کے حصول سے فوراً کے فوراً کیا حاصل ہوگا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی قدر بہت عملی ہے بشرطیکہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ

کائنات کے مادی پہلو اور نوع انسانی کی اصلیت سے واقفیت حاصل کرنا عملی زندگی میں مفید ہوتا ہے، نجی اور عالمی مسائل اور مشکلات کو علم اور سمجھ کی روشنی میں دیکھنا اچھا رہتا ہے۔ استدلال کی قوتوں کی نشو و نما کرنے سے صحیح فیصلے پر پہنچنے میں مدد ملتی ہے؛ ادب، موسیقی اور فنون لطیفہ انسانی روح اور تخیل کے مظہر ہوتے ہیں اور اس حیثیت سے ان کا ذوق پیدا کرنے سے زندگی میں سکون اور طمانیت حاصل ہوتی ہے؛ اور انسان کی تخلیقی قوتوں کو شعلہ فگن کرنا مہذب انسان کا اخلاقی فرض ہے ــــ خالص سائنٹیفک اور سائنٹفک اصولوں کے درمیان جو فرق ہے، وہ ان قدروں سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ انھی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس سے مطمئن ہو جانا

کتنی بڑی کوتاہ نظری ہے اور علم و فن کی اس وسعت پذیر دنیا میں اپنی کوتاہ دستی پر غیر مطمئن ہو جانا بے چین رہنا کتنی بڑی وسیع ظرفی۔

اڈلٹ ایجوکیشن کا منصب ہے کہ وہ باروزگار اور روزگار سے مستغنی دونوں طرح کے انسانوں کو تیار کرے کہ وہ اپنے فرصت کے اوقات کے لیئے اپنی پسند کی دلچسپیاں پیدا کرلیں تاکہ زندگی میں رکاؤ کا تعفن نہ پیدا ہونے پائے' اور اس کے اوپر جھاڑ جھنکاڑ کی تشبیہ صادق نہ آئے۔ علمی اور جمالیاتی سرگرمیاں اور دلچسپیاں جن پر اگر مسلسل سان نہ چڑھتی رہے تو کند ہو کے رہ جاتی ہیں۔

انسان کو "معیار زندگی" سے زیادہ ضرورت "زندگی کے ایک معیار" کی ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا مضمون امریکہ کے ایک رسالہ "اڈلٹ لیڈرشپ" سے لیا گیا ہے۔ اس میں مصنف نے اڈلٹ ایجوکیشن کے پس منظر میں جنرل ایجوکیشن کی اہمیت واضح کی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ موجودہ مشینی دور سے تعلیم کے اصل مقصد کے فوت ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو چلا ہے جو سماج کی صحت کے لیئے اچھی چیز نہیں ہوگی۔ تعلیم کا اصل مقصد انسان کی مکمل شخصیت کو ابھارنا اور جلا بخشنا ہے جو صرف پیشہ ورانہ تعلیم پر زور دینے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہندوستانی سماج آج کل کش کی جس کیفیت سے گذر رہا ہے اس کے پیش نظر یہ مضمون ہمارے لیئے ایک تنبیہی سائن بورڈ کی حیثیت رکھتا ہے جس پر دھیان دینے سے آگے آنے والے خطرے سے بچاؤ ہو جاتا ہے اور نظر انداز کرنے سے حادثات کے واقع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

—— ایڈیٹر

مسائل

لوگ پڑھنا سیکھنے کے لئے کیوں تیار نہیں ہوتے

خواندگی کا مسئلہ آج کل بہت نازک شکل اختیار کر چکا ہے اور یہ شکایت عام ہے کہ لوگ پڑھنے لکھنے میں دلچسپی نہیں لیتے جب کہ یہ بات بالکل صاف ہے کہ اگر کوئی شخص لکھنا پڑھنا سیکھ جائے تو اس میں اس کا بہرحال فائدہ ہے، نقصان کسی طرح بھی نہیں ہے۔ اپنے فائدے کے پیچھے تو آدمی دیوانہ وار گھومتا ہے، پھر اسی پڑھنا لکھنا سیکھنے میں وہ دلچسپی کیوں نہیں لیتا؟ آپ کہیں گے لوگوں کے پاس وقت نہیں ہے، میں کہوں گا اتنا فاضل وقت لوگوں کے پاس ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اس میں بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ کہیں گے وسائل کم ہیں، میں اس سے انکار تو نہیں کروں گا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ جہاں وسائل کو یکجا کر کے لوگ کام شروع کرتے ہیں وہاں بھی یہ شکایت سننے میں آتی ہے کہ لوگ کلاسوں میں آتے نہیں، آتے ہیں تو دل لگا کر پڑھتے نہیں وغیرہ وغیرہ میں سمجھتا ہوں کہ اسی بنیادی بات کو پہلے سمجھ لیا جائے

میں سمجھتا ہوں کہ اصل وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر وہ زندگی سے دلچسپی لیں اور اس سے مسرت حاصل کرنے کا دل ہو تو پھر وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اُسے زندگی میں امید کی کوئی کرن پھوٹتی نظر نہیں آتی۔ اُسے اپنی شخصیت میں کوئی کشش نظر نہیں آتی، اور چونکہ اُسے زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں رہتی اسی لئے

وہ زندگی کو سنوارنے میں دلچسپی نہیں لیتا۔ یہی وجہ ہے کہ گندے رہتے ہیں تو نہانے دھونے کی فکر نہیں رہتی۔ شیو بڑھا ہوتا ہے تو بڑھا رہنے دیتے ہیں۔ گھر گندہ ہے، چیزیں بکھری پڑی ہیں، کپڑے پھٹے اور گندے ہیں، مگر انھیں درست حالت میں رکھنے کا احساس ان کے اندر گویا مر چکا ہے۔ اس کا صحیح علاج یہ نہیں ہے کہ ان کے سامنے صاف ستھرا رہنے۔ گلی کوچے اور محلے کو گندگی سے بچانے کی اہمیت اور افادیت پر زور دیا جائے۔ ضرورت اس بنیادی چیز کو پکڑنے کی ہے جو انھیں زندگی سے اس قدر بیزار بنائے ہوئے ہے۔ یہ کام دلیلوں سے نہیں لیا جا سکتا ہے۔ یہ سارے کام تو بس اسی وقت بن سکتے ہیں جب وہ زندگی سے دلچسپی لینے لگیں، اُس سے لطف اندوز ہونا سیکھ جائیں اور ان میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اس دنیا میں ان کی اپنی بھی کوئی اہمیت ہے۔ صرف اسی صورت میں وہ گندہ نہیں رہے گا، شیو بھی بنائے گا، گھر کو سجانے کی فکر بھی کرے گا، محلے اور گلی کوچے کی صفائی ستھرائی کا بھی خیال رکھے گا۔ کپڑے اگر پھٹے ہوں تو انھیں سی کر اور اگر میلے ہوں تو انھیں دھو کر پہننے کی کوشش کرے گا اور تب ہی وہ لکھنا پڑھنا سیکھنے کی طرف بھی مائل ہوگا۔

خواندگی کو میں اسی طرح کی چیز سمجھتا ہوں۔ جب انسان کا دل بجھا ہو تو وہ پڑھنا لکھنا سیکھنے کی طرف رجوع نہیں ہو سکتا۔ اس کے دل میں زندگی سے لطف اندوز ہونے کی خواہش پیدا کر دیجئے پھر آپ کو اُسے راستہ بتانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ وہ خود اپنے لئے راستہ ڈھونڈ نکالیں گے۔ آپ اگر سمجھتے ہیں کہ تعلیم کا صحیح راستہ خواندگی ہے تو وہ اُس راستے پر چلنے کی کوشش بھی اسی وقت کر سکتے ہیں جب ان میں چلنے ڈُلنے اور قدم اُٹھانے کی طاقت ہو۔ بے حس انسان صحیح راستے پر کھڑا ہو کر بھی کیا کرے گا جب اس کے قدم ہی آگے کی طرف نہیں بڑھیں گے۔

شالگ رام تنبھک

عرب ممالک سے خاتمۂ ناخواندگی کا منصوبہ

عرب ممالک میں اس وقت ناخواندہ لوگوں کی آبادی تقریباً ۵ کروڑ ہے۔ ان ملکوں کے سامنے اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ بنا ہوا ہے کہ ناخواندہ مردوں اور عورتوں کی اس کثیر تعداد کو قومی ترقی کے دھارے سے کس طرح ہم کنار کیا جائے۔ ادھر چند سال سے اس سمت میں کچھ کوششیں کی گئی ہیں اور اس سلسلے میں اڈلٹ ایجوکیشن کے کچھ پروگرام بھی شروع کیے گئے ہیں جن کے اثرات آبادی کے ایک خاصے بڑے حلقے تک پہنچ چکے ہیں۔ مگر یہ تجویز کہ تمام وسائل کو یکجا کر کے پوری توجہ اور جوش و خروش کے ساتھ خواندگی کی ہمہ گیر تحریک شروع کی جائے، ابھی حال میں سامنے آئی ہے۔

یونیسکو کے عرب قومی کمیشن نے اپنے ایک جلسے میں جو مارچ ۱۹۶۴ء میں منعقد ہوا تھا، عرب ممالک کے لیے ایک علاقائی لٹریسی فنڈ قائم کرنا تجویز کیا تھا۔ اس سے ایک ماہ قبل عرب ممالک کے وزرائے تعلیم کی ایک کانفرنس بغداد میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس نے "عرب اتحاد کا اعلان نامہ" مرتب کیا تھا .... اعلان نامہ میں عرب لیگ کے ماتحت ایک سائنسی، تعلیمی اور ثقافتی انجمن کی تشکیل کی تجویز بھی شامل تھی۔ اس انجمن کے کاموں میں عرب ممالک کے لیے ناخواندگی کے مسئلے کا حل تلاش کرنا بھی شامل تھا۔ اس کے بعد عرب ممالک کے نمائندوں اور سربراہوں کی ایک چوٹی کی کانفرنس نے، جو ستمبر ۱۹۶۴ء میں قاہرہ میں منعقد ہوئی تھی، خاتمۂ ناخواندگی کے لئے عرب ممالک کا ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے "خواندگی کے پروگراموں کی تنظیم اور منصوبہ بندی" کے موضوع پر غور کرنے کے لیے عرب ممالک کی ایک علاقائی کانفرنس یونیسکو اور عرب لیگ کے مشترک اہتمام میں کی گئی۔ یہ کانفرنس ۱۰ سے ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۴ء تک اسکندریہ میں منعقد ہوئی تھی اس میں ۱۴ عرب ممالک — الجیریا، جنوبی عرب فیڈریشن، عراق، جوارڈن کویت، لبنان، لیبیا، مراقش، قطر، سعودی عرب، سوڈان، شام، تیونس، متحدہ عرب جمہوریہ — کے نمائندوں نے

شرکت کی تھی۔ کانفرنس کے نمایندوں نے خواندگی کے پروگرام سے متعلق سماجی، اقتصادی اور تعلیمی مسائل کا جائزہ لیا۔

عرب ممالک صنعتی اور زرعی پیداوار کو بڑھا کر اپنے یہاں کے لوگوں کو خوش حال بنانے کی جی توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن صنعتی اور زرعی پیداوار میں اضافہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ان میں کام کرنے والے لوگ تعلیم یافتہ ہوں اور ہنرمندی سے کام کرنا جانتے ہوں۔ گویا، اڈلٹ ایجوکیشن سے اقتصادی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ اس صورت میں خواندگی کی تعلیم کو ایسا کام نہیں ٹھہرایا جاسکتا، جو صرف حکومت کے کرنے کا کام ہو بلکہ سماجی اور اقتصادی ترقی کی راہ میں ناخواندگی کو ایک بڑی رکاوٹ سمجھ کر اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے برخلاف زبردست قومی مورچہ قائم کیا جائے اور اس پر ہر طرف سے ہلّا بولا جائے۔ یعنی وقت کا تقاضا ہے کہ مختلف النوع قسم کی انجمنیں اور ادارے ـــــ اسکول اور دوسری علمی درسگاہیں، ٹریڈ یونینیں، کواپریٹیو سوسائٹیاں، عورتوں کی انجمنیں، نوجوانوں کے کلب، غرض سرکاری اور غیر سرکاری تمام طرح کے ادارے اس میدان میں متحدہ محاذ قائم کرکے کام کریں؛ اسی طرح زرعی اور صنعتی پیداوار کے مختلف ترقیاتی منصوبوں کو اپنے بجٹ میں ایک خاص رقم اڈلٹ ایجوکیشن کے لیے مخصوص کردینی چاہیئے جس سے کہ ان بالغوں کی تعلیم کا پروگرام چلایا جا سکے جو ان منصوبوں کے ماتحت کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی تعلیم کا انتظام صرف اسکولوں میں ہی نہیں بلکہ ان جگہوں پر بھی کیا جانا چاہیئے جہاں بالغ کام کاج کرتے اور اٹھتے بیٹھتے ہیں یعنی کارخانوں اور فیکٹریوں میں، دفتروں میں، ٹریڈ یونینوں میں، اور مسجدوں میں۔ مختصر یہ کہ روزگار فراہم کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے عملے کے لیئے خواندگی کی تعلیم کا انتظام کریں۔

اس سلسلے میں تمام عرب ممالک کی علاقائی سطح پر متحدہ کوششوں سے کام میں آسانی پیدا ہوسکتی ہے، بالخصوص درسی کتابوں کی تیاری اور استادوں کی ٹریننگ کے پروگرام ہیں۔ متحدہ عرب جمہوریہ میں یونیسکو کے تعاون سے ایک علاقائی ٹریننگ سنٹر قائم ہے۔ یہ سنٹر کافی دنوں سے کمیونٹی ڈیولپ منٹ پروگرام کے لیے ماہرین تعلیم کی ٹریننگ کا اہتمام کر رہا ہے۔ یہ سنٹر دوسرے تحقیقی اداروں کے تعاون سے نئے تعلیمی طریقوں کی افادیت کی جانچ اور مطالعے کا پروگرام شروع کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

اسکندریہ کانفرنس، جو اقتصادی اور سماجی ترقی کے پس منظر میں بالغوں کی خواندگی کی اہمیت پر غور کرنے کے لیئے بلائی گئی تھی، اور جس میں تمام عرب ممالک کے نمایندوں نے شرکت کی تھی، اس نے بالغوں کی خواندگی کی ہمہ گیر تحریک شروع کرنے کے لیے مندرجہ ذیل پروگرام تجویز کیا

- عرب لیگ کی سائنسی، تعلیمی اور تہذیبی انجمن کے ماتحت ایک انجمن کا قیام، جو خواندگی کے مسائل پر

غور و خوض کر سکے۔

• ایک علاقائی "لٹریسی فنڈ" کی تشکیل، جس میں تمام عرب ممالک، عرب لیگ میں اپنے چندے کی رقم کے تناسب سے مقررہ رقمیں جمع کیا کریں۔

• ۵ سال کے اندر اندر ملک سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے لیے ہر ملک اپنے اپنے قومی منصوبے تیار کرے۔ یہ منصوبے عرب ممالک کی خواندگی کی علاقائی انجمن اور علاقائی لٹریسی فنڈ کے سامنے غور و خوض کے لیے پیش کیے جائیں۔ علاقائی انجمن پورے علاقے کے پروگرام میں تال میل قائم کرنے کے علاوہ یہ بھی طے کرے گی کہ ان میں سے کون کون پروگرام پہلے شروع کیے جائیں اور کون کون بعد میں۔

اس کانفرنس نے یہ بھی طے کیا کہ عرب ممالک میں خواندگی کی یہ ہمہ گیر تحریک نومبر ۱۹۶۵ء سے شروع کی جائے عرب لیگ سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس ہمہ گیر تحریک کے خاکے پر غور کرنے کے لیے مارچ ۱۹۶۵ء میں اپنا اجلاس منعقد کرے۔

یونیسکو اور اس کے ڈائرکٹر جنرل نے دنیا سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے لیے جو ہمہ گیر عالمی تحریک چھیڑنے کا پروگرام پیش کیا ہے، اس میں عملی طور سے تعاون کرنے کی غرض سے اب عرب ممالک اپنے تمام وسائل یکجا کر رہے ہیں۔ اپنی اس کوشش میں انھیں بین الاقوامی اداروں اور انجمنوں سے دامے، درمے، سخنے تعاون کی بجا طور پر پوری امید ہے۔

(یونیسکو)

دنیا کے چند ملکوں میں

خواندگی اور تعلیم کی موجودہ کیفیت

انڈونیشیا

مغربی ایرین کو چھوڑ کر انڈونیشیا کے تمام علاقوں سے اب ناخواندگی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ انڈونیشیا کے ۲۲۲ ضلعوں میں سے ۱۰۳ ضلعوں میں چھ سالہ لازمی ابتدائی تعلیم کا پروگرام اس وقت تک رائج ہو چکا ہے اور ۱۹۶۸ء-۶۹ء تک یہ پروگرام پورے ملک میں رائج کر دیا جائے گا۔

کیوبا

کیوبا میں ۱۹۵۸ء میں ناخواندگی کے خلاف ایک زبردست قومی تحریک شروع کی گئی تھی۔ اس وقت ملک میں ۲۳ فی صدی آبادی ناخواندہ تھی مگر یہ تعداد اب گھٹ کر ۳.۹ فی صدی رہ گئی ہے۔

کیوبا میں اس وقت ۶ سال کی ابتدائی تعلیم مفت اور لازمی ہے۔ اور جلدی ہی یہاں ۹ سال تک کی مفت اور لازمی تعلیم کا پروگرام جاری ہو جائے گا۔

سعودی عرب

سعودی عرب میں ادھر چند سال سے تعلیم بالغان کے میدان میں بھی کوشش شروع ہوئی ہیں۔ اس وقت اڈلٹ ایجوکیشن کی باقاعدہ کلاسوں میں ۱۲ ہزار ۵۰۰ بالغ طالب علم داخل ہیں۔ گذشتہ سال کے مقابلے میں ابتدائی اسکولوں میں بچوں کی تعداد

بھی بڑھی ہے۔ گذشتہ سال اسکولوں میں ۱۵۶،۰۰۰ بچے داخل تھے جب کہ ۶۲-۱۹۶۱ء میں اسکولی بچوں کی تعداد ۱۲۶،۰۰۰ تھی۔ لڑکیوں کی تعلیم کے میدان میں خصوصاً بہت نمایاں ترقی ہوئی ہے ۶۲-۱۹۶۱ء میں اسکولوں میں داخلہ لے کر پڑھنے والی لڑکیوں کی تعداد ۱۵،۲۳۰ تھی جو ۶۳-۱۹۶۲ء میں بڑھ کر ۴۰،۵۸۰ ہو گئی۔

ملیشیا

ملیشیا اپنے بجٹ کی چوتھائی رقم تعلیم پر خرچ کرتا ہے ۱۹۶۱ء میں لازمی ابتدائی تعلیم کا پروگرام یہاں رائج کیا گیا تھا۔ اس وقت اسکول کی عمر کے تقریباً ۹۴ فی صدی بچے اسکول میں داخلہ لے کر پڑھ رہے ہیں۔ آیندہ سال سے لازمی ابتدائی تعلیم کی مدت بڑھا کر ۹ سال کر دی جائیں گی

اروگے

لاطینی امریکہ کے تمام ملکوں میں ناخواندگی کا سب سے کم زور اسی ملک میں ہے۔ اس وقت یہاں ناخواندہ لوگوں کی تعداد کل آبادی کا محض ۹،۶۹ فی صدی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جلدی ہی یہ تعداد کم ہو کر ۵ فی صدی رہ جائے گی اس لیے کہ ناخواندہ لوگوں کی اکثریت ۶۵ سال کی عمر سے تجاوز کر چکی ہے۔

اروگے میں تمام سطح پر تعلیم کا مفت انتظام ہے اور ۸ سال کی ابتدائی تعلیم ہر ایک کے لئے لازمی ہے۔ جلدی ہی یہ مدت بڑھا کر ۹ سال کر دی جائے گی۔ یہاں اس وقت اسکول عمر کے ۹۵ فی صدی سے زائد بچے اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں

کوریا

کوریا میں ناخواندگی کا بہت زور رہا ہے۔ تقریباً ۹۰ فی صدی آبادی ناخواندہ ہے بچوں کی تعلیم کی طرف اب کافی توجہ دی جانے لگی ہے ۶ سال کی اسکولی تعلیم بچوں کے لیے لازمی کر دی گئی ہے۔ اس وقت اسکول عمر کے تقریباً ۹۵ فی صدی بچے اسکولوں میں داخل ہیں۔

الجیریا

الجیریا میں اس وقت ۸۰ فی صدی بالغ ناخواندہ ہیں ۱۹۶۱ء میں یہ ملک آزاد ہوا، اس کے بعد حکومت تعلیم کی

طرف کس قدر توجہ دے رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے اس وقت حکومت اپنی قومی آمدنی کا ۳۰ فی صدی حصہ تعلیم پر صرف کر رہی ہے۔

وینیز ویلا

وینیز ویلا میں ناخواندگی اب گھٹ کر ۱۳ فی صدی رہ گئی ہے جب کہ ۱۹۵۸ء میں ناخواندوں کی تعداد ۴۰ فی صدی تھی۔ وینیز ویلا میں تعلیم کا ایک کوآپریٹیو انسٹی ٹیوٹ قائم ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے اہتمام میں صنعت، زراعت اور تجارت کے پیشوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعلیم کا ایک پروگرام گذشتہ تین سال سے چل رہا ہے۔ اس پروگرام کے ماتحت ۲۶۰۰۰ مزدوروں کو ٹریننگ دی جاچکی ہے۔ اس پروگرام کے ماتحت روزگار سے لگے ہوئے ۶۰۰۰ نوجوان کو مختلف پیشوں کی ٹریننگ بھی دی جا چکی ہے۔

البانیا

اس وقت ہر چار میں سے ایک البانوی کسی نہ کسی تعلیمی ادارے میں داخل ہے۔ جب کہ ۱۹۳۸ء میں آٹھ پر ایک کا تناسب تھا۔

کیمورون

کیمورون میں "کھلی ہوا کے اسکول" کے نام سے اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک نیا پروگرام شروع کیا گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے پائلٹ پروجیکٹوں کی شکل میں یہ تجرباتی پروگرام یونیسکو کی امداد سے چل رہا ہے۔ اس پروگرام کے ماتحت خواندگی کے نئے نئے طریقوں کے تجربے بھی کیے جارہے ہیں۔

کوسٹاریکا

کوسٹاریکا میں تعلیم کو بلند مقام ہمیشہ سے دیا جاتا رہا ہے۔ یہاں ۱۸۶۹ء سے مفت ابتدائی تعلیم کا پروگرام رائج ہے۔ ۷۔۸ سے ۱۲ سال کی عمر کے ۸۸ فی صدی بچے اس وقت اسکولوں میں داخل ہیں جب کہ ۱۹۵۰ء میں یہ تعداد صرف ۶۷ فی صدی تھی۔

اسپین

اسپین کے ۱۹۶۴-۱۹۶۷ء کے قومی ترقیاتی منصوبے میں اڈلٹ ایجوکیشن کا پروگرام بھی شامل ہے۔ اس مدت میں اسپین کی حکومت ۱۰ لاکھ بالغوں کے لیے خواندگی کی کلاسیں قائم کرے گی۔ ہر سال ۲ لاکھ ۵۰ ہزار ناخواندہ بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھایا جائے گا۔ اس پروگرام کو چلانے کے لیے ۵ ہزار اساتذہ کو ٹریننگ دی جا چکی ہے۔ اسپین میں ۱۹۶۳ء میں ناخواندوں کی تعداد کل آبادی کا ۲۶ء۹ فی صدی تھی۔ یہاں ۱۴ سال کی عمر تک بچوں کی ابتدائی تعلیم لازمی کر دی گئی ہے۔

گنی

گنی میں ناخواندگی کا بہت زور ہے۔ ملک کی ۹۰ فی صدی آبادی ناخواندہ ہے۔ ملک سے ناخواندگی کا زور کم کرنے کے لیے ایک قومی مہم شروع کرنے کا پروگرام بھی ملک کے سات سالہ ترقیاتی منصوبے میں شامل ہے۔ یہاں اس وقت ۶ سالہ ابتدائی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی ہے۔

یونان

نظام تعلیم میں اصلاح کرنے کے سلسلے میں ابھی حال میں یونانی پارلیامنٹ نے ایک قانون پاس کر دیا ہے۔ اس قانون کی رو سے لازمی ابتدائی تعلیم کی عمر اب بڑھ کر ۱۵ سال کر دی گئی ہے یعنی ۶ سال کی ابتدائی اور تین سال کی ثانوی تعلیم اب لازمی ہو گئی ہے۔

ایران

ایران میں سکنڈری اسکول پاس کرنے والے نوجوانوں کے لیے کچھ مدت تک فوجی خدمت انجام دینا لازمی ہے۔ اب ان نوجوانوں کو خواندگی کے مورچے پر لگانے کا پروگرام چلایا جا رہا ہے۔ اس پروگرام کے ماتحت سکنڈری اسکول کا امتحان پاس کرنے والے نوجوانوں کو مختصر مدت کی فوجی تربیت اور پڑھانے کے طریقوں کی ملی جلی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد یہ نوجوان دور دراز کے گاؤں میں بھیج دیئے جاتے ہیں جہاں ۱۴ ماہ رہ کر وہ بچوں اور بالغوں کی کلاسیں منظم کرتے ہیں۔

تیونیشیا

۱۹۶۳ء میں تعلیم کی منصوبہ بندی کے سلسلے میں جو پالیسی اختیار کی گئی ہے، اس کے بہت حوصلہ افزا نتائج سامنے آئے ہیں۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم کے میدان میں بہت نمایاں ترقی ہوئی ہے اس وقت ابتدائی اسکولوں میں ۶۰ فی صدی بچے زیر تعلیم ہیں جب کہ ۱۹۵۵-۵۶ء میں ان کی تعداد ۲۹ فی صدی تھی۔

تیونس میں اقتصادی اور سماجی ترقی کا جو سہ سالہ منصوبہ چل رہا ہے اس میں بالغوں کی تعلیم پر کافی توجہ دی گئی ہے ۱۹۶۵-۶۸ء کے ترقیاتی منصوبوں میں ڈھائی لاکھ زرعی اور صنعتی مزدوروں کے لیے پروگرام چلانے کی اسکیم شامل ہے۔ اس منصوبے پر اخراجات کا اندازہ کرنے کے لیے چھوٹے پیمانے پر ایک پائلٹ پروجیکٹ اکتوبر ۱۹۶۴ء سے نذرکہ گاؤں میں شروع کیا جا چکا ہے۔

(یونیسکو کانفرنس میں پیش کئے گئے اعداد و شمار کی بنیاد پر)

نوجوانوں کے ایک آرٹ سنٹر کی تعمیر

رات کے کھانے پر ہمارے درمیان مہمانوں میں ایک فرانسیسی انجینئر، ایک اسپینی غیر فوجی رضاکار، جاپان کے ایک لیبارٹری ٹیکنیشین اور ڈنمارک کے ایک نوجوان ہیلتھ افسر بھی موجود تھے۔ مختلف ممالک کے لوگوں کے اس ملے جلے اجتماع سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ کوئی بہت پرتکلف اور شاندار دعوت تھی۔ ہم لوگ ایک میز کے چاروں طرف بیٹھے تھے۔ وہاں چھری کانٹے بھی زیادہ نہیں تھے اور نہ کسی تکلف کا اہتمام تھا۔ بھلا ان باتوں کی کسے پرواہ تھی۔ وہ تو ایک بے تکلف صحبت تھی اور وہ بھی نوجوان دوستوں کی پرتکلف صحبت۔

یہ واقعہ انگلینڈ میں برمنگھم کے پاس کے ہل پارک گاؤں کا ہے۔ اس گاؤں میں ان دنوں نوجوانوں کے لیے ایک آرٹ سنٹر (دارالفنون) کی تعمیر کا کام ہو رہا ہے۔ مختلف ملکوں کے لوگ آج کل اسی سنٹر کی تعمیر میں ہاتھ بٹانے کے لیے ایک بین الاقوامی کیمپ لگا کر کام کر رہے ہیں۔

زمین کھودنے، دیواریں بنانے، کنکریٹ کی اینٹیں بنانے اور نالیاں بنانے کے کاموں میں مختلف ملکوں کے طالب علموں، کارخانوں کے ملازموں، دوسرے دھندوں میں لگے ہوئے نوجوان مستریوں کو اس سنٹر کے تعمیر کے کاموں میں دن رات ہاتھ بٹاتے دیکھا گیا ہے۔ اس عمارت کے مکمل ہو جانے کے بعد انھیں ایک کھلے تھیٹر کی تعمیر کا کام بھی کرنا ہے، جس میں بہ یک وقت ۰۰ آدمی بیٹھ سکیں گے۔

یہ تھیٹر نوجوانوں کے آرٹ سنٹر پروجیکٹ کا ایک حصہ ہوگا۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں اس آرٹ سنٹر کے منصوبے پر کچھ روشنی ڈال دوں، جس سے یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ یہ رضاکار کیوں اپنی محنت اور قیمتی وقت صرف کر کے اس کی تعمیر کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔

کینن ہال میں ہم کلچرل سرگرمیوں کے لیے کھیل کا ایک میدان بنا رہے ہیں۔ ہمارے خیال سے دو طرح کے کھیل ہوتے ہیں

لوگ بیشتر اپنی عمر کے مطابق جسمانی کھیل کود کے طور طریقے سیکھتے ہیں۔ اس کے لیے فٹ بال کے میدان، ریس کے میدان اور ٹینس کورٹوں کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ بچے ان کے بارے میں شروع سے ہی معلومات حاصل کرتے رہیں۔

مگر ایک اور طرح کا کھیل بھی ہوتا ہے — اور وہ ہے ذہنی اور جذباتی نشوونما کا کھیل۔ سنگیت، ڈرامہ، مصوری ادب اور دوسرے آرٹ۔ ذہن اور جذبات کی نشوونما پر اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں جیسے کہ جسمانی نشوونما پر جسمانی کھیل اور دوسری تفریحیں۔

مگر بدقسمتی سے آرٹ کی اس دنیا میں قدم رنجا ہونا اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ دوسری طرح کی تفریحات ہیں۔ کچھ ہی لوگ ہوتے ہیں جنھیں بچپن سے دوسری تفریحات کے ساتھ آرٹ کی اس دنیا میں قدم رکھنے کا موقع ملتا ہے۔ اسکولوں میں وہ انھیں ایک مضمون کی حیثیت سے سیکھ سکتے ہیں مگر بیشتر گھروں میں انھیں سیکھنے کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ اس طرح بچپن کی حدود کو چھوڑ کر عہد شباب میں قدم رکھنے والوں کی بہت بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے جس کے دل و دماغ میں یہ بات پیوست ہو چکی ہوتی ہے کہ معمولات کی زندگی سے آرٹ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ بہت افسوس ناک بات ہے کہ اس طرح کا خیال ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ پر چھا چکا ہے۔ افسوس ناک اس لئے کہ اس خیال کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہی وہ مسئلہ تھا جسے حل کرنے کی تدبیریں انگلینڈ کے بڈلینڈ کے علاقے کے کچھ لوگوں کے سامنے زیر غور تھیں۔

اور زیر بحث آرٹ سنٹر کی تعمیر اسی مسئلے کو حل کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اب ہم ایک ایسے آرٹ سنٹر کی تعمیر کا کام کر رہے ہیں جہاں نوجوان اس طرح کی تفریحی سرگرمیوں کے آداب سیکھ سکتے ہیں۔ یہاں وہ مختلف آرٹ کے بارے میں ابتدائی معلومات حاصل کر سکتے ہیں اور یہ سب باتیں وہ ایسے ماحول میں رہ کر سیکھ سکتے ہیں جو اسکول کی کلاس سے بالکل مختلف ہوگا۔

اس سنٹر کے دروازے تمام نوجوانوں کے لئے کھلے ہوں گے۔ یہاں رنگ و نسل، مذہب یا سماجی طبقات کے اعتبار سے کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا جائے گا۔

اس سنٹر کی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے والے لوگوں سے کچھ نہ کچھ فیس بھی لی جائے گی مگر یہ اس اصول پر کہ جن تفریحات میں لوگ اپنی طرف سے کچھ پیسہ خرچ کر کے حصہ لیتے ہیں ان میں مفت پروگراموں کے مقابلے میں زیادہ دلچسپی دکھاتے ہیں۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جن نوجوانوں کے پاس درحقیقت فیس وغیرہ ادا کرنے کے وسائل نہیں ہوں گے انھیں ان سہولتوں سے فائدہ اٹھانے سے قطعی محروم کر دیا جائے گا۔

ہمارے منصوبے بہت حوصلہ مندانہ ہیں۔ اس منصوبے کے ماتحت تین طرح کے تھیٹر بنائے جا رہے ہیں۔ ایک میں ایک ہزار سے بھی زائد لوگ بیٹھ سکیں گے اور دوسرے میں ۳۰۰ کی جگہ ہوگی، ان کے علاوہ ایک تھیٹر بھی ہوگا۔ ان کے علاوہ ایک لیکچر روم، ایک آرٹ گیلری، ایک نمائش گاہ، ایک ریستوران، ایک سینما، تیراکی کا ایک تالاب اور ایک آرٹ کلب بھی ہوگا جس میں لیبارٹری اور اسٹڈیو بھی ہوگا۔

یہ سنٹر کینن ہل پارک میں ۴ ایکڑ کے ایک قطعے پر بنایا جا رہا ہے کینن ہل پارک، برمنگھم کے حسین ترین پبلک پارکوں میں سے ایک ہے، جس میں جگہ جگہ بڑے بڑے درختوں کی قطاریں ــــ رنگ برنگے پھولوں کی کیاریاں اور سبزے اور جھیلیں ہیں۔

آج کل اس سنٹر کے لیے عمارتوں کی تعمیر کا کام ہو رہا ہے جس میں نوجوان رضا کار بھی ہاتھ بٹا رہے ہیں جن میں طالب علم بھی ہیں، کارخانوں کے نوجوان ملازم بھی، دکانوں پر کام کرنے والے بھی، اور انجینیر اور مستری بھی۔

تبصرہ

دیمک

از: ۔ حسین حسّان

صفحات: ۔ ۶۴

قیمت: ۔ ۸۵ پیسے

ناشر: ۔ ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملّیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

"ارے رامو کے باپ! ذرا کوٹھری میں تو آؤ۔ دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس لکڑی والے بکس میں اتنے بہت سے کیڑے کہاں سے آ گئے۔ ہے رام! سارے کپڑے مٹّی میں مل گئے۔ سب کو ان کیڑوں نے چاٹ کر برابر کر دیا!"

رامو کا باپ دوڑا دوڑا کوٹھری میں آیا۔ بکس میں جھانکا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہنے لگا:

"اری مورکھ یہ تو دیمک ہے دیمک تو نے بکس یوں ہی زمین پر رکھ دیا۔ بھلا پھوس کا جھونپڑا، مٹّی کی دیواریں، کچّی زمین، دیمک تو لگنا ہی تھی، تو اس بکس کی دوسرے تیسرے خبر لیتی رہتی۔ کپڑوں کو دھوپ دکھاتی رہتی بکس کو پکّی اینٹوں پر رکھ دیتی تب بھی بچاؤ ہو جاتا"

دونوں کی آواز سن کر بچّے بھی گھر میں آ گئے اور سامنے والے گھر کے ماسٹر جی نے رامو کے باپ کو تسلّی دی اور بتایا کہ یہ کتنا ظالم کیڑا ہے اور دنیا میں اس کے کیا کیا کارنامے مشہور ہیں۔ اور اس سے بچاؤ کی کیا کیا تدبیریں ہیں۔ مگر جب بات چیت آگے بڑھی تو رامو کے باپ کو معلوم ہوا کہ یہ ننھے ننھے کیڑے کتنے کمال کے ہوتے ہیں۔ یہ بڑے بڑے کام کر گزرتے ہیں، بہت سلیقے سے اپنی بستی میں رہتے ہیں۔ ان میں مزدور بھی ہوتے ہیں اور سپاہی بھی۔ راجہ بھی اور رانی بھی۔

اس چھوٹی سی کتاب میں دیمک کے بارے میں بہت دلچسپ انداز میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ نوخواندہ بالغوں کے لئے یہ کتابچہ تیار کیا گیا ہے، جس سے بڑوں کے ساتھ بچّے بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ کتاب عمدہ کاغذ پر بلاک سے چھاپی گئی ہے۔

رائیں

پچھلے مہینے تعلیم وترقی کا خاص نمبر بعنوان "خواندگی کی بین الاقوامی تحریک میں ہندوستان کا منصوبہ" شائع ہوا تھا۔ اس نمبر پر آپ کی رائے کا ہمیں انتظار ہے۔ یہاں ہم تعلیم وترقی کے ناظرین میں سے دو کی رائیں پیش کر رہے ہیں

— ایڈیٹر

• ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی

ڈائرکٹر نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر نئی دہلی

"تعلیم وترقی کا خاص نمبر مجھے آج ہی ملا۔ بہت بہت شکریہ۔ یہ بہت کامیاب کوشش ہے۔ ہندی علاقے کے سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں اور خواندگی کے اساتذہ کے لئے یہ نمبر بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔

خواندگی کے اعداد وشمار سے متعلق جو چارٹ اس میں شامل کیا گیا ہے کیا آپ اس کی ۱۰ کاپیاں اور خاص نمبر کی ۵ کاپیاں اس سنٹر کے لیے بھیج سکیں گے۔"

• شیری ایم چوبے

سینیئر ایسوسی ایٹ (ایکس ٹنشن)

پلاننگ ریسرچ اینڈ ایکشن انسٹی ٹیوٹ لکھنؤ

"سب سے پہلے مبارک باد قبول فرمایئے کہ آپ نے تعلیم وترقی کا خاص نمبر اس اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ڈیولپمنٹ کمشنر صاحب کے دفتر میں یہ خاص نمبر میری نظر سے گذرا۔ اب میں آپ سے یہ درخواست کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ اس خاص نمبر کی ایک کاپی مجھے فوراً بھیج دیں۔"

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۶ شمارہ ۲

فروری ۱۹۶۵ء

بانی: شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

ادارہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

قیمت:

سالانہ چار روپے فی پرچہ ۳۷ پیسے

ٹیلیفون ۷۴۴۶۴

ترتیب

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے یونین پریس جامع مسجد دہلی ۶ میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

ہمارے اخبارات اور اڈلٹ ایجوکیشن

شاعر نے تو "اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا" کہہ کر شعراء کی عام روش فکر پر طنز کیا تھا لیکن یہی مصرعہ ذرا تحریف کے ساتھ ہمارے اخبارات کی شان میں یوں دہرایا جا سکتا ہے' "اور بھی غم ہیں زمانے میں سیاست کے سوا" غضب ہے کہ ان کے مذہب میں سیاست کے علاوہ اور کسی چیز کی نہ اہمیت ہے اور نہ وقعت۔ ملک میں کوئی سیاسی بحران اٹھ کھڑا ہو تو دیکھئے ان کی آن بان اور تیور! زندگی کے دوسرے شعبے' ایسا معلوم ہوتا ہے' یا تو ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں یا ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتے۔ اور تعلیم کے باب میں کچھ لکھنا اور اس سے متعلق خبریں شائع کرنا تو کسر شان سمجھتے ہیں۔ رہی بالغوں کی تعلیم تو اس کے بارے میں تو شاید ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اخبارات نے اس کا غالباً کبھی نام بھی نہ سنا ہوگا۔

اخبارات کو عوام کی نبض کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے ان کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ وہ اکثر و بیشتر ملک کی سیاست کا رُخ موڑ دیتے ہیں' چنانچہ اگر وہ ملک کی تعلیمی زبوں حالی کے موضوع پر لکھنا شروع کر دیں تو یقین کیا جا سکتا ہے کہ تعلیم کے باب میں حکمراں طبقے کے سوچنے کا طریقہ تو کم سے کم بدل ہی جائے گا۔ ہمیں خوشی ہے کہ معاصر انڈین ایکسپریس نے اس میدان میں پہل کی ہے اور اپنے ۱۴ر فروری کے سنڈے ایڈیشن میں جو "سنڈے اسٹینڈرڈ" کے نام سے شائع ہوتا ہے "تعلیم کی بدحالی" کے عنوان سے اس شمارے کا اداریہ اس کے لئے وقف کیا ہے۔ موقر معاصر نے اس سلسلے میں' بڑی جرأت کے ساتھ' لاگ لپیٹ کو الگ رکھ کر' بڑی تلخ اور تکلیف دہ حقیقتیں بیان کی ہیں اور اس بات پر حیرت ظاہر کی ہے کہ آزادی کے سترہ سال گذر جانے کے باوجود ملک کی آبادی کا ۵۰ فیصدی سے زیادہ حصہ اب تک ناخواندہ ہے (معاصر مذکور کا یہ اداریہ اسی اشاعت میں دوسری جگہ شائع کیا جا رہا ہے)

ہمیں امید ہے کہ ملک کے دوسرے خصوصاً انگریزی اخبارات بھی ـــــــ اس لئے کہ ہمارے یہاں بڑے لوگ اپنی زبان سے زیادہ انگریزی زبان میں بات کو سمجھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ معاصر انڈین ایکسپریس (سنڈے اسٹینڈرڈ) کی اس روایت کو جاری رکھیں گے اور وقتاً فوقتاً ملک کے ارباب حل و عقد کو تعلیم کی توسیع کی ضرورت کی طرف اپنے اداریوں اور خصوصی مضامین کے ذریعے متوجہ کرتے رہیں گے۔ ہم موقر معاصر انڈین ایکسپریس (سنڈے اسٹینڈرڈ) کو تعلیم اور وہ بھی بالغوں کی تعلیم کی حمایت میں پہل کرنے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

قومی نظامِ تعلیم میں اڈلٹ ایجوکیشن کا مقام

زیرِ نظر مقالہ فاضل ماہر تعلیم محترم ڈاکٹر وی۔ ایس جھا نے لکھا ہے۔ موصوف حکومت ہند کے مقرر کئے ہوئے ایجوکیشن کمیشن کے ممبر ہیں۔ ڈاکٹر جھا ایک عرصے تک انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے صدر رہ چکے ہیں اور ان کا پختہ عقیدہ ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کو قومی نظامِ تعلیم کا ایک ناگزیر جزو تسلیم کیا جانا چاہیے۔

زیرِ نظر مقالے میں موصوف نے اپنے اسی نظریئے کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس وقت جبکہ ہندوستان کے لئے ایک ہمہ گیر نظامِ تعلیم کی تشکیل زیر غور ہے، یہ نہایت اہم اور دلچسپ بحث ہے اور اگر اس مقالے کو سامنے رکھ کر دوسرے ماہرینِ تعلیم اور تعلیمی کارکن اس بحث میں شرکت کریں تو اس سلسلۂ مباحث سے بڑے دوررس نتائج برآمد ہوں گے۔

ماہنامہ تعلیم و ترقی کے صفحات اس بحث میں شرکت کرنے والے حضرات کے لئے چشم براہ رہیں گے۔

ایڈیٹر

کسی ترقی پذیر سماج کے لئے جس نے اپنے طرز معاشرت میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کرنے کا تہیّہ کر لیا ہو تاکہ اس کے فیض سے وہ بین الاقوامی زندگی کے سائنٹفک مزاج کے تقاضوں پر پورا اُتر سکے اور خود اپنے قومی حوصلوں کو پورا کر سکے، اڈلٹ ایجوکیشن کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے بشرطیکہ اس کا صحیح مفہوم پیش نظر ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت سماج میں جو طرزِ فکر اور برتاؤ کی جو روش رائج ہے اس میں زبردست تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ایسی تبدیلی کی جو کوپرنکس کے گردشِ سیارگان کے نظریے سے پیدا ہوئی۔ روایات کی پابندی کا معمول جو

جو زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے اور اب کرم خوردہ ہو چکا ہے، اور بے جان اور بے نتیجہ تصورات اور عقاید جو اپنی بے ثمری کے باوجود ابھی تک دماغوں پر حاوی ہیں، انھیں اب جگہ چھوڑ دینا چاہئیے تاکہ ان کے بجائے نیا طرزِ فکر رواج پذیر ہو جو ہمہ وقت تجربہ و تحقیق کی صیقل سے اپنے آپ کو چمکاتا رہے اور جس میں وہ قوت و صلاحیت اور وہ حوصلہ اور عزم ہو جو قوم کو خوش حال سے خوش حال تر بنیاد پر کھڑا کرنے اور اس کی اپنی ایک نمایاں و ممتاز شخصیت بنانے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

ایسے سماجی انقلاب کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اگر اس کے پیچھے دماغوں میں اُپج پیدا کرنے والے اور ایک منظم نظامِ تعلیم کی کارفرمائی نہ ہو۔ اگر عوام یہ نہ سمجھ سکیں کہ ان کے گردوپیش کیا کچھ ہو رہا ہے تو اگر وہ ان واردات میں شریک بھی ہوں گے تو ان کی شرکت بے جان اور بے نتیجہ ہوگی۔ یہی نہیں بلکہ اُلٹے تبدیلی لانے والے اقدامات اور منصوبوں کے وہ مخالف ہو جائیں گے کیونکہ اُن سے ان کے مسلّمہ عقاید اور معینہ عادات و خصائل کو خطرہ لاحق ہوگا۔ جس وقت سماج موجودہ دَور کے تناؤوں اور دباؤوں کے زیر اثر اپنے مقاصد کی نئی تعریف و تعبیر اور اپنے موروثی اور پشتینی نظامِ اقدار پر نظرِ ثانی کر رہا ہوتا ہے، اُس وقت "تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ" بس چند ہی لوگ ہوں گے جنھیں کسی نہ کسی شکل میں تعلیم کی ضرورت نہ ہو۔

تعلیم کا طلبگار خواہ وہ ایک ہی شخص ہو، قطعِ نظر اس کے کہ وہ عورت ہے یا مرد، ناخواندہ ہے یا نیم خواندہ اور قطعِ نظر اس کے بھی کہ کسی زمانے میں اس نے اعلیٰ تعلیم پائی تھی جو اب علم کی وسعت کے پیشِ نظر ازکار رفتہ ہو گئی ہے، اُسے قوم جس حد تک تعلیم کے مواقع فراہم کرنے میں قاصر رہے گی، اُسی حد تک اُس کے وہ وسائل جو انسانوں کی شکل میں ہوتے ہیں، ضائع ہوتے رہیں گے۔ مہذب سماجوں میں تعلیم ایک عمر بھر کا عمل ہے جو "مہد سے لحد تک" جاری رہتا ہے۔

موجودہ صورتِ حال

اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت کو سنہ ۱۹۳۷ء میں ایک حد تک تسلیم کیا گیا تھا، اور ملک کے بعض حصوں میں کسی قدر "عوامی" پیمانے پر کوشش کی گئی تھی کہ ناخواندہ بالغوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد پڑھنا لکھنا سیکھ جائے۔ آزادی کے بعد کے زمانے میں "سوشل ایجوکیشن" کا تصور غالب رہا اور اس اہم مگر محدود میدان میں متعدد تجربے کئے گئے اور کچھ قابلِ قدر کام بھی ہوا۔ "سماجی تعلیم" کے اوپر زور دیا جاتا

ضروری تھا اس لئے کہ ملک میں بالغ رائے دہندگی کا اصول نافذ کیا گیا تھا اور جمہوری طرز زندگی اختیار کرنے کا تقاضا تھا کہ عوام کی بھاری غیر تعلیم یافتہ اکثریت کو سمجھایا جائے کہ اس تبدیلی کا کیا مطلب ہے؛ اور ان کے دماغوں کو اس بات کے لئے تیار کیا جائے کہ وہ زندگی کے نئے سماجی اور سیاسی ماحول میں ذمے داری کے احساس کے ساتھ شریک ہوں۔ جنگ آزادی کے زمانے میں عوام کو اُس زمانے کی حکومت کے خلاف بغاوت اور اُس کے قائم کئے ہوئے اداروں کو تباہ و برباد کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مگر آزادی حاصل ہو جانے کے باوجود فکر و عمل کی پرانی عادتیں جوں کی توں قائم رہیں اور اب تک قائم ہیں۔ ابھی عوام میں اس بات کی سمجھ نہیں پیدا ہوئی ہے کہ ان کے اور حکومت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے بلکہ حکومت کے اختیارات اور ذمّے داریوں میں ان کا حصہ ہے۔ اگرچہ سوشل ایجوکیشن کے تصور پر اور اس کے طریقوں اور ٹکنیک کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے سوچ بچار ہوا ہے تاہم ابھی تک ملک میں اڈلٹ ایجوکیشن کا کوئی محکم فلسفہ وضع نہیں کیا جا سکا ہے اور نہ اُسے اس کے وسیع اور ہمہ گیر معنی میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اور یہ تو یقینی بات ہے کہ قومی ڈیولپ منٹ کے پروگراموں میں اڈلٹ ایجوکیشن کو وہ حیثیت نہیں دی گئی ہے جو لازم و ملزوم چیزوں کی ہوتی ہے، سوائے کمیونٹی ڈیولپ منٹ کے پروگرام کے جہاں اُسے بس برائے نام پروگراموں کا جزو بنایا گیا ہے۔ پھر سوشل ایجوکیشن کو جو اہمیت دی گئی ہے، اس کی نوعیت بھی مختلف علاقوں اور مختلف وقتوں میں مختلف رہی ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ جو حیثیت دی جاتی رہی ہے وہ ایسی ہی تھی جیسے کسی بڑے شہری ماحول میں کسی غریب دیہاتی عزیز کی ہوتی ہے اور عزیز بھی دور کا۔ کچھ اسی طرح کی کیفیت اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں لیڈرشپ کی بھی رہی ہے، مبہم اور غیر یقینی۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے حدود

عملی اعتبار سے اڈلٹ ایجوکیشن کے مفہوم کے مطابق "اڈلٹ" یعنی بالغ کی تعلیم سے مراد وہ تعلیم ہے جو پندرہ سال سے اوپر کے اُن مردوں اور عورتوں کو دی جاتی ہے جو رسمی تعلیم کے کسی باضابطہ ادارے میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اڈلٹ ایجوکیشن کا صحیح مفہوم ہر بالغ کی تعلیم ہے جب تک وہ تعلیم حاصل کرنا چاہے اور جب تک اس سے مستفید ہونے کی اُس میں صلاحیت باقی ہو۔ جمہوری قوموں میں ہر شخص کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ ان مواقع سے فائدہ اُٹھائے جن سے تجربات میں وسعت اور معنویت پیدا ہوتی ہے، جس چیز کو

وہ اپنے لئے مفید اور کارآمد سمجھے اُسے سیکھ اور حاصل کرسکتا ہے، اپنی اصلاح کرنے میں ان سے مدد لے سکتا ہے اور اپنی زندگی کو بہتر اور خوش حال بنا سکتا ہے۔ رسمی تعلیم کی کچھ حدود ہوتی ہیں جن کے اندر وہ بجا طور پر محدود ہوتی ہے لیکن وہ خود بس واجبی ہی واجبی اس قابل ہوتی ہے کہ قوم کی ضرورتوں اور تمناؤں کی تسکین کا سامان کرسکے۔

(الف) ناخواندگی کا انسداد

ملک کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر اڈلٹ ایجوکیشن کا رُخ جن بڑے کاموں کی طرف ہونا چاہئے، ان میں سے ایک کام ناخواندگی کا انسداد ہے۔ ایسا سماج جس کے افراد، عورتیں اور مرد، ایک دوسرے کے ساتھ عقلمندی اور سمجھداری کے ساتھ رابطہ نہ قائم رکھ سکتے ہوں، اور آپس میں مل جُل کر زندگی گذارنے کی قدر و قیمت نہ سمجھتے ہوں، جمہوری سماج کی حیثیت سے کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہمارے ملک میں اس وقت ناخواندگی کی صورتِ حال تشویشناک ہے اور ایسی ہے کہ اس پر شرم آنی چاہئے، جیسا کہ حسب ذیل اعداد سے واضح ہوگا:

(۱) ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس وقت کل آبادی کا صرف ۲۴ فیصدی حصہ خواندہ ہے۔

(۲) خواندگی کی رفتار گذشتہ برسوں میں بے حد سُست رہی ہے جسب ذیل نقشہ ملاحظہ ہو۔

سال	خواندگی کا اوسط فیصدی
۱۹۰۱ء	۶٫۲
۱۹۴۷ء	۱۵٫۵
۱۹۶۱ء	۲۴٫۰

گویا ۱۹۴۷ء کے بعد سے خواندگی کے اوسط فیصدی کی رفتار ایک فیصدی سالانہ رہی ہے جو ظاہر ہے بہت سُست رفتار ہے

(۳) تعلیم کے میدان میں ملک کے دیہاتی علاقوں کو بہت کم حصہ ملا ہے، جیسا کہ نیچے دئے ہوئے نقشے سے معلوم ہوگا۔

سال	دیہاتی علاقے	شہری علاقے
۱۹۵۱ء	۱۲٫۱ فیصدی	۳۶٫۶ فیصدی

سال	دیہاتی علاقے	شہراتی علاقے
۱۹۶۱ء	۰٫۱۹	۰٫۴۷

عورتوں کی خواندگی کا جو تناسب رہا ہے، اس کا اوسط فیصدی اور بھی کم ہے اور اس کے اضافے کی رفتار بہت زیادہ سُست رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

سال		اوسط فیصدی
۱۹۵۱ء	میں عورتوں کی کل آبادی کا صرف	۷٫۹ فیصدی حصہ خواندہ تھا۔
۱۹۶۱ء	" " " " " "	۱۲٫۸ فیصدی حصہ خواندہ تھا۔

قومی تعلیمی پروگرام کے لئے منجملہ اور مسائل کے سوچنے کی ایک بات یہ ہے کہ ملک سے ناخواندگی کتنی لگن سے اور کس قدر جلد ختم کی جا سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ محض خاتمۂ ناخواندگی اصل مقصد نہیں ہے۔ خواندگی صرف ایک آلہ ہے اور اس کی قدر و قیمت اُسی وقت ہے جب یہ نو خواندہ کے لئے قابلِ استعمال ہو۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ خواندگی کے پروگراموں کا سلسلہ نوسکھوں کی بامقصد اور کارآمد تعلیم کے پروگراموں سے جُڑا ہے۔ خواندگی کے لئے کارآمد خواندگی (فنکشنل لٹریسی) کا ہم معیار ہونا لازمی ہے اور نوخواندہ بالغ میں اتنی مہارت پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ اس سے کام لے کر وہ اپنے بھلے اور خوشحالی کے لئے کوشش کر سکے اور اس کے فیض سے سماج کا بھی ایک کارآمد رُکن بن سکے۔

(ب) سوشل ایجوکیشن

سماجی تعلیم (سوشل ایجوکیشن) کی اڈلٹ ایجوکیشن کے کسی بھی پروگرام میں بڑی اہمیت ہے۔ یہ سوچنا کہ سوشل ایجوکیشن صرف ناخواندہ بالغوں کے لئے ہے، بڑی بھاری منطقی غلطی ہوگی۔ سچ پوچھئے تو ڈیولپ منٹ کے قومی پروگراموں اور جمہوری نظامِ زندگی میں شرکت کرنے کے لئے تعلیم یافتہ طبقے کو بھی ٹریننگ اور تربیت کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کسی اور شخص کو۔ ایک طرف جہاں یہ حقیقت ہے کہ خواندگی کی تعلیم بے حد ضروری ہے، وہاں دوسری طرف اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کام کرنے والوں کی کمی کی وجہ سے اس کی رفتار اس وقت محدود رہے گی۔ جب تک مطلوبہ سرمایہ میسّر نہ آئے، لیکن جب تک خاتمۂ ناخواندگی کی منزل نہ آ جائے، اس وقت تک عوام کی تعلیم کو التوا میں تو نہیں ڈالے رکھا جا سکتا۔ جمہوریت ابھی ہمارے

ہاتھوں میں دہکتے ہوئے گرم لوہے کی مانند ہے، جسے ہمیں تھامے رہنا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سوشل ایجوکیشن کو جتنا زیادہ سے زیادہ ممکن ہو، فروغ دینا چاہیئے، اور اس مقصد کے لئے اطلاع رسانی کے عوامی وسائل کا جی بھر کے استعمال کرنا چاہیئے۔ اس وقت جو تھوڑا بہت تجربہ اس پروگرام کا حاصل ہوا ہے، اس کے نتائج سے آئندہ اچھے امکانات کا پتہ چلتا ہے۔ ضرورت جس بات کی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے لئے ڈٹ کر کوشش کی جائے اور اس کی انتظامی مشینری کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنایا جائے۔

(ج) اُن لوگوں کی تعلیم جو اپنی تعلیم پوری نہیں کر سکے

ہمارے نظامِ تعلیم کی ایک بدنصیبی خصوصًا ابتدائی اور ثانوی منزلوں میں یہ ہے کہ طلباء کی بڑی تعداد اپنی تعلیم کے مقررہ نصاب کو پورا نہیں کرتی۔ وہ سال دو سال یا سال آدھ سال اس سے زیادہ اسکول جاتے ہیں مگر اس مدت کے بعد غائب ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال کے نتیجے کے طور پر قوم کے سرمائے اور محنت کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ لہذا ملک کے تعلیمی نظام کو اہتمام کر کے ایسی تدبیریں نکالنی چاہئیں کہ ایسے طلبا کسی مناسب منزل پر پہنچ کر اپنی تعلیم پوری کر لیں تاکہ اس سے انھیں فائدہ پہنچے۔ اس کے علاوہ وہ طلباء جو ابتدائی یا ثانوی منزل پار کر کے تعلیم کا سلسلہ ترک کر دیتے ہیں، ان کے لئے بھی ایسے مواقع فراہم کئے جانے چاہئیں کہ وہ اپنی تعلیم کو آگے بھی جس منزل تک چاہیں، جاری رکھ سکیں۔ دنیا کے دوسرے حصّوں کے تجربات سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ تعلیم کو آگے تک جاری رکھنے کے مواقع جُزوقتی نصابوں، تسلسلی کلاسوں، شبینہ مدرسوں یا مراسلاتی کورسوں کی شکل میں جہاں کہیں میسّر ہیں، وہاں اُن سے لوگ خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح کے بالغوں میں جو لوگ زیادہ حوصلہ مند ہوں گے وہ ان مواقع سے اپنے حالات کو بہتر بنانے میں یقینًا مدد لیں گے اور جن چیزوں کو معاشی نقطۂ نظر سے کار آمد دیکھیں گے، انہیں سیکھیں گے۔ لہذا اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگراموں کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ جو لوگ اپنی تعلیم کو مکمل نہیں کر سکے تھے، ان کی تعلیم مکمل ہو جائے اور جو لوگ اپنی تعلیم کو کسی بھی میدان میں آگے جاری رکھنا چاہیں اور اس سے استفادہ کرنے کی ان میں صلاحیت ہو، وہ اُسے جاری رکھ سکیں۔

(د) مزید تعلیم (فردر ایجوکیشن)

اڈلٹ ایجوکیشن کے قومی منصوبے کا ایک لازمی عنصر مزید تعلیم کے مواقع فراہم کرنا ہے خاص طور سے

ان لوگوں کے لئے جو فارموں، فیکٹریوں، تجارتی اداروں، دفتروں، دکانوں، ملوں اور اسی طرح کے دوسرے اداروں میں ملازمت کرتے ہیں۔ جو لوگ کوئی کام کر رہے ہیں، ان کو اس قابل بنانا چاہئے کہ وہ اپنے کام سے متعلق مزید معلومات حاصل کریں اور اپنی مہارت میں اضافہ کریں تاکہ اس ذریعے سے بہتر کام کر کے اپنی آمدنی اور مرتبے میں اضافہ کر سکیں۔ اڈلٹ ایجوکیشن کا یہ پہلو ایک ایسے سماج کے لئے جو معاشی استواری اور استحکام کے لئے خون پسینہ ایک کر رہا ہو، بے حد ضروری ہے اور اس کے اوپر خاص زور دیا جانا چاہئے۔

(ہ) بے روزگار لوگوں کی تعلیم

اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام میں ان لوگوں کی تعلیم کی بھی معقول حد تک گنجائش ہونی چاہئے جو بے روزگار ہیں۔ ان کے لئے مختلف نوعیت کے بہت سے ایسے کورس منعقد کئے جا سکتے ہیں جن کے ذریعے وہ روزی کما سکیں اور اس طرح سماج کے مفید اور کارآمد رکن بن سکیں۔ بے روزگاروں کی بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنھیں جھنجھوڑنے کی ضرورت ہے تاکہ انھیں اپنے اوپر اعتماد پیدا ہو سکے اور وہ کچھ ایسی چیزیں سیکھ لیں جو اُن کے اپنے مفاد کے لئے مفید اور کارآمد ہوں۔

(و) تہذیب و تمدن کی تعلیم

جو لوگ مفید کاموں میں لگے ہوئے ہیں، وہ بھی کچھ ایسی چیزیں سیکھنا چاہیں گے جو براہ راست ان کے کام اور پیشے سے متعلق نہیں ہوتیں مگر وہ انھیں اس لئے سیکھنا چاہتے ہیں کہ ان سے ان کو دلبستگی اور چاؤ ہے۔ اس قسم کی چیزوں میں تہذیبی علوم و فنون مثلاً فنون لطیفہ، موسیقی، ڈراما، ناچ، اور اسی طرح کی دوسری دلچسپیاں شامل ہیں۔ اسی ضمن میں زبانوں کا سیکھنا اور دلچسپ اور مفید مشغلے بھی آتے ہیں۔ اس سلسلے میں آبادی کے ان طبقوں کو ذہن میں رکھنا چاہئے جنھیں فرصت اور آسودگی حاصل ہے۔ چنانچہ بہت اچھا ہوگا اگر ان کے لئے ٹریننگ کے مواقع فراہم کئے جائیں جس سے یہ لوگ اپنے فرصت کے اوقات کو اچھے اور مفید مشاغل کے ذریعے مسرت بخش بنا سکیں۔

(ز) تعلیم یافتہ لوگوں کی تعلیم

زمانۂ حاضرہ میں علم کی ترقی اور وسعت کی بدولت جس کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اتنی اب سے پہلے کبھی نہ تھی، نئی صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جنھوں نے ابھی چند ہی سال پہلے پیشے اور فن کی اعلیٰ تعلیم پائی تھی اور یونیورسٹیوں کی ڈگریاں حاصل کی تھیں، ایسا محسوس کرتے ہیں کہ جو کچھ انھوں نے سیکھا اور حاصل کیا تھا وہ سب از کار رفتہ اور متروک ہوچکا ہے۔ اگر ان پرانے تعلیم یافتہ لوگوں کا علم تازہ اور مرتبہ بحال رکھنا ہے تو یونیورسٹیوں میں ایکسٹرا میورل کلاسیں قائم کرکے، سیمینار اور بحث و مباحثے کی مجلسیں منعقد کرکے اور نجی مطالعے کی اسی طرح کی دوسری تدبیریں کرکے ان کی تعلیم کی تجدید کا انتظام کرنا ہوگا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس طبقے کے اوپر جو محنت اور سرمایہ لگایا گیا تھا، وہ بے ثمر اور بے نتیجہ نہ ہونے پائے۔

اس موقعے پر اڈلٹ ایجوکیشن کی تمام شکلوں اور اس کے تمام منصبوں کی فہرست بندی کرنا مشکل ہے، لیکن اتنی بات بے کھٹکے کہی جاسکتی ہے کہ ان سب لوگوں کے لئے جو مزید تعلیم کے مشتاق ہوں اور اُسے حاصل کرنے کے لئے وقت بھی نکال سکتے ہوں، کسی نہ کسی شکل میں اڈلٹ ایجوکیشن کا بندوبست کیا جانا چاہئے۔

(ح) جن طبقات کی تعلیم کے بارے میں بے توجہی رہی ہے اُن کی تعلیم

اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگراموں کو اُن حسّاس اور جلد اثر قبول کرنے والے علاقوں کی طرف خاص توجہ دینا چاہئے جہاں ضرورت سب سے زیادہ شدید ہے۔ عورتوں کی تعلیم کو جنھوں نے یا تو سرے سے تعلیم پائی ہی نہیں یا پائی بھی تو ادھوری، خود قومی مفاد کے پیشِ نظر اولیت حاصل ہونی چاہئے۔ بعض لوگ تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہیں کہ عورتوں کی تعلیم کی طرف ہر طرف سے آنکھیں بند کرکے توجہ دینی چاہئے اس لئے کہ یہ قوم کی پہلی ضرورت ہے۔ اسی طرح قبائلیوں اور غیر ترقی یافتہ طبقات کی تعلیم کو بھی نمایاں مقام حاصل ہونا چاہئے تاکہ سماج میں جو عدم مساوات اور سماجی ناہمواری پائی جاتی ہے، وہ کم ہوجائے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے مقاصد اور معیار پر زور ہونا چاہئے

ہمارے ملک کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کی اتنی شدید ضرورت ہے کہ اس کو ٹالا یا مؤخر نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ قوم اندھی نہیں ہے کہ اپنے ذہنی وسائل کو فروغ دینے کی طرف سے لاپروائی برتے۔ اسی طرح اس سے بھی کام نہیں چل سکتا —— اور نہ اس پر قناعت کی جا سکتی ہے —— کہ کبھی کبھار ہنگامہ خیز مظاہروں اور پُر جوش سماروہوں کا دورہ اٹھا کرے جو اڈلٹ ایجوکیشن کے بارے میں ہمارے جوش و خروش کی خصوصیت ہے اور جس کا نتیجہ دو چار گھنٹے، دو چار دن، دو چار ہفتے یا دو چار مہینے کی "مہموں" کی شکل میں نکلا کرتا ہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے لئے کام کرنے والوں اور وسائل کی جو مجبوریاں ہیں —— اور وہ بڑی سخت اور حقیقی مجبوریاں ہیں، ان کا مقابلہ تو یہ فرض کر کے کہ قوم کے بیدار مغز اور جوشیلے رہنما زور لگانے کا تہیہ کر چکے ہیں اور قربانیاں کرنے کو تیار ہیں، بہرحال کرنا ہے، اگرچہ یہ مفروضہ کچھ بہت زیادہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ ضرورت یہ دیکھنے کی ہے کہ کام کی اہمیت اور پیچیدگی کو دیکھتے ہوئے ہماری مجبوریاں کتنی اور کس نوعیت کی ہیں؟ اور اگر یہ معلوم ہو کہ ہم کاموں میں انتخاب کر کے اور نشانے مقرر کر کے چلنے کے لئے مجبور ہیں تو پھر ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ کاموں کے انتخاب اور نشانوں کے تعین کے معاملے میں وجہ ترجیح کیا ہو۔

عقلمندی کی بات یہ ہوگی کہ ایسی اسکیموں کے لئے جیسے "ناخواندگی کے خلاف جنگ" ہے، ملک میں جوش و خروش پیدا کیا جائے اور اس سے ان اسکیموں میں کام لیا جائے، اور یہ اہتمام کیا جائے کہ یہ جوش و خروش قائم رہے اور اس کے اثر سے جو کام انجام پائے وہ اعلیٰ درجے کا اور گراں قیمت ہو۔

ممکن ہے کہ حالات کے تقاضے کے پیشِ نظر کام کی منصوبہ بندی ابتدائی منزلوں میں انہی علاقوں تک محدود رکھنی پڑے جہاں محنت اور سرمایہ لگانے کا زیادہ سے زیادہ پھل مل سکے مثلاً وہ لوگ جنہوں نے اسکول کی پڑھائی بیچ میں چھوڑ دی تھی، یا وہ لوگ جو پیدا آوری کے نقطۂ نظر سے شباب کی منزل میں ہیں، یا کسان اور مزدور لوگ۔

کام کے انتخاب کے سلسلے میں ترجیحات مقرر کرتے وقت بہت احتیاط اور سوچ بچار کی ضرورت ہوگی۔ اس باب میں سب سے موزوں اصول یہ ہوگا کہ جو کچھ کوشش کی جائے اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو اور جو کام ہو، وہ اعلیٰ درجے کا ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضرورت ہوگی کہ جن لوگوں کو کام

سونپا جائے وہ اس کی پوری پوری اہلیت رکھتے ہوں اور تربیت یافتہ ہوں، ان کی ہوشیاری کے ساتھ نگرانی اور مدد کی جائے، کام کی تنظیم مؤثر اور انتظامی مشینری مستعد ہو، مناسب وقت پر کام کی جانچ ہوتی رہے اور اس کی قدر و قیمت متعین کی جاتی رہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن، اگر اس کی صحیح طریقے سے تنظیم اور منصوبہ بندی ہو تو، اپنے طلبا کے حق میں بامعنی اور کارآمد ہو سکتی ہے، اور اس کے ذریعے قومی مفادوں کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ فرد کو یقین دلانا چاہئے کہ اس سلسلے میں وہ جو محنت صرف کرے گا اور جو وقت لگائے گا، وہ اس کے حق میں بہت نفع بخش ثابت ہوگا، اور اُسے جو تجربات حاصل ہوں گے اور جو ٹریننگ ملے گی، اُس کے فیض سے وہ خوش حال اور بہتر انسان بن جائے گا۔ اسی کے ساتھ اُسے اُس سماجی ماحول کا احساس بھی دلانا چاہئے جس میں اُسے رہنا سہنا اور زندگی گذارنا ہے۔ اُسے اس قابل بنانا چاہئے کہ وہ ان سماجی محرکات و اعمال کو سمجھ سکے جو اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جن کا مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ ان میں سمجھداری اور وابستگی کے ساتھ شرکت کرے۔ اس میں اتنی قابلیت پیدا کرنی چاہئے کہ اس کے دماغ میں کرید اور جستجو کا مادہ پیدا ہو جائے اور وہ سمجھ سکے کہ زمانۂ حاضرہ میں سائنس اور ٹکنالوجی کی اس کے اور اس کے مسائل کے حق میں کیا حیثیت اور اہمیت ہے، اگرچہ سب کے سب ہوشیار اور ذہین سائنس داں نہیں ہو سکتے۔

ذہنی اور عالی دماغ لوگوں کی تعلیم اور عوام کی تعلیم کو خلط ملط کرنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا، لیکن قومی آداب و اطوار مثلاً قومی مفادوں سے وفاداری کا جذبہ اور ذاتی مفاد کو قومی مفادوں پر ترجیح دینے کا حوصلہ، دوسروں کو سمجھنے اور ان کے نقطۂ نظر کا احترام کرنے کی خو، حق پرستی اور غیر جانبدارانہ تحقیق و جستجو کی روشنی میں جو حقائق رونما ہوں ان کے مقابلے میں اپنے مسلّمہ عقاید سے مستعفی ہو جانے کی ہمت مدنی اور سیاسی زندگی کی عاید کی ہوئی ذمّے داریوں کو پورا کرنے میں بے غرضی کے ساتھ اور تعمیری ڈھنگ پر باہم اشتراک عمل کرنے کی خواہش —— ان اقدار کی تعمیر و تشکیل میں عوام کی تعلیم کا جو کردار ہے، اُسے نظر انداز کرنا یا کم قیمت سمجھنا بڑی غلطی ہوگی۔

عوامی تعلیم کا مقصد خیال اور عمل کے ان معمولات کو بدلنا بھی ہونا چاہئے جن کی وجہ سے ترقی کی راہوں میں رکاوٹ پڑتی ہے اور جن سے ہمارے تمدن اور مذاق کا گھٹیا پن جھلکتا ہے۔ غرض لوگوں میں عام طور پر ایک خوبصورت، خوش و خرم اور مرفہ الحال، مضبوط و مستحکم اور سب سے زود شناسہ تعلقات

رکھنے والا ملک تعمیر کرنے کی غرض سے خوشی خوشی اور انتھک محنت کرنے کی تڑپ ہونی چاہیئے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کو چاہیئے کہ لوگوں میں ہندوستانی ذہن اور روح پیدا کرے اور جن قدروں کا ہندوستان حامل ہے اور ان کے تحفظ کے لئے کوشاں، ان پر انھیں کامل ایمان ہو، اس سے کمتر اگر کوئی بات ہے، جو اڈلٹ ایجوکیشن سے منسوب کی جاتی ہے، تو وہ اڈلٹ ایجوکیشن نہیں ہے۔

رسمی تعلیم سے اڈلٹ ایجوکیشن کا تعلق

اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگراموں کی منصوبہ بندی اور ان کی تقدیم وتاخیر بالخصوص دوسرے پروگراموں کے ساتھ ان کے تعلق کے باب میں کچھ باتیں سوچنے کی ضرورت ہے۔ رسمی اور غیر رسمی تعلیم میں کوئی نمایاں فرق کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اڈلٹ ایجوکیشن کی منصوبہ بندی بھی اسی عزم و اہتمام کے ساتھ کی جانی چاہیئے جیسے دوسرے تعلیمی اداروں کی ترقی و توسیع کے لئے کی جاتی ہے۔

ابتدائی، ثانوی اور ٹکنیکل اسکول، یونیورسٹیاں، کتب خانے، عجائب گھر، نگار خانے، غرض سب کے سب تعلیمی ادارے اڈلٹ ایجوکیشن کے خاص الخاص سرچشمے اور اس کی گوناگون سرگرمیوں کے مرکز ہیں جہاں سے علم و تمدن کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر انھیں منور اور روشن کرتی ہیں۔ اسی طرح اگر اسکول اور یونیورسٹیاں بالغ زندگی کی سرگرمیوں کے مرکز بن جائیں تو اس سے خود اُن کے علم و تجربے میں بے حد اضافہ ہوگا۔

بالغوں کی تعلیم میں اُن کے حالاتِ زندگی کے اختلاف اور تنوع کے پیش نظر بہت سے مخصوص کورسوں اور نصابوں کی ضرورت ہوتی ہے، کورسوں اور نصابوں ہی کی نہیں بلکہ مستقل اداروں کی بھی۔ فارموں اور فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کے لئے تمام طریقوں کے باوا آدم "مدرسہ شبینہ" کی ضرورت اب بھی جوں کی توں باقی ہے۔ ان کے علاوہ موسم گرما کے کورسوں، سیمیناروں، لیکچروں اور کانفرنسوں کی اپنی مسلمہ قدر و قیمت ہے۔ کام میں لگے ہوئے بالغوں کی کارکردگی میں اضافہ کرنے کے لئے دورانِ ملازمت کی ٹریننگ پیشے کے چند خاص میدانوں میں بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ حال میں مراسلاتی کورسوں کا چلن ہوا ہے جس میں اپنی تعلیم اور کارکردگی کو بڑھانے کا شوق رکھنے والے حوصلہ مند بالغوں کے لئے بہت امید افزا امکانات پوشیدہ ہیں۔

پھر نجی مطالعے (Self Learning) کے بہت سے طریقے ایجاد ہو گئے ہیں جیسے نصاب کو قسطوں

میں تقسیم کرکے سیکھنے کی مشینوں کے ذریعے پڑھنے کا طریقہ (Programmed learning) ہے، اگران کی تنظیم اچھے ڈھنگ سے کی جائے تو وہ بالغوں کی قوت و محنت کو کام پر لگنے کے بہت کارآمد ذرائع ثابت ہو سکتے ہیں۔ غرض ضرورت بالغوں کو تعلیم دینے کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کی ہے، اور اس سلسلے میں دوسرے ملکوں کے تجربات سے بہت فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے جہاں اڈلٹ ایجوکیشن کو حیرتناک حد تک کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ لیکن طریقے اور ذرائع خواہ کچھ ہی اختیار کئے جائیں، یہ بات طے ہے کہ رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے اداروں کو اڈلٹ ایجوکیشن کے حق میں وہی کام کرنا ہوگا جو نظامِ جسمانی میں شریانوں کا ہوتا ہے، اور اڈلٹ ایجوکیشن کو بھی ان اداروں میں کام کرنے والی اساتذہ کی فوج سے بہت بڑی حد تک اپنے کاموں میں مدد لینی ہوگی۔

کارکنوں کی ٹریننگ

اڈلٹ ایجوکیشن کی سرگرمیوں کا مؤثر اور بلند معیار ہونا نہایت ضروری ہے۔ مگر اس کی ضمانت اُسی حالت میں ہو سکتی ہے جب بالغوں کو تعلیم دینے والے اُستادوں کی ٹریننگ کا ایک اچھی طرح سوچا سمجھا ہوا پروگرام موجود ہو۔ بالغوں کو پڑھانے کے لئے مخصوص طرزِ عمل، .... مخصوص طریقہ تعلیم، جانچ اور مشقی پروگرام کے مخصوص طریقہ کار کی اور سب سے بڑھ کر ایک مخصوص فلسفے کی ضرورت ہے جو اُس فلسفے سے بالکل مختلف ہے جس کی اسکولوں کے اُستادوں سے اُمید کی جاتی ہے۔ یا بالغوں کے معلموں کی ہے۔ ٹریننگ میں تعداد کی جتنی ضرورت ہے، اتنی ہی ضرورت اس کے مختلف النوع ہونے کی بھی ہے۔ ہمیں ضرورت اَن پڑھ بالغوں کو پڑھانے والے اُستادوں کی، معمولی اور ناکافی تعلیم پائے ہوئے بالغوں کو پڑھانے والے اُستادوں کی، اور ایسے اُستادوں کی جو فارموں، کارخانوں، تجارتی مرکزوں اور دفتروں میں کام کرنے والے بالغوں کو پڑھا سکیں۔ پھر مختلف مضامین مثلاً زبانیں اور علومِ عمرانی، سائینس اور ریاضیات، پیشے اور ہنر زراعت اور باغبانی، دھندے اور دستکاریاں ـــــــ اور اسی طرح کے دوسرے بے شمار مضامین کی تعلیم دینے کے لئے مختلف قسم کی ٹریننگ پائے ہوئے اُستاد درکار ہوں گے۔ چنانچہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ ایجوکیشن کو اڈلٹ ایجوکیشن کے اُستادوں، انسپکٹروں اور انتظامی افسروں کی ٹریننگ کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنا ہوگا۔

اطلاع رسانی کے عوامی وسائل

اطلاع رسانی کے عوامی وسائل جیسے دکھا شناکر تعلیم دینے کا سامان، ٹیلی وژن، فلم، ریڈیو، اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے ذرائع ہیں، ان کے بارے میں تجربہ ہے کہ ان کے توسط سے سیکھنے کے عمل میں بے انتہا مدد ملتی ہے۔ بہت سے خیالات و تصورات جن کا سمجھنا دوسری شکلوں میں بہت مشکل ہوتا ہے، ان وسائل سے آسان، مختصر اور زود اثر ہو جاتے ہیں چنانچہ بالغوں کی تعلیم میں ان میں سے منتخب وسائل بے حد مفید اور نتیجہ خیز ہوں گے۔ اس مقصد کے لئے آل انڈیا ریڈیو سے زیادہ سے زیادہ گہرا تعلق قائم کرنا چاہئے۔ آل انڈیا ریڈیو سے اڈولٹ ایجوکیشن کے مخصوص اور موزوں پروگرام نشر کئے جائیں تو ان سے بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا جیسا کہ اب تک ایک حد تک پہنچا ہے۔ ٹیلی وژن کا بھی بہت جلد رواج بڑھنے والا ہے اور ایک ترقی پذیر سماج اس میں اب اور زیادہ تاخیر نہیں کرسکتا۔ ایسے ادارے جہاں زبانوں کے بارے میں کھوج اور تحقیق کا کام ہوتا ہے، انھیں مختلف زبانوں کے بعض مشکل مسائل کا حل تلاش کرلینا چاہئے جن سے بالغوں کی تعلیم کو دوچار ہونا پڑے گا۔

نجی مطالعے کے بہت سے طریقے خصوصاً نصاب کو قسطوں میں تقسیم کرکے سیکھنے کی مشینوں کے ذریعے پڑھنے کا طریقہ، تعلیم کی چند خاص منزلوں میں بہت نفع بخش ثابت ہوگا۔ ضرورت ہے کہ اڈولٹ ایجوکیشن کی رفتار کو بڑھانے اور اُس کے معیار میں بلندی پیدا کرنے کی غرض سے ان نئے طریقوں سے خاطر خواہ کام لیا جائے۔

انتظام

اس بچے کا والی وارث کون ہے؟ اڈولٹ ایجوکیشن کی تنظیم کس کے اختیار میں ہو؛ اس کا دعویٰ کچھ لوگ کرتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اس سے انھیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ایجوکیشن کمیشن کو اس سوال پر غور کرنا ہوگا اور اس باب میں صاف اور واضح الفاظ میں سفارش کرنی ہوگی کہ اڈولٹ ایجوکیشن کی تنظیم کس کی ذمے داری ہے۔ اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اڈولٹ ایجوکیشن وزارت تعلیم کا منصب ہے تو اس میں بحث و استدلال کی کچھ بہت زیادہ ضرورت نہیں ہوگی لیکن یہ بہرحال ضروری ہوگا کہ ایک با اثر محکمہ ایسا تجویز کیا جائے جس کے توسط سے اس سلسلے میں دوسری

وزارتوں اور محکموں مثلاً زراعت، صنعت، اطلاعات اور براڈکاسٹنگ اور کمیونٹی ڈیویلپمنٹ کی وزارتوں کا تعاون حاصل کیا جاسکے۔ اسی طرح اس مسئلے پر بھی غور کرنا ضروری ہوگا کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے باب میں مرکزی حکومت اور ریاستوں کے درمیان کس طرح کا رشتہ ہونا چاہیے۔

اگرچہ اس وقت اڈلٹ ایجوکیشن کے انتظام کی لامرکزی تنظیم کا رجحان عام ہے، اور یہ رجحان غلط بھی نہیں ہے، تاہم اس ضرورت سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس باب میں ایک مشترک قومی پالیسی ہونی چاہیے۔ ریاستوں کے درمیان باہم اشتراک عمل ہونا چاہیے، وسائل کا باہم لین دین ہوتے رہنا چاہیے اور ایسا ہونا چاہیے کہ ایک علاقہ دوسرے علاقوں کے خیالات و تجربات سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ کچھ ریاستی حکومتوں نے سوشل ایجوکیشن کا کام بڑے پیمانے پر شروع کر رکھا ہے لیکن اس غرض سے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے دوسرے اہم پہلوؤں پر بھی کام شروع ہوجائے، انھیں اس سے بھی زیادہ کوشش اور توجہ صرف کرنی ہوگی اور یہ اہتمام کرنا ہوگا کہ اس کام میں مقامی حکومتوں، پنچایتوں اور زیادہ سے زیادہ رضاکار اداروں کا تعاون حاصل ہو —— جتنا اب تک حاصل ہوا ہے، اس سے کہیں زیادہ۔

اڈلٹ ایجوکیشن کا میدان بہت وسیع ہے۔ چنانچہ اس وسعت کا احاطہ کرنے کے لئے رضاکار اداروں کو دعوت دینی ہوگی کہ وہ اپنے اپنے دائرۂ عمل میں اس کا ایک نہ ایک پہلو لے کر اسے تندہی کے ساتھ انجام دیں۔ یہ ادارے آزادی کے ساتھ کام کریں گے اس لئے اُن کے کام سے اڈلٹ ایجوکیشن کے بارے میں ایک مشترک قومی پالیسی کی ترتیب و تشکیل آسان ہوگی۔ پالیسی کے تعین اور اس کی نگرانی، کام کا معائنہ اور اس کی رفتار کی جانچ، کارکنوں کی ٹریننگ اور وسائل کی تقسیم ایسے ضروری کام ہیں کہ انھیں پورا کرنے کے لئے ایک مضبوط اور با اقتدار قومی مرکز کا قیام لازمی ہوگا۔ اس قومی مرکز کی ضرورت یوں بھی ہے کہ ایجوکیشن کمیشن نے تعلیم کی جو منزلیں قرار دے گا، اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے اڈلٹ ایجوکیشن کی مختلف ایجنسیوں کے متعلقہ کاموں اور منصوبوں پر تبصرہ ہوتا رہے اور مشورہ ملتا رہے کہ انھیں اپنے کام میں کہاں کہاں تبدیلیاں یا اضافے کرنے چاہئیں۔

اڈلٹ ایجوکیشن کی کامیابی کا دارومدار بہت بڑی حد تک اُس انتظامی مشینری کے اوپر ہوگا جو مختلف اسکیموں اور پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بنائی جائے گی۔ اس سلسلے میں ایک غور طلب مسئلہ اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ بحالت موجودہ اڈلٹ ایجوکیشن کی جو مشینری کام کر رہی ہے، اس میں کون کون سا پہلو توجہ طلب

ہے، اور پڑھانے، رہنمائی کرنے، انتظام کرنے اور لوگوں کو کام پر ابھارنے کی غرض سے کس طرح کا انتظامی ڈھچر اور کارکن درکار ہوں گے۔ کام کرنے والے خاص طور سے تربیت یافتہ اور تجربہ کار ہونے چاہئیں اور انھیں اپنی اُپج سے کام کرنے کی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ ان میں کام کا وہ جذبہ ہونا چاہئے جو مشنوں کے کارکنوں میں ہوتا ہے، یعنی ذمے داری کا پورا پورا احساس اور کام کرنے کا اختیار اور مکمل آزادی۔ غرض اڈلٹ ایجوکیشن کے لئے ایک ایسا انتظامی ڈھچر سوچنے کی ضرورت ہے جس کے ذریعے مستعدی اور تندہی سے کام ہو سکے اور کام کرنے والوں میں جو لوگ اہلیت دکھلائیں، انھیں آگے بڑھنے کا موقع ہو۔

تعلیمی سامان اور ادب

اس مقالے میں کہا گیا ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگراموں میں مختلف منزلوں پر طرح طرح کے مشینی اور دوسرے قسم کے تعلیمی سامانوں کی بہت ضرورت ہوگی۔ دکھا سُنا کر تعلیم دینے کے رواج کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ دوران تعلیم میں ہر ہر قدم کے لئے اس قسم کا سامان موجود ہو خصوصاً ایسا سامان جو مقامی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ چنانچہ ہزار ہا مضامین جن کی پڑھائی کے مختلف پروگراموں میں ضرورت پڑتی ہے، ان کی وضاحت کرنے کے لئے سلائڈ، فلم اسٹرپ، فلم، ٹیپ، اور رکارڈ وغیرہ تیار کرنے ہوں گے۔ نصاب کو قسطوں میں تقسیم کر کے سیکھنے کی مشینوں کے ذریعے پڑھنے کا طریقہ یہاں بھی آن پہنچا ہے اور اس کا رواج آیندہ اور زیادہ بڑھے گا۔ اس کے لئے مشینوں اور ماہرین فن کے بنائے ہوئے اسباق کی ضرورت پڑے گی جن کی بنیاد پر پڑھائی کا سامان تیار کیا جائے گا۔ چنانچہ چارٹ، نقشے اور خاکے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں درکار ہوں گے۔ یہ ضرورتیں کچھ اڈلٹ ایجوکیشن ہی کے لئے مخصوص نہیں ہیں تعلیمی کام کے دوسرے میدانوں میں بھی ان سامانوں کی کچھ کم ضرورت نہیں ہے چنانچہ اس باب خاص میں اڈلٹ ایجوکیشن کے مسائل کا تعلیم کے دوسرے میدانوں کے مسائل سے بہت گہرا رشتہ ہوگا۔

مگر جہاں تک موادِ مطالعہ اور ادب کا تعلق ہے، اڈلٹ ایجوکیشن کو مخصوص قسم کا ادب تیار کرنا ہوگا جو بالغوں کے مذاق اور مفاد کے حسب حال ہو۔ ہمارے یہاں نوسکھ بالغوں کے لئے موادِ مطالعہ کی تصنیف و تالیف کا خاصا کام ہوا ہے۔ مگر اس نوعیت کا کام وہ کام ہے جس کے بارے میں مشکل ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ پورا ہو گیا، چنانچہ اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ کیوں نہ خاص اس مقصد کے لئے ایک

محکمہ قائم کیا جائے جو موجودہ سامانوں کی افادیت کے بارے میں رائے دیتا رہے اور یہ بتاتا رہے کہ بالغوں کے مفید مطلب کس قسم کے سامان اور ادب کی ضرورت ہے اور اس کی تیاری کا سب سے اچھا طریقہ کیا ہوگا۔

اس معاملے میں بین الاقوامی اشتراک و تعاون کی بڑی ضرورت ہے اور دوسرے ممالک میں جو تجربے ہوئے ہیں اور کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں، وہ ہمارے سامنے ہونی چاہئیں اور ان سے ہمیں اپنے ملک کے بالغوں کی تعلیم میں کام لینا چاہئے۔

قانونی تدبیریں

ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کا رواج عام کرنے کے لئے عین ممکن ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں کچھ قانونی تدبیریں اختیار کرنی پڑیں۔ قومی ضرورت کی شدت کے پیشِ نظر ہو سکتا ہے کہ ہمیں کچھ قانون ایسے بنانے پڑیں جن کی رو سے فارموں اور فیکٹریوں کے نوعمر مزدوروں کے لئے تھوڑے تھوڑے وقت تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار دے دیا جائے یا صنعتی اداروں میں مزدوروں کے لئے ٹکنیکل یا دوسری کسی مفید اور ضروری تعلیم کے شبینہ مدرسے یا پبلک لائبریریاں قائم کرنا قانوناً ضروری ہو جائے۔ یہ تو بہت اچھا اصول ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قانون کا سہارا لینے میں بخل سے کام لینا چاہئے، مگر بعض اوقات کام یا ضرورت کی شدت جتلانے کے لئے اور اڈلٹ ایجوکیشن کی رفتار میں تیزی پیدا کرنے کی خاطر قانون کا سہارا لینا ضروری بھی ہو جاتا ہے۔

(انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن دسمبر ۱۹۶۴ء)

تعلیم کی بدحالی

زیر نظر نوٹ معاصر سندھ اسٹینڈرڈ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۶۵ء کے مقالۂ افتتاحیہ کا آزاد ترجمہ ہے جو ہم معاصر مذکور کی اجازت اور شکریئے کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

ایڈیٹر

ایک طرف تو ریاستی حکومتیں زبان اور اسکولوں اور کالجوں میں رائج کئے جانے والے نظامِ تعلیم کے سوال پر سرپھٹول کر رہی ہیں، اور دوسری طرف ناخواندگی ہے کہ قومی زندگی کے ہر شعبے کی ترقی کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہے۔

کسی قوم کی ترقی و تعمیر میں حرف ناآشنا عوام کی حیثیت کچّے اور بودے مسالے کی ہوتی ہے۔ ممالک غیر کے ماہرین اور سیاح زراعت جیسے پیشے میں بھی جہاں عموماً بہت زیادہ پڑھے لکھے ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی، خواندگی کی تعلیم کو مقدم رکھتے ہیں تاکہ ہمارے کسان خود کفیل اور ترقی پسند بن سکیں۔ ناخواندہ کسان کھیتی باڑی تک میں تو نئے اور جدید طریقے اختیار کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ بینک کا کاروبار، دیہی قرضہ اور کوآپریشن کے اصول پر مال کی نکاسی جیسے کام تو الگ رہے جن میں تعلیم یافتہ ہونا پھر بھی ضروری ہوتا ہے۔

ہم نے تسلیم تو بہت دن ہوئے کر لیا ہے کہ معاشی زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ناخواندگی جڑ سے ختم ہو جائے اور تعلیم کے معیار میں بلندی پیدا ہو۔ وزراء، مدبّرین اور تعلیم کے ماہر سبھی لوگ دن رات یہی راگ الاپتے رہتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ آزادی ملے سترہ سال ہونے کو آئے، ہم نے اس میدان میں کتنی کامیابی حاصل کی؟ ہمارے عوام کا ۵۰ فیصدی سے زیادہ حصّہ ابھی تک ناخواندہ پڑا ہے۔

یہ صورتِ حال صرف ہریسی حکومت کی دین نہیں ہے۔ آزادی ملنے کے بعد پیدا ہونے والوں میں ۱۴-۱۵ سال کی عمر کے ۲۰ کروڑ لڑکیاں اور لڑکے تیسرے پنج سالہ پلان کے ختم ہونے کے بعد بھی ناخواندہ ہی رہیں گے۔

تعلیم کا معیار الگ گر گیا ہے اور بچّوں کو پرائیویٹ اسکولوں کی تعلیم دلانا عوام تو خیر الگ رہے، متوسط طبقے کے لوگوں کے بھی بس کی بات نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ ہمارے پاس اَن پڑھ عوام کو خواندہ بنانے کے لئے وسائل نہیں ہیں، تو اس پر مشکل ہی سے یقین آتا ہے۔ سچّی بات یہ ہے کہ ہمارے لیڈروں میں شاید اُس مبلغانہ جوشِ عمل اور احساس مقصد کی کمی ہے جو اس ملک میں پھیلے ہوئے بے شمار گاؤوں کے باشندوں کو تعلیم دینے کا دیو ہیکل مسئلہ حل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ البتہ ہوتا یہ ہے کہ ملک کے وسائلِ دولت بے مصرف تجربات، سیاست بازوں کے پیدا کئے ہوئے فتنوں اور ایسے منصوبوں پر ضائع ہو رہے ہیں جن سے تعلیم کو فائدہ پہنچنے کے بجائے اُلٹا نقصان ہو رہا ہے۔

ابتدائی اور کسی حد تک ثانوی تعلیم کے باب میں ہماری منصوبہ بندی ناقص رہی ہے۔ کیفیت یہ ہے کہ اگر کہیں اسکول ہیں، تو ٹیچر نہیں ہیں۔ ٹیچر ہیں تو اسکول نہیں ہیں، اور اگر اسکول اور ٹیچر دونوں موجود ہیں تو طلباء نہیں ہیں جنھیں پڑھایا جائے۔

سیاست بازوں کے کرتبوں اور منصوبہ بندی کی سرد مہری کے علاوہ اس افسوسناک صورتِ حال کی ایک خاص وجہ اچھے اور کارپرداز ٹیچروں کی کمی ہے۔ اسکولوں کے ٹیچروں کو فاقے کی نوبت تک پہنچا دینے والی جو تنخواہیں ملتی ہیں، ان کے پیش نظر اچھے اور قابل اُستادوں کا ملنا ممکن ہی نہیں ہے۔ گجرات میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ انگریزی پڑھانے والے ۸۰ فیصدی اُستاد ایسے ہیں جنھوں نے اس زبان کو بہ حیثیت مضمون کے کبھی پڑھا ہی نہیں۔ پھر اگر طلباء کے نتائج اچھے نہیں رہتے تو یہ کون سی تعجب کی بات ہے۔

تیسرے پلان میں تعلیم کے ڈیولپمنٹ کے لئے چار ارب اٹھارہ کروڑ روپے رکھے گئے تھے اب چوتھے پلان میں اس مد کے لئے اُنتیس ارب نوّے کروڑ روپے رکھے جانے کی تجویز ہے۔ اس اضافے سے بھی کام کچھ بہت نہیں بنے گا اس لئے کہ ماہرین کے اندازے کے مطابق ہم بہت زیادہ کوشش کریں تب بھی کہیں ۱۹۸۱ء میں جاکر جب چھٹا پنج سالہ پلان پورا ہوگا، عالمگیر خواندگی کے بارے میں دستور کی ہدایات کا منشا پورا کر پائیں گے۔

(موقر معاصر "سنڈے اسٹینڈرڈ" دہلی کے شکریے کے ساتھ)

اسرائیل میں ناخواندگی کے خلاف زبردست مورچہ

"سال بھر پہلے تک گاؤں کی تقریباً تمام عورتیں ڈاک وصول کرنے کے لئے انگوٹھے کا نشان لگایا کرتی تھیں مگر اب ان میں سے بیشتر اپنے نام لکھ کر ڈاک وصول کرتی ہیں۔"

یہ ایک ڈاکیے کے الفاظ ہیں جو نیگیو کے پاس کسانوں کی ایک چھوٹی سی بستی میں ڈاک تقسیم کرتا ہے۔ اس کے اس بیان سے خواندگی کی تحریک کی کامیابی کا اچھا ثبوت مل جاتا ہے جو دسمبر ۱۹۶۳ء میں اسرائیل کی وزارت تعلیم نے فوج کی امداد حاصل کر کے شروع کی تھی۔

اسرائیل ایک ایسا ملک ہے جہاں دنیا کے بہت سے ملکوں سے اور مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ کافی بڑی تعداد میں آآ کر آباد ہوئے ہیں۔ یہاں تعلیم کا مسئلہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے دنیا کے دوسرے ملکوں سے ذرا مختلف ہے۔ اس ملک کو پسماندہ اور ترقی یافتہ دونوں طرح کے ملکوں کے تعلیمی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

اسرائیل میں اس وقت ۲۰ سے ۵۰ سال کی عمر کے لوگوں میں ۱۔۲۳ فیصدی آبادی ناخواندہ ہے، جو بیشتر دیہاتی علاقوں میں آباد ہے۔ ابھی گذشتہ سال ایک سروے کیا گیا تھا جس سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۲۰ زرعی نوآبادیوں میں بالغوں کی نصف آبادی کسی بھی زبان میں پڑھنا اور لکھنا نہیں جانتی ہے۔

ملک سے ناخواندگی کو دور کرنے کے علاوہ اسرائیل کے سامنے لوگوں کو عبرانی زبان سکھانے کا مسئلہ بھی پیش نظر تھا۔ بہت سے مہاجرین کے لئے عبرانی زبان ایک بالکل نئی زبان ہے، مگر اسی کے ساتھ یہ اسرائیل کی سرکاری زبان بھی ہے۔ ان مہاجرین کو قومی زندگی سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں جلد از جلد عبرانی زبان سکھا دی جائے۔

اسرائیل کی وزارت تعلیم نے مزدوروں کے مرکزی فیڈریشن اور اسی طرح کی کچھ دوسری انجمنوں کے تعاون سے عبرانی زبان سکھانے کا ایک وسیع اور مختلف النوع پروگرام مرتب کیا ہے، جس سے کہ تمام

طبقے اور پیشے کے لوگ اس پروگرام سے فائدہ اُٹھا کر عبرانی زبان پڑھنا لکھنا سیکھ جائیں۔ اس پروگرام کے ماتحت لوگوں کو گھروں پر پڑھانے کا انتظام بھی کیا گیا ہے اور کلاسوں میں بھی کہیں ہفتے میں دو بار کلاسیں لگتی ہیں تو کہیں تین بار۔ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بالغ طالب علم آدھے دن پڑھتے ہیں اور آدھے دن کام کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ کہیں کہیں پورے وقت کی اقامتی درس گاہیں بھی قائم ہیں، جہاں لوگ عبرانی زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

اس ہمہ گیر پروگرام سے پہلے سال کے اندر تقریباً ۲۰ ہزار آدمیوں نے فائدہ اُٹھایا اور حکومت کو امید ہے کہ اس طرح ۱۹۶۸ء تک ملک سے ناخواندگی کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا۔

فوجی لڑکیاں گاؤں میں پڑھاتی ہیں:۔

خواندگی کی تحریک جنوبی اسرائیل کے ۴۲ گاؤوں سے شروع کی گئی تھی جہاں بیشتر مہاجرین آباد تھے۔ اس علاقے میں اسکول ماسٹروں کی بہت کمی تھی، اس لئے فوج کی..... مدد لی گئی۔ اسرائیل میں نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کے لئے فوجی خدمت لازمی ہے اور نوجوانوں کو فوج میں جبری طور پر بھرتی کیا جاتا ہے۔ اسی نوجوان دستے کی لڑکیوں کی خدمات خواندگی کی تحریک میں حاصل کی گئی تھیں۔ ابتداء میں ۶۵ فوجی لڑکیوں کو خواندگی کا کام کرنے کے لئے چنا گیا اور انھیں حسب موقع دو دو کے گروپ میں یا تنہا گاؤوں میں خواندگی کی کلاسیں چلانے کے لئے بھیجا گیا۔ یہ سب لڑکیاں ہائر سکنڈری اسکول پاس تھیں۔

۲۰ سالہ اِتّا انھیں فوجی اُستانیوں میں سے ایک ہے۔ اِتّا نے مجھے بتایا کہ "ہم لوگوں نے دروازے دروازے جا کر اپنا کام شروع کیا۔ ہم لوگوں کے پاس ان کے گھروں پر جاتے اور انھیں کلاس میں آنے کے لئے تیار کرتے۔ خود میرا کام بیشتر عورتوں کے درمیان محدود تھا۔ گاؤں کی عورتوں کو مجھے پڑھانا تھا، اس لئے کہ لڑکوں کی طرح مردوں کو پہلے ہی مذہبی تعلیم دی جا چکی تھی اور وہ عبرانی رسم الخط پڑھنا سیکھ چکے تھے۔" کام میں دشواریاں ضرور پیش آئیں مگر اِتّا نے عورتوں کا اعتماد حاصل کر کے جلد ہی ان تمام دشواریوں پر قابو حاصل کر لیا۔ "رفتہ رفتہ ۳۴ عورتیں ہو گئیں جن کو میں ۳ سے لے کر ۶ عورتوں کا گروپ بنا کر پڑھاتی تھی۔" اِتّا نے پڑھائی کا کام بہت دلچسپ انداز میں شروع کیا۔

اِتّا نے پڑھائی کی ابتداء اس طرح کی کہ سب سے پہلے عورتوں سے ان کے اپنے نام لکھوائے۔

عورتیں بھلا کیا جانیں کہ انھوں نے ٹیڑھی سیدھی لکیریں بنا کر کیا کچھ لکھ ڈالا ہے۔ ان کو یہ یقین ہی نہ آتا تھا کہ یہ ٹیڑھی سیدھی لکیریں ان کے نام کو ظاہر کرتی ہیں۔ تب میں نے ایک راہ گیر کو بلوا کر پوچھا کہ بتاؤ میری ان شاگردوں نے کیا لکھا ہے۔ راہ گیر نے فوراً لکھا ہوا نام پڑھ کر سنا دیا۔ جب ان عورتوں نے اپنے ہاتھوں لکھا ہوا اپنا نام سنا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

اب تو اِتّا کی پڑھائی ہوئی تقریباً تمام عورتیں آسان عبارت لکھنا سیکھ گئی ہیں اور اِتّا ایک دوسرے گاؤں میں اسی طرح کا کام شروع کرنے کے لئے بھیج دی گئی ہے۔ اس گاؤں سے اِتّا کے چلے جانے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کی تعلیم اب مکمل ہو چکی ہے۔ نوخواندوں کی پڑھنے لکھنے کی مشق کو بنائے رکھنے کے لئے وزارت تعلیم نوخواندوں کے لئے ایک مخصوص ہفتہ وار رسالہ شائع کرتی ہے۔

نیگیو سے شروع ہو کر خواندگی کی تحریک اب دوسرے علاقوں میں پھیل چکی ہے خاص طور سے تل ابیب اور یروشلم کی درمیانی بستیوں میں۔ یہاں پڑھانے والے فوجی سپاہی نہیں ہیں بلکہ عام اسکول ماسٹر اور رضاکار طالب علم ہیں۔ مگر جلد ہی جلیلی کے علاقے میں خواندگی کا پروگرام شروع کرنے کے لئے جبری بھرتی والے فوجی دستے سے کچھ سپاہی بھی بھیجدیے جائیں گے۔ اس وقت خواندگی کی تحریک میں ۱۰۰۰ آدمی لگے ہوئے ہیں۔ ان میں ۸۰۰ اسکول ماسٹر ہیں، ۵۰۰ نوجوان رضاکار ہیں اور ۲۲۵ فوجی لڑکیاں ہیں۔

عبرانی زبان کا اعلیٰ نصاب

گاؤں سے ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے زبردست مورچہ قائم کیا جا چکا ہے۔ مگر خواندگی کی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ لوگوں کو عبرانی زبان کی اعلیٰ تعلیم دینے کا کام بھی کافی زور و شور کے ساتھ جاری ہے۔ عبرانی زبان کی اعلیٰ تعلیم کا اہتمام مخصوص اداروں کی طرف سے کیا جاتا ہے جنھیں اُلپاغ کہتے ہیں۔ کسان بستیوں کے الپاغ میں آدھے دن ان مزدوروں اور کسانوں کو عبرانی زبان کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے جو دوسرے ملکوں سے آکر ابھی حال میں اسرائیل میں بس گئے ہیں اور دوسرے آدھے دن میں بستی کے دوسرے لوگوں کو عبرانی زبان کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ کچھ اقامتی درس گاہیں بھی قائم ہیں جہاں پانچ اور چھ مہینے میں عبرانی زبان کے اعلیٰ نصاب کی تعلیم مکمل کر دی جاتی ہے۔

اس ضمن میں کچھ بہت ہی حیرت انگیز نتائج سامنے آئے ہیں۔ آپ نے ایسے بہت سے پروفیسروں

کا نام سنا ہوگا جو دوسرے ملکوں سے اسرائیل آئے تو عبرانی زبان سے بالکل نابلد تھے۔ مگر پانچ مہینے بعد وہ اسی زبان میں درس و تدریس کا کام کرنے لگے۔

ان مخصوص اداروں سے عبرانی زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے نکلنے والے وکیلوں، ڈاکٹروں اور انجینیروں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ ان الپاخوں کی کامیابی کا راز شاید اس حقیقت میں مضمر ہے کہ یہاں طالب علموں کا انتخاب کرنے میں کافی احتیاط برتی جاتی ہے اور ان کا گروپ بنانے میں ان کی علمی استعداد اور تہذیبی پس منظر کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا ہے۔

ان مخصوص اداروں کے علاوہ اسرائیل میں ایڈلٹ ایجوکیشن کا بھی ایک نظام قائم ہے۔ ایڈلٹ ایجوکیشن کے سینٹر جگہ جگہ قائم ہیں جہاں بالغوں کو خواندگی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان سینٹروں کے علاوہ مراسلاتی تعلیم کا ایک اسکول بھی قائم ہے، جہاں خط و کتابت کے ذریعہ ہائی اسکول تک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس وقت تک تقریباً ۴۰ ہزار بالغ طالب علم مختلف نصاب مکمل کر چکے ہیں۔

اس سلسلے میں پاپولر یونیورسٹیوں کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پاپولر یونیورسٹیاں شہروں میں قائم ہیں، جہاں مختلف مضامین کے مختلف معیار کے نصاب جاری ہیں۔ ان کے علاوہ ریڈیو یونیورسٹی ہے جس کے ماتحت مختلف سائنسی اور سماجی علوم اور تاریخ کے نصاب نشر کئے جاتے ہیں۔

(یونیسکو)

تعلیم و ترقی

(سوشل ایجوکیشن کا رسالہ)

ادارہ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

مارچ سنہ ۱۹۶۵ء

جلد ۱۶ ـــــ شمارہ ۳

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراقؔ
رفیق محمد شاستری

دفتر:-
تعلیم و ترقی - جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

قیمت سالانہ چار روپے   فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

فون ۴۴۶۴۲۷

ترتیب

پرنٹر پبلشر برکت علی فراقؔ نے یونین پریس جامع مسجد دہلی ۶ میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

ایک نیا طرزِ فکر

سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کی کامیابی کے لئے انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری شری ایس۔ سی دتا کی تجویز بڑی انقلابی تجویز ہے۔ موصوف نے فرمایا ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں کو بہت لمبے چوڑے علاقے میں پھیلانے کی بجائے شہراتی علاقوں خصوصاً صنعتی مزدوروں تک محدود کردینا چاہیئے۔ اس تجویز کی اصابت ثابت کرنے کے لئے انھوں نے جو دلائل پیش کئے ہیں، وہ بڑی حد تک ٹھوس ہیں۔ مثلاً یہ بات بالکل صحیح ہے کہ تھوڑے سے وسائل کو جب بہت لمبے چوڑے رقبے میں پھیلایا جائے گا تو اس کی تہہ بہت پتلی رہے گی اور اس کا کوئی خاطرخواہ نتیجہ نہیں نکلے گا جیساکہ اب تک نہیں نکلا۔ اسی طرح یہ دلیل کہ صنعتی مزدور منظم ہوتے ہیں، گھنی ہوئی احاطہ بند بستیوں میں قیام کرتے ہیں، آسانی سے ہاتھ آسکتے ہیں ان میں تھوڑی بہت سوجھ بوجھ اور معلومات بھی ہوتی ہے اور ان میں سے بیشتر میں اپنی حالت کو سدھارنے اور تبدیلیوں کو قبول کرکے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی بڑی شدید خواہش ہوتی ہے، ان کی بےکیف اور بےلطف زندگی میں سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں سے مسرت خیز اور کیف آور تبدیلی آئے گی اس لئے انھیں وہ ہاتھوں ہاتھ لیں گے ـــــ یہ دلیل بھی بڑا وزن رکھتی ہے۔ ایسی بستیوں میں جہاں جمود کی کیفیت غالب رہتی ہے، سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کا بہت سا وقت لوگوں میں تعلیم کا شوق پیدا کرنے میں صرف ہوجاتا ہے اور چونکہ شوق پیدا کرنے کا کام اپنی جگہ خود بہت بڑا کام ہے اور بہت زیادہ تیاری چاہتا ہے اور اس تیاری کے لئے وسائل فراہم نہیں ہوپاتے اس لئے تعلیم کی تحریک پیدا کرنے کا یہ کام محنت کرنے کے باوجود ادھورا اور ناقص رہ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام کرنے والے کا جی چھوٹ جاتا ہے اور وہ محض روٹین پیدا کرنے کی غرض سے بددلی کے ساتھ کام کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ غالباً اسی صورتِ حال کا احساس کرکے اب سوشل ایجوکیشن کے رہنما بھی یہ کہنے لگے ہیں کہ لٹریسی کی مہم ہو یا اڈلٹ ایجوکیشن کی سرگرمیاں، ان کے لئے سب سے پہلے ایسا مقام منتخب کرنا چاہیئے جہاں لوگ

میں ان پروگراموں کو قبول کرنے کا شوق اور آمادگی پہلے سے موجود ہو۔ جبل پور کے نیشنل سیمینار نے بھی یہی سفارش کی تھی کہ خاتمۂ ناخواندگی کی مہم کے لئے پہلے ایسا علاقہ منتخب کرنا چاہیئے جہاں تعلیم اور پڑھنے پڑھانے کا نسبتاً زیادہ گہرا ماحول موجود ہو۔

شری دتا کا یہ نظریہ دراصل برطانوی اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ سے ماخوذ ہے۔ جو لوگ اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ سے واقف ہیں، وہ اس کی تائید کریں گے کہ برطانیہ میں ـــــ اور غالباً اس کے آس پاس کے دوسرے یورپی ممالک میں بھی اڈلٹ ایجوکیشن کا جنم اگرچہ مذہبی تحریکوں کی گود میں ہوا لیکن اس کی پرورش صنعتی انقلاب کی آب و ہوا اور مزدوروں کی تحریکوں کے پالنے میں ہوئی۔ برطانیہ کی مشہور جماعت ورکرز ایجوکیشنل ایسوسی ایشن اس تاریخی حقیقت کا زندہ ثبوت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ برطانیہ میں اڈلٹ ایجوکیشن نے مزدور تحریکوں کا دودھ پی کر وہ پر پرزے نکالے کہ ملکی نظم و نسق خصوصاً تعلیم کے معاملے میں قومی رہنماؤں کا اندازِ فکر اور قومی پالیسی کا رُخ بدل گیا۔

اس ضمن میں یہ بات بلاشبہ کہی جا سکتی ہے کہ برطانیہ کو تو صنعتی انقلاب کا تازیانہ لگا تھا اس لئے وہاں کے مزدوروں میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک تیز ہو گئی، ہندوستان میں ایسی کون سی مہمیز ہے جو اس تحریک میں تیزی پیدا کرے گی؟ یہ سوال اپنی جگہ بڑا منطقی سوال ہے خصوصاً جب ہم اڈلٹ ایجوکیشن کے موضوع پر برطانیہ کی تاریخ کی روشنی میں بحث کریں۔ لیکن ذرا گہرائی میں جا کر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ صنعتی مزدوروں میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک چلانے کے سلسلے میں برطانوی اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ قریب قریب ہر جگہ اور ہر دور میں صادق آتی ہے سوائے اس کے کہ کسی جگہ ملک کی سیاسی تنظیم ہی اشتراکی نظریے کے مطابق ہو چکی ہو اور اس کا واحد سبب ہے مزدوروں کی بیداری اور اپنے مفاد کے تحفظ کی ہر لمحہ خبر گیری۔ اس لئے کہ صنعتی انقلاب نے برطانیہ میں مزدوروں کو آخر یہی چیزیں تو عطا کی تھیں! یہی بیداری اور مفاد کے تحفظ کا احساس دراصل اڈلٹ ایجوکیشن (یا ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن) کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ جو ہمارے یہاں مفقود ہے؛ اور اگر کسی قدر موجود بھی ہے تو شہروں کے باشندوں اور صنعتی مزدوروں میں۔

مذکورۂ بالا تجزیے کی روشنی میں دیکھئے تو شری ایس۔ سی۔ دتا کا برطانوی اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ سے سبق لے کر ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن کے رُخ کو موڑنے کی تجویز پیش کرنا ان کے عملی طرزِ فکر کی شہادت دیتا ہے اور اس کا مستحق ہے کہ ہندوستانی رہنما اس پر سنجیدگی سے غور کریں۔

مگر دتا صاحب نے معلوم ہوتا ہے اس تجویز کے صرف ایک ہی پہلو پر نظر رکھی ہے یا یوں کہیئے کہ برطانوی اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ کے صرف ایک ہی باب کو سامنے رکھا ہے۔ برطانوی نمونے کی دوسری اور اُسی قدر اہم خصوصیت سرکاری اثر سے اس کی

آزادی ہے۔ آج بھی جب کہ حکومت عوام کی زندگی کے قریب قریب ہر شعبے میں دخیل ہے۔ اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک وہاں بدستور آزاد ہے۔ حکومت اڈلٹ ایجوکیشن کے مرکزوں کو سرمایہ ضرور فراہم کراتی ہے ـــــــ بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اُسے سرمایہ فراہم کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے ـــــ مگر ان کی پلاننگ اور پالیسی کے معاملے میں سوائے چند معمولی مالی ضابطوں کے دخل نہیں دیتی۔ اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کو جب تک یہ آزادی حاصل نہیں ہوگی، اُس وقت تک اُسے شہراتی علاقوں اور صنعتی مزدوروں میں محدود کر کے بھی چلایئے تب بھی غالباً کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ہم دتّا صاحب سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنی تجویز کے اس پہلو پر بھی غور کریں گے اور اس باب خاص میں بھی ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کی رہنمائی کریں گے۔

ایک بات ہمیں اس سلسلے میں اور کہنی ہے اور وہ یہ کہ انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن میں دتّا صاحب نے یہ مضمون اپنے نام سے شائع کرایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تجویز اُن کی ذاتی تجویز ہے اور اُسے تحریک کے مرکز یعنی انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی تائید حاصل نہیں ہے۔ ہماری رائے بہر حال یہ ہے کہ یہ تجویز انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی طرف سے ملک کے سامنے آنی چاہئے۔ اُسی وقت اس میں اتنا وزن پیدا ہوگا کہ اس سے ایک طرف تحریک کا رخ اور دوسری طرف ایوانِ حکومت کے اہلِ فکر کا نقطۂ نظر بدل جائے۔

قومی نظامِ تعلیم میں اڈلٹ ایجوکیشن کا مقام

گذشتہ شمارے میں ہم نے مندرجہ بالا عنوان سے ڈاکٹر دی۔ ایس۔ جھا کا مقالہ شائع کیا تھا اور ناظرین کو دعوت دی تھی کہ وہ اس دلچسپ اور مفید بحث میں شرکت کریں۔

زیرِ نظر مضمون ڈاکٹر جھا کے اسی مقالے پر اظہارِ خیال کی غرض سے بالغوں کے ایک معلّم کی طرف سے انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے فروری ۱۹۶۵ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ یہ مضمون ہم یہاں موقر جرنل کے شکریے کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔ —— ایڈیٹر

"قومی نظامِ تعلیم میں اڈلٹ ایجوکیشن کا مقام" کے عنوان سے ڈاکٹر دی۔ ایس۔ جھا کا جو مقالہ انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے دسمبر ۱۹۶۴ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا، اس میں مقالہ نگار نے اڈلٹ ایجوکیشن کے مواد اور حدود عمل سے جتنی بحث کی ہے اتنی اس موضوع سے نہیں کی ہے کہ قومی نظامِ تعلیم میں اس کا مقام کیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ مقالہ نگار نے اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت کے زیادہ سے زیادہ تسلیم کئے جانے کی بڑی زبردست وکالت کی ہے خصوصاً اس نقطۂ نظر سے کہ اس سے سماجی انقلاب کو بروئے کار لانے میں بہت مدد ملے گی، وہ اس معاملے میں بہت دور تک نہیں گئے ہیں کہ قومی نظامِ تعلیم میں اڈلٹ ایجوکیشن کا مرتبہ کیا ہونا چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت کا زیادہ سے زیادہ تسلیم کیا جانا قومی نظامِ تعلیم میں اس کے مناسب مرتبے تک پہنچنے میں پہلا قدم ہے اور مقالہ نگار نے اس پہلو پر بجا طور پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ یہ بات اس لئے بھی ضروری تھی کہ اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت اب تک زیادہ تر صرف اڈلٹ ایجوکیشن کے کارکنوں نے تسلیم کی ہے رہے قومی ترقی کی منصوبہ بندی کرنے والے، ملک کا نظم و نسق چلانے والے اور پبلک کے لوگ، تو وہ تو دور رہے ماہرینِ تعلیم تک نے تو اس کی ضرورت کو تسلیم کیا نہیں تھا۔

ملک میں اس وقت اڈلٹ ایجوکیشن کی جو صورتِ حال ہے؟ اس کے اوپر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر جھا نے لکھا ہے کہ "آزادی کے بعد کے زمانے میں سوشل ایجوکیشن کا تصور غالب رہا اور اس اہم مگر محدود میدان میں متعدد تجربے کئے گئے اور کچھ قابلِ قدر کام بھی ہوا" اڈلٹ ایجوکیشن کے تمام کارکن جو اس صورتِ حال سے واقف ہیں، ڈاکٹر جھا سے اس معاملے میں پورا پورا اتفاق کریں گے لیکن انھیں ان سے یہ امید بھی تھی کہ ڈاکٹر جھا اس موضوع پر اور گہرائی سے بحث کر تے اور فرماتے کہ "اگرچہ ۱۹۴۸ء میں جب سوشل ایجوکیشن کی اصطلاح وضع کی گئی تھی اور اسے کام کی کم سے کم عارضی بنیاد قرار دیا گیا تھا، اس کی اچھی طرح وضاحت کر دی گئی تھی پھر بھی بہت سا قیمتی وقت سوشل ایجوکیشن کے تصور اور منصب کی توضیح و تعبیر میں ضائع کر دیا گیا۔ اس کے باوجود اس پروگرام کے نافذ ہونے کے بعد خاص کام جو ہوا، وہ تھا سوشل ایجوکیشن کے مواد اور حدودِ عمل کے بارے میں بحثا بحثی اور ڈبیٹ۔

کمزوریاں

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تحریک میں دو قسم کی کمزوریاں پیدا ہوگئیں جن سے اسے اب تک نجات نہیں ملی۔ اول یہ کہ سوشل ایجوکیشن کے معنی مختلف لوگوں نے مختلف لگائے اور متعلقہ افسر یا ادارے نے جو معنی لگائے ان ہی کی بنیاد پر پروگرام بنائے گئے اور ان پر عمل کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کام اکثر و بیشتر غیر متوازن رہا اور اس سے ضرورت پوری نہ ہو سکی؛ دوسرے یہ کہ قومی منصوبوں میں سوشل ایجوکیشن کو جو ادنیٰ حیثیت دی گئی تھی، وہ جوں کی توں ادنیٰ رہی بلکہ ادنیٰ تر ہوتی گئی۔ اس طرح ملک میں سوشل ایجوکیشن کی حیثیت اس وقت یہ ہے کہ اس کی ضرورت کو پوری طرح تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے اور تعلیمی منصوبہ بندی میں اسے اب تک بہت ادنیٰ مقام حاصل ہے۔

بحث کی بنیاد

بنیادی سوال جو غور طلب ہے، یہ ہے کہ "سوشل ایجوکیشن کو قومی نظامِ تعلیم میں کیا مرتبہ حاصل ہونا چاہیے" یہ ہے دراصل وہ سوال جس کے بارے میں سوشل ایجوکیشن کے کارکن ڈاکٹر وی۔ ایس۔ جھا سے رہنمائی چاہتے ہیں۔ اس معاملے میں شاید ڈاکٹر صاحب اپنی رائے اس وقت دیں جب وہ مسئلے پر دوسرے پہلوؤں سے غور کر لیں اور سوشل ایجوکیشن کے کام سے تعلق رکھنے والے افسروں، رضاکار اداروں اور دوسرے لوگوں سے تبادلۂ خیال کر لیں۔ اس لئے میں یہاں چند خیالات اس خیال سے پیش کر رہا ہوں کہ شاید وہ بحث کی بنیاد بن سکیں جیسا کہ ایڈیٹر صاحب نے اپنے نوٹ میں

اشارہ کیا ہے۔

ڈاکٹر مجا نے اپنے مقالے میں بجا طور پر فرمایا ہے کہ کسی ترقی پذیر قوم کے لیے اڈلٹ ایجوکیشن کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے بشرطیکہ اس کا صحیح مفہوم پیش نظر ہو۔ اڈلٹ ایجوکیشن کے اوپر اس میں شک نہیں، اسی نظریئے سے غور کیا جانا چاہیئے کہ یہ تعلیم کے اہم ترین مقاصد کی تکمیل کا ایک پیہم اور مسلسل عمل ہے ——— تعلیم کے اہم ترین مقاصد سے مراد یہ کہ فرد کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کی پوری پوری نشو ونما کر سکے، سوسائٹی کے ایک موثر رکن کی حیثیت سے اپنے فرائض بخوبی انجام دے، سوسائٹی کو اپنی ذات سے جتنا زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکے، پہنچائے اور اس سے اپنے اور اپنے سماج کے بہبود کے لیے جس کے اندر وہ رہتا ہے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ابھی تک لاکھوں کی تعداد میں بچّوں کو اسکول جانے کا موقع نصیب نہیں ہے، اڈلٹ ایجوکیشن کے کام کے دو پہلو ہوں گے: ایک وہ پہلو جس کے مطابق ناخواندہ بالغوں کے لیے کام ہوگا جنھیں بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کا کبھی موقع ہی نہیں ملا۔ ایسے بالغوں کی تعداد چونکہ بہت بڑی ہے اس لیے کچھ عرصے تک اڈلٹ ایجوکیشن کا خاص منصب اس صورتِ حال کا علاج کرنا ہوگا۔ مگر یہ منصب اس کا عارضی منصب تصوّر کیا جانا چاہیئے اس لئے کہ جب ابتدائی تعلیم ہمہ گیر اور لازمی ہو جائے گا، اُس وقت اس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

دوسرا پہلو اُن بالغوں پر مشتمل ہوگا جنھوں نے تھوڑی بہت تعلیم پائی ہے، مگر مزید تعلیم کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تاکہ وہ ان گوناگوں مسائلِ حیات سے عہدہ برآ ہو سکیں جن سے انھیں زندگی میں دوچار ہونا پڑے گا اور جس کے لیے معلومات، ٹریننگ اور نجی مطالعے کی آسانیوں کی ضرورت ہے۔ اور یہی وہ خصوصی منصب ہے جو اڈلٹ ایجوکیشن کو انجام دینا چاہیئے اور اسی منصب کے لحاظ سے قومی نظام تعلیم میں اس کی جگہ متعین ہونی چاہیئے ——— یعنی فرد کو اس کی پوری عمر تک تعلیم کا مسلسل موقع فراہم کرتے رہنا۔ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو اس کے منطقی نتیجے کے طور پر یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت انسان کو زندگی کے ہر شعبے میں رہتی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ کم سے کم ایک حد تک یہ اصول تسلیم بھی کر لیا گیا ہے چنانچہ "صحت کی تعلیم"، "ایکسٹنشن کی تعلیم"، "امداد باہمی کی تعلیم"، "خریداروں کی تعلیم"، "شہریت کی تعلیم" اور اسی طرح کی اور بہت سی اصطلاحیں اکثر سننے میں آتی ہیں، اور یہ سب کی سب تعلیمیں اڈلٹ ایجوکیشن ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اڈلٹ ایجوکیشن چونکہ ان تمام شعبوں اور سرگرمیوں کا احاطہ کرتی ہے جن کا فرد کے فلاح و بہبود سے تعلق ہے، اس لیے قومی نظامِ تعلیم میں اس کا مرتبہ ایک بنیاد کا ہونا چاہیئے جس کے اوپر اڈلٹ ایجوکیشن کی مختلف شکلوں کی عمارت کھڑی ہوگی۔ اس کا دائرۂ عمل محض عام تعلیم کی حد تک محدود نہیں ہونا

چاہیے بلکہ اس کے احاطۂ کار میں تعلیم کی وہ تمام شکلیں آنی چاہئیں جو فرد کو اس کی زندگی کی وسیع، مختلف النوع اور تغیر پذیر ضرورتیں پوری کرنے میں مدد دے سکیں۔

فروگذاشتیں

اڈلٹ ایجوکیشن کے مواد اور حدود عمل سے متعلق ڈاکٹر جھا کے اس مقالے پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس میں دو نہایت واضح اور بدیہی باتیں چھوٹ گئی ہیں۔ مقالے میں یونیورسٹیوں کے زیر اہتمام دی جانے والی بالغوں کی تعلیم کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے جو دوسرے ملکوں میں خاصی بڑی حد تک فروغ پا چکی ہے۔ اس ملک میں صرف چند یونیورسٹیوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے اور وہ بھی ابھی صرف اتنا تسلیم کرنے کی حد تک کہ یونیورسٹیاں بھی اڈلٹ ایجوکیشن کے ایک منظم پروگرام کے ذریعے جماعت کی خدمت کر سکتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایجوکیشن کمیشن تعلیم اور خصوصاً یونیورسٹی کی تعلیم کے موضوع پر بحث کرتے وقت اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کرے۔

دوسری بڑی فروگذاشت اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں ریسرچ اور اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگراموں کی جانچ سے متعلق ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت زیادہ ضروری ہیں صرف اسی نقطۂ نظر سے نہیں کہ ان سے اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگراموں میں اصلاح اور بہتری ہوگی بلکہ اس اعتبار سے بھی کہ ان سے اڈلٹ ایجوکیشن کے ہر پروگرام کا صحیح رخ متعین کرنے میں مدد ملتی ہے چنانچہ اس کی بڑے پیمانے پر تحقیق، مطالعے اور اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگراموں کی جانچ کرنے کی غرض سے اچھی خاصی تعداد میں ادارے، تنظیمیں اور ایجنسیاں قائم کی جائیں۔ مگر ان کے قیام اور تنظیم میں اشتراک و ارتباط کا اصول کارفرما رہنا چاہیے تاکہ تحقیق، جانچ اور مطالعے کے ان اداروں اور تنظیموں کا کام مؤثر اور نتیجہ بخش طور پر انجام پائے۔

تیسری چیز جس کی ڈاکٹر جھا کے مقالے میں کمی محسوس ہوتی ہے اڈلٹ ایجوکیشن اور سماجی و معاشی ترقی کی درمیانی کڑی کا ذکر ہے اڈلٹ ایجوکیشن اور سماجی و معاشی ترقی کے اس باہمی ربط اور تعلق کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اڈلٹ ایجوکیشن کے کردار کی اہمیت کو سمجھنے اور تسلیم کرنے میں لوگوں کو آسانی ہو۔ اس تعلق کو پوری طرح تسلیم کر لیا جائے گا جبھی اڈلٹ ایجوکیشن کو قومی نظامِ تعلیم میں اس کا صحیح مقام حاصل ہو سکے گا۔

بہرحال اس سے بڑا اطمینان ہوتا ہے اور ڈاکٹر جھا کا شکریہ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے کہ انھوں نے ایک بیش بہا مقالہ پیش کیا ہے۔ اس سے وہ سب لوگ جن کو ہندوستان اور اس کی ترقی کی لگن ہے اڈلٹ ایجوکیشن کی اہمیت کی طرف متوجہ ہوں گے اور اس ترقی پذیر ملک میں اس کا جو کردار ہے اس پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔　　　　(انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن)

سوشل ایجوکیشن کی کامیابی کے لئے
نئی حکمت عملی

ذیل میں ہم انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری شری ایس ۔سی ۔ دتا کا ایک مضمون نقل کرتے ہیں جو موصوف نے ایسوسی ایشن کے ترجمان انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے فروری ۱۹۶۵ء کے شمارے میں شائع کرایا ہے ۔ اس مضمون میں سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کی کامیابی کی ایک بالکل نئی راہ تجویز کی گئی ہے اور اس اعتبار سے اس مضمون سے بھی خیالات اور آرا کے اظہار کا ایک نیا باب کھلتا ہے ۔

ناظرین تعلیم وترقی کے لئے دعوت ہے کہ وہ دتا صاحب کی تجویز کے بارے میں اپنے خیالات ہمیں لکھ بھیجیں ہم انھیں تعلیم وترقی کے صفحات میں بڑی خوشی سے شائع کریں گے ۔

—— ایڈیٹر

(۱)

کسی ملک کی تاریخ کا کوئی دور ہو، اس کے تمدن اور تہذیب کا انحصار بیشتر شہراتی آبادی کے اوپر ہوتا ہے ، اور یہی نہیں بلکہ ملک کے نظم ونسق کا رخ بھی شہراتی عوام ہی کے خیالات اور آدرشوں کی بنیاد پر متعین ہوتا ہے ، اس لئے کہ وہی نظم ونسق کے روزمرہ کے معمولات پر دراصل اثر انداز ہوتے ہیں ۔ لہٰذا ملک کی عظمت اور وقار کے لیے لازمی ہے کہ شہراتی عوام کے قلب وذہن میں وسعت اور پختگی ہو ۔ انھیں ذہنی اعتبار سے تیز اور اخلاقی حیثیت سے مخلص اور بے لاگ ہونا چاہیئے ۔ ان کے خیالات میں صفائی ہونی چاہیئے اور ان کی زندگی اونچے آدرشوں کی پابند ہونی چاہیئے ۔ اس اعتبار سے

دیکھئے تو انھی کو سوشل ایجوکیشن کی ضرورت سب سے زیادہ ہے اور اس کے لئے ان میں تحریک اور آمادگی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اُن علاقوں اور عوام کے اُن طبقات میں جانے کے بجائے، جن میں حصول تعلیم کے لئے شوق اور آمادگی کی کمی ہوتی ہے، اور جو شہراتی عوام کے مقابلے میں تعلیم کے امکانات سے کم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ہمیں اپنی کوششیں ایک مدت تک شہراتی عوام پر مرکوز کرنی چاہئیں اور پھر شہروں کے مضافات میں پھیلنا چاہئے۔ اگر ہم اپنے تنگ اور محدود وسائل کے ساتھ ہر طرف پھیل کر کام کرنے کے منصوبے بنائیں گے اور ان پر عمل کریں گے تو ان میں یقیناً ناکامی ہوگی۔

شہراتی علاقوں میں بھی ہمیں سب سے پہلے صنعتی مزدوروں کی طرف توجہ کرنا چاہئے۔ صنعتی مزدور منظم ہوتے ہیں گھٹی ہوئی اور احاطہ بند بستیوں میں قیام کرتے ہیں، آسانی سے ہاتھ آ سکتے ہیں اور انھیں تھوڑی بہت سوجھ بوجھ اور معلومات بھی ہوتی ہے۔ ان میں سے بیشتر میں اپنی حالت کو سدھارنے اور تبدیلیوں کو قبول کرکے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی بڑی شدید خواہش ہوتی ہے۔ ان کی بے کیف اور بے لطف زندگی میں سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں سے مسرت خیز اور کیف آور تبدیلی آئے گی اور اس لئے انھیں وہ ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ چونکہ وہ سماج کے دولت آفریں رکن ہوتے ہیں اس لئے انھیں اس بات کے لئے آمادہ کرنا بہت ضروری ہے کہ وہ ملک کی ترقی اور نشو و نما کو اپنی زندگی کا مشن بنالیں اور اسی جذبے کے ماتحت کام کریں۔

مزید براں صنعتی مزدوروں میں تعلیمی پروگرام زیادہ آسانی سے موثر ڈھنگ سے منظم کئے جا سکتے ہیں سوشل ایجوکیشن کے پروگرام غیر صنعتی آبادیوں میں بھی موثر ہو سکتے ہیں اور انھیں بھی آسانی سے منظم کیا جا سکتا ہے۔ انھیں ان کے مفادوں اور دلچسپیوں کے لحاظ سے مختلف ٹولیوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور اسی بنیاد پر اُن تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ مختلف ٹولیوں کے لئے ان کے ذوق اور دلچسپیوں کے مناسب حال مختلف قسم کے پروگرام چلائے جا سکتے ہیں جن کی طرف وہ قدرتاً کھنچیں گے اور چونکہ چیزان کے مطلب اور مذاق کی ہوگی اس لئے ان پروگراموں میں وہ وابستگی اور اپنائیت کے ساتھ شریک ہوں گے۔

ایک مرتبہ جب ہم شہراتی عوام اور صنعتی مزدوروں میں سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کامیابی سے منظم کرلیں تو پھر ہمیں دوسرے علاقوں کی طرف توجہ کرنا چاہئے۔ صنعتی مزدوروں میں سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کامیاب ہوں گے تو اس کی چھاپ دوسرے علاقوں کے اوپر اپنے آپ پڑے گی۔ اس لئے کہ بیشتر مزدور گاؤں سے آتے ہیں اور گاؤں سے ان کا رشتہ اب تک جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ شادی بیاہ، مذہبی رسومات، تیوہار اور میلے ٹھیلے کے موقعے پر اکثر شہروں سے اپنے آبائی گھروں کو آتے جاتے رہتے ہیں۔ آمد و رفت کے اس سلسلے سے ان کے ساتھ ساتھ وہ اثرات اور تعلیمات جو انھوں نے

شہروں میں سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں سے حاصل کی ہوں گی، گاؤں تک پہنچیں گی اور ان کے رشتے داروں اور دوستوں کی زندگی کے معمولات پر اثر انداز ہوں گی۔ گویا برف کی گیند کا کھیل شروع ہو جائے گا کہ گیند جسے بھی چھو جائے گی، اُسے خوشگوار خنکی سے شرابور کر دے گی سوشل ایجوکیشن کو پتھر کی دیواروں سے سر نہیں پھوڑنا پڑے گا بلکہ اس کے بجائے اسے ایسے مخاطب مل جائیں گے جنھیں اس کی خدمات پر ایمان ہوگا اور جو اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے پہلے سے تیار ہوں گے اس طرح اس کا کام آسان اور موثر ہو جائے گا —— جتنا موثر اب ہے اس سے کہیں زیادہ۔

ان دلائل کی بنیاد پر میں دل سے چاہتا ہوں کہ جہالت کے خلاف جو جنگ جاری ہے اس میں ایک نیا محاذ قائم کیا جائے۔ ذمے دار، تعلیم یافتہ اور اپنے آپ پر بھروسہ کرنے والی شہراتی آبادی ایک بڑا سرمایہ ہے جس سے صحیح جمہوریت کی نشوونما ہوتی ہے اور عوام کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔ چنانچہ سماجی اور اقتصادی ترقی کے لئے منصوبہ بندی کرنے والوں سے میں زور دے کر عرض کروں گا کہ چوتھے پلان میں سوشل ایجوکیشن کے لئے جو تھوڑے بہت وسائل ہم مہیا کر پائیں گے انھیں بہت بڑے علاقے میں پھیلا کر خرچ کرنے کے بجائے شہراتی علاقوں میں خرچ کرنے کی بات سوچنی چاہیئے۔

(۲)

دوسری بات جس پر میں زور دینا چاہتا ہوں یہ ہے کہ سماج کے بدلتے ہوئے لیل و نہار کے حسب حال اڈلٹ ایجوکیشن کی تعریف نئے سرے سے ہونی چاہیئے۔ اب ہمیں اصلاحی[1] اور روزگار کی تعلیم کا بندوبست کر کے مطمئن نہیں ہو جانا چاہیئے۔ جدید زندگی کی پیچیدگیوں کا تقاضا ہے کہ لوگوں کے پاس علم ہو، ان میں سوجھ بوجھ اور چیزوں کی پرکھ کا مادہ ہو۔ یہ چیزیں صرف روزگار کی تعلیم اور فنکشنل لٹریسی سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ جمہوری سماج میں جہاں آزادی کو سب سے اونچی قدر کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے، سب کا معقول حد تک تعلیم یافتہ ہونا لازمی ہے۔ زندگی کی نفاست اور بلند معیاری کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ فرد کی عام تعلیم کا سلسلہ اس کی پوری زندگی تک جاری رہے۔ تعلیم میں کوئی ایسا مقام نہیں آتا جہاں تعلیم ختم ہو جاتی ہو تعلیم بالغان کے کارکنوں کا فرض ہے کہ وہ اس نقطۂ نظر کی تبلیغ و حمایت کریں اور اسے سرکاری پالیسی کی حیثیت سے حکومت سے تسلیم کرائیں۔ دوسری طرف حکومت کو چاہیئے کہ وہ اس مقصد کے لئے معقول مقدار میں سرمایہ منظور کرے تاکہ اس سے تسلسلی تعلیم کا ان لوگوں کے لئے بندوبست کیا جا سکے جو اس کا شوق رکھتے ہیں۔ اسی طرح رضا کار جماعتوں کو بھی چاہیے کہ وہ حکومت سے عوام کی عام تعلیم کے لئے معقول مقدار میں سرمائے کا مطالبہ کریں تاکہ اس تعلیم کے اثر سے آزادی اور جمہوریت کو نشوونما

[1] اصلاحی تعلیم سے مراد اڈلٹ ایجوکیشن کا وہ پہلو ہے جس کے ماتحت ناخواندہ اور کم تعلیم پائے ہوئے بالغوں کو تعلیم دی جاتی ہے تاکہ ان کی تعلیم کی کمی پوری ہو جائے۔ اس ضمن میں خواندگی اور ابتدائی منزل کی تعلیم کو پورا کرنے کے لئے تسلسلی تعلیم آتی ہے۔ ایڈیٹر

اللہ فروغ حاصل ہو۔

(۳)

اڈلٹ ایجوکیشن کی نئی تعریف و تعبیر کا مطالبہ کرتے وقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے ایک اور اہم پہلو کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ ہمیں اس وقت لوگوں کو ذمّے داری کی تعلیم دینے کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ ہمیں اپنے عوام میں قوم پرستی اور وطن پروری کا جذبہ ابھارنا چاہئے اور ان کی سیرت میں اخوت۔ یگانگت، ہمسائگی اور خدمت کی قدروں کی آبیاری کرنا چاہئے۔ جب ہم "ذمّے داری کی تعلیم" کو اپنا لائحہ عمل قرار دیں گے تو یہ لائحہ عمل ہم سے لوگوں کی سیاسی تعلیم کا مطالبہ بھی کرے گا اور بحیثیت قوم کے ہمارے ملک کے ڈیولپ منٹ میں وہ منزل آ گئی ہے جب بالغوں کے معلموں کو لوگوں کی سیاسی اور شہری تعلیم کا کام اپنے ہاتھ میں لینا پڑے گا۔ یہ چیز ہماری شیر خوار جمہوریت کی باڑھ کے لئے بہت ضروری ہے اس لئے کہ باشعور، بیدار مغز اور سوجھ بوجھ رکھنے والے شہری ہی دراصل جمہوریت کی جان ہوتے ہیں۔ ہمیں اس مسئلے پر صفائی اور دیانت داری کے ساتھ غور کرنا چاہئے اور لوگوں کے لئے لبرل جنرل ایجوکیشن کے پروگرام چلا کر ان کے سامنے سیاسی سوالات اور مسائل کی وضاحت کر کے اور ان کے لئے مسائل حاضرہ پر بحث مباحثے منعقد کر کر کے ملک کے سامنے اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام کا ایک "آئیڈیل" قائم کرنا چاہئے تاکہ ان پروگراموں کے فیض سے لوگوں میں شعور اور بیداری پیدا ہو اور وہ ملک کے سیاسی اور سماجی ڈیولپ منٹ کی ذمّے داری خود اٹھا سکیں اور یہ کام مٹھی بھر سیاست بازوں، تاجروں اور تاناشاہی حاکموں تک محدود نہ رہ جائے۔

(انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن)

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۵)

ایک ایک فرد واحد کو شریک کرنا ہوگا۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ ہمارے ملک کے تحفظ اور دفاع کا سب سے بڑا اور مؤثر ہتھیار ہمارے عوام کی تعلیم ہے۔ مگر افسوس! کہ ہم اپنے اس ہتھیار کی قدر و قیمت سے بے خبر ہیں۔

دوستو!

یہ بہت ضروری ہے کہ ہم سوشل ایجوکیشن کے فلسفے کو واضح طور پر سمجھ لیں اور اس کے لئے محنت کرنے کا پختہ عزم کر لیں۔ سوشل ایجوکیشن کے کارکن کی حیثیت سے جتنی زبردست اور دل شکن مخالفت آپ کو جھیلنی پڑے گی، اتنی کسی اور شخص کو نہیں۔ آپ کو نہایت خلوص اور اعتقاد کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ آپ کو خود اپنے اوپر اعتماد رکھنا ہوگا کہ آپ صحیح راستے پر ہیں اس لئے کہ آپ جس فلسفے کے ماتحت کام کر رہے ہیں وہ فلسفہ صحیح ہے۔

Dr. V. S. Jha



Delivering the Valedictory address at the closing function of the 10th officers' Training Course at the National Fandamental Education Centre New Delhi.

قومی نظام تعلیم کی پہلی شرط: ہمہ گیر خواندگی

۴ مارچ ۱۹۶۵ء کو نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر دہلی کے دسویں ٹریننگ کورس کا اختتامی جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس موقعے پر تقسیم اسناد اور خطبۂ تقسیم اسناد کے لئے سنٹر نے ایجوکیشن کمیشن کے ممبر ڈاکٹر وی۔ ایس جھا کو مدعو کیا تھا۔

ڈاکٹر جھا کا خطبۂ اسناد سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے لئے اس اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ انھوں نے اس میں سوشل ایجوکیشن کے موجودہ مسائل سے بحث کی تھی اور بعض باتیں بڑے پتے کی کہی تھیں۔ یاد رہے کہ ڈاکٹر وی۔ ایس۔ جھا ایجوکیشن کمیشن کے صرف رکن ہی نہیں ہیں بلکہ کمیشن میں اڈلٹ ایجوکیشن کے پہلو سے متعلق تمام کام انہی کے سپرد ہے۔

ہم ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جو ہمیں نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے لٹریسی یونٹ سے موصول ہوا ہے۔ ——— ایڈیٹر

ڈاکٹر کوشی خواتین وحضرات،

ڈسٹرکٹ سوشل ایجوکیشن افسروں کی ٹریننگ کے اس دسویں کورس کی رپورٹ میں نے پڑھی ہے اور اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آپ نے جس قابلیت سے ٹریننگ کورس کا پروگرام ترتیب دیا ہے اس کی بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ ٹریننگ کا مواد، دورانِ کورس کی سرگرمیاں اور تقسیم کار اور طریقۂ تعلیم ہر چیز قابلِ داد ہے۔ اور آپ اس کے لئے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ البتہ ایک چیز سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی اور تکلیف سے زیادہ شرمندگی کہ اتنے اچھے اور نادر موقعے سے فائدہ اٹھانے والے

صرف چند افسران ہی آئے[1]… اس ٹریننگ کورس کی داستان میں نے دونوں طرفوں سے سُنی، سنٹر کے ڈائرکٹر کی زبان سے بھی اور زیر تربیت افسروں کے ایک نمایندے کی زبان سے بھی۔ اور دونوں داستانیں ہر اعتبار سے قابلِ ستائش تھیں۔

اس موقعے پر میں چند باتیں کہنا چاہتا ہوں، صرف زیر تربیت افسروں ہی سے نہیں بلکہ اس ادارے کے منتظمین سے بھی۔ ..... میں ایک طویل مدت تک مختلف حیثیتوں میں سوشل ایجوکیشن کا کارکن رہا ہوں اور کہہ سکتا ہوں کہ تعلیم کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں اتنی مخالفتوں کو جھیلنا پڑتا ہو، اتنی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہو، اتنی وسیلہ جوئی اور اپچ سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہو جتنی سوشل ایجوکیشن کے میدان میں۔ تعلیم کا یہ میدان بڑا مشکل اور صبر آزما میدان ہے۔ جیسا ڈاکٹر کوٹھاری نے اپنی رپورٹ میں نہایت حسین انداز میں کہا ہے "ماہرین تعلیم کو سوشل ایجوکیشن کی ضرورت کا احساس دلانے کی جتنی ذمے داری ہمارے اوپر آتی ہے اتنی کسی اور کے اوپر نہیں آتی۔ سوشل ایجوکیشن کے میدان کا یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے"

سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے اوپر جب وہ فیلڈ میں قدم رکھتے ہیں، سوالات کی بوچھار ہونے لگتی ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے سامنے ایک سوال یہ آئے گا کہ دولت آفرینی کے نقطۂ نظر سے سوشل اور اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگراموں کی کیا قدر و قیمت ہے؟ کہا یہ جاتا ہے کہ ایک وقت آئے گا ـــــ اور جس کے آنے میں بہت دیر نہیں لگے گی ـــــ جب موجودہ ان پڑھ لوگ مر جائیں گے اور خواندہ لوگ ان کی جگہ لے لیں گے، اس لئے عوامی تعلیم کا مسئلہ اپنے آپ حل ہو جائے گا۔

میرا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ آپ کو سوشل ایجوکیشن کا ایک مکمل فلسفہ وضع کرنا چاہیئے۔ اس کے بارے میں آپ کا ایک مستقل طرزِ عمل ہونا چاہیئے اور اس کے مقاصد کا پورا پورا ادراک ہونا چاہیئے۔ اس سے یہ ہوگا کہ آپ کے ذہن میں یہ واضح ہو جائے گا کہ سوشل ایجوکیشن کا مدعا کیا ہے اور پھر آپ ان سوالات کا جن کی مثال اوپر بیان کی گئی ہے، مدلّل جواب دے سکیں گے۔

کوئی جس پہلو سے چاہے بحث کر لے آخر کار اسے اعتراف کرتے ہی بن پڑے گی کہ تعلیم یافتہ مزدور بہر حال بہتر مزدور ہوتا ہے، اور اسے زندگی کے مسائل کی زیادہ اور اچھی سمجھ ہوتی ہے۔

تعلیم کا ایک منصب یہ دیکھنا بھی ہے کہ دورِ جدید کی تیز رفتار تبدیلیوں سے جن کی ہماری موجودہ زندگی پر بڑی گہری

[1] اس ٹریننگ کورس میں کل چار افسر شریک ہوئے تھے، ایک صاحب آسام سے آئے تھے، دو ناگالینڈ سے اور ایک راجستھان سے۔ ـــــ ایڈیٹر

چھاپ پڑتی جا رہی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری روایاتی اقدار میں جو ایک طویل مدّت سے آزمائشوں میں پوری اترتی چلی آئی ہیں، فلل پڑنے لگے۔ ہمیں اپنے فلسفۂ زندگی میں تسلسل قائم رکھنے کی غرض سے ان اقدار کو بحال و برقرار رکھنا ہے۔ لیکن ایک ایسے سماج میں جس میں ناخواندگی عام ہو ایسا ہونا ممکن نہیں ہوگا۔

جمہوری سماج میں ضروری ہوتا ہے کہ سماج کے ہر فرد کو حصول تعلیم کا موقع حاصل ہو۔ یہ ضرورت اسی حالت میں پوری ہو سکتی ہے جب رسمی تعلیم کے انتظامات کے ساتھ ساتھ باضابطگی اور پوری تیاری کے ساتھ اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام بھی چلائے جائیں۔ اس کے بغیر تعلیم کے معاملے میں مساوات کا یہ آئیڈیل پورا نہیں ہو سکتا۔

زراعت کے پیشے میں لازمی ہے کہ ہمارے طریقوں اور وسائل میں انقلابی تبدیلیاں واقع ہوں اور انھیں جدید ڈھنگ پر منظم کیا جائے۔ ہمارے کسانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سائنس اور ٹکنالوجی اور اُن تمام باتوں سے واقف ہوں جن کی بدولت پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور زندگی کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا نظامِ معیشت کامیاب ہو تو کسانوں کو اچھی اور موثر تعلیم دینا ہمارا فرض ہو جاتا ہے۔

ایجوکیشن کمیشن کی ایک نشست میں لینن گراڈ (روس) کے ایک عالم ریاضیات سے باتیں ہو رہی تھیں۔ باتوں کا سلسلہ ختم ہونے لگا اور ہم لوگ ان کا شکریہ ادا کرنے والے تھے کہ انھوں نے ایک سوال کر لیا۔ کہنے لگے "آپ لوگ اپنے ملک میں ایک قومی نظامِ تعلیم وضع کرنے والے ہیں۔ براہ کرم مجھے بتایئے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں عوام کی بھاری اکثریت ان پڑھ ہے، کوئی قومی نظامِ تعلیم ممکن بھی ہے اور کیا اس کے اوپر عمل بھی ہو سکتا ہے؟" کسی قومی نظام تعلیم کے لئے پہلی شرط ہمہ گیر خواندگی ہے۔ روس میں ناخواندگی کا خاتمہ جو ممکن ہوا وہ اس طرح کہ روسی عوام نے اس کے لئے پختہ ارادہ اور مصمم عزم کر لیا تھا، اور یہی ارادے کی پختگی اور مقصد شناسی ہے جس کا ہمارے اندر فقدان ہے جس وقت ہمارے اندر یہ مقصد شناسی اور عزم صمیم پیدا ہو جائے گا، اُسی وقت یہ ممکن ہوگا کہ ہم اپنے اس عظیم جمہوری ملک سے ناخواندگی کی لعنت کو دور کر سکیں۔

کسی ملک کے تحفظ کی سب سے بڑی ضمانت اس کے عوام کی تعلیم ہے۔ تعلیم نہ ہو تو جمہوری زندگی مفلوج ہو جاتی ہے۔ جمہوریت اپنا عمل اس وقت تک کر ہی نہیں سکتی جب تک ملک کا ایک ایک فرد تعلیم نہ پا چکا ہو، اپنی قوتِ فیصلہ سے کام نہ لیتا ہو، اس کی اپنی انفرادی رائے نہ ہو اپنی قوت تمیز اور صوابدید کے مطابق کام نہ کرتا ہو اور زندگی کی مختلف سرگرمیوں میں وابستگی کے ساتھ حصّہ نہ لیتا ہو۔ اگر ہمیں جمہوریت کی روح کو زندہ و توانا رکھنا ہے تو ہمیں لازمی طور پر رائے عامّہ کو ابھارنا اور متحرک کرنا ہوگا اور جمہوریت کے عمل میں

باقی صفحہ ۲۱ پر

امریکہ میں مراسلاتی تعلیم کی مقبولیت

ان دنوں مہذب دنیا میں ڈاک کے ذریعے پڑھنے پڑھانے کا طریقہ بہت عام ہے اور وہ صرف علوم انسانی ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ سائنس ٹکنالوجی اور انجینیرنگ جیسے مضامین بھی اس کے دائرۂ عمل میں شامل ہو گئے ہیں۔

ذیل میں ہم یونائیٹڈ اسٹیٹس انفارمیشن سروس سے آئے ہوئے ایک ہندی مضمون کو اردو کے لباس میں پیش کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ امریکہ میں اس طریقۂ تعلیم کو کتنی مقبولیت حاصل ہے اور اس سے کتنی بڑی تعداد میں لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔

—— ایڈیٹر

رحم کی عمر ۲۰ سال کی ہے اور وہ ایک ہوشیار صنعتی مزدور ہے۔ وہ اپنے کام کے میدان میں افسر شعبہ کے مرتبے تک پہنچنا چاہتا ہے۔ بتیس سالہ ایڈی پہلے ہی سے ایک شعبے کا افسر ہے، لیکن اس کا حوصلہ یہ ہے کہ اگر مزید ٹریننگ حاصل کرے تو اس سے بھی اونچے عہدے پر پہنچ سکتا ہے۔

مسٹر جیک اب ۶۵ سال کے ہو گئے ہیں۔ وہ چھوٹی عمر ہی میں کام پر لگ گئے تھے اور تعلیم باضابطہ طور پر وہ بس چند ہی سال تک حاصل کر پائے تھے۔ اب انھیں کام سے فرصت ہے چنانچہ اس زمانے کے خالی وقت میں وہ اپنی تعلیم کی کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں، مگر مشکل یہ ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے انھیں چھوٹی عمر کے بچوں کے ساتھ کلاس میں بیٹھنے میں تکلف ہوتا ہے۔

بیس سال کی میری دن بھر ایک دفتر میں کام کرتی ہے۔ عنقریب اس کی شادی ہونے والی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ

خانہ داری کا علم اور خانگی معاشیات سے واقفیت حاصل کرلے۔ بٹی کی عمر ۲۹ سال کی ہے اور اس کی شادی ہو چکی ہے تین بچے بھی ہیں۔ وہ زنانے ہیٹ اور ٹوپیاں بنانے کا فن سیکھنا چاہتی ہے لیکن اس کے سامنے یہ مشکل ہے کہ اس مقصد کے لئے اگر وہ کلاس میں چلی جائے تو اس کے چھوٹے چھوٹے بچّوں کی رکھوالی اور دیکھ بھال کون کرے گا۔

ٹامی میاں ابھی چودہ ہی سال کے ہیں مگر موٹر مکینک بننا چاہتے ہیں۔ وہ دیہاتی علاقے کے ایک ثانوی اسکول میں پڑھتے ہیں مگر وہاں موٹر کے انجنوں کے مطالعے کے انتظامات ہی نہیں ہیں۔ اسی طرح ماسٹر والٹر ہیں۔ ان کی عمر پندرہ سال ہے ان کے جی سے لگی ہے کہ کالج میں داخلہ لے کر انجینیری کی تعلیم حاصل کریں۔ کالج میں انجینیری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ٹرگنومیٹری جاننا لازمی ہے اور ٹرگنومیٹری کی تعلیم کا ان کے اسکول میں انتظام ہی نہیں ہے۔

اسی طرح کے بے شمار لوگ ہیں جن کے لئے کسی نہ کسی وجہ سے اسکول میں داخلہ لے کر متعامی درسگاہوں سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں ہے۔ ایسے طالبانِ علم کے لئے مراسلاتی تعلیم کے اداروں میں بڑی کشش ہوتی ہے۔

جسمانی اعتبار سے معذور یا ہسپتالوں میں پڑے ہوئے مریضوں کے نزدیک مراسلاتی تعلیم کے نصابوں کی بڑی قدر و قیمت ہے اس لئے کہ اس سے انھیں گھر بیٹھے حصول تعلیم کا موقع ملتا ہے۔ امریکہ میں تو یہاں تک ہوتا ہے کہ منتشر آبادی والے علاقوں میں پبلک (سرکاری) اسکولوں کے افسروں نے، اور ان اشخاص نے جو دوسرے ملکوں میں غیر مستقل طور پر کسی خدمت پر مامور ہیں، انھوں نے اپنے بچّوں کی ابتدائی اور ثانوی منزل کی تعلیم کے لئے بھی مراسلاتی تعلیمی نصابوں کا استعمال کیا ہے۔ صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی ٹریننگ اور انھیں ترقی دلانے والے کورسوں کی تعلیم میں مراسلاتی طریقۂ تعلیم کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہو رہا ہے۔ ان کے علاوہ بڑی عمر کے لوگ بھی امدادی روزگاروں کی واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے گھر بیٹھے ڈاک کے ذریعے پورے کئے جانے والے تربیتی نصابوں سے اکثر و بیشتر استفادہ کرتے ہیں۔

امریکہ میں جوں جوں ہُنرمند اور تعلیم یافتہ کارکنوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، کلاسوں اور تجربہ گاہوں میں تعلیم اور ٹریننگ کے عوامل تعلیم سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، اور ہفتے میں کام کے دنوں کی تعداد میں کمی واقع ہونے سے فرصت کے اوقات جوں جوں زیادہ ہوتے جا رہے ہیں، اسی اعتبار سے حصول تعلیم کے مواقع کا مطالبہ بھی بڑھتا جا رہا ہے اور اس مطالبے کو پورا کرنے میں مراسلاتی طریقۂ تعلیم کا رواج زیادہ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ گذشتہ چند سال میں گھر بیٹھے تعلیم دینے والے مراسلاتی تعلیمی نصابوں کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ ان سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ ابھی حال میں ان مراسلاتی تعلیمی نصابوں سے فائدہ

اٹھانے والوں کا ایک جائزہ لیا گیا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۶۳ء میں مراسلاتی کورسوں میں کچھ اوپر ۴۱ لاکھ ۵۲ ہزار افراد نے داخلہ لیا تھا جن میں سے ۲۲ لاکھ ۵۰ ہزار افراد صرف فوج یا وفاقی حکومت کے کارکن تھے۔

گھر بیٹھے تعلیم دینے والے اس قسم کے مراسلاتی کورس جاری کرنے کے لئے سینکڑوں پرائیوٹ اسکول قائم ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد یونیورسٹیاں، کالج، گرجا گھر اور دوسرے ادارے بھی ہیں جو مراسلاتی کورسوں کا انتظام کرتے ہیں۔ پھر محکمۂ فوج اور حکومتیں ہیں، انھوں نے بھی اپنے طور پر اس طرح کے تعلیمی پروگرام جاری کر رکھے ہیں۔ تقریباً آٹھ ہزار کی تعداد میں کاروباری ادارے اور ایجنسیاں ان کے علاوہ ہیں جنھوں نے مراسلاتی تعلیمی کورس چلانے والے تسلیم شدہ اسکولوں سے معاہدے کر رکھے ہیں کہ وہ ان کے کارکنوں کے لئے مخصوص قسم کے ٹریننگ کورس منظم کر دیا کریں۔ یہ اطلاع واشنگٹن، ڈی۔ سی (ڈسٹرکٹ آف کولمبیا) کو "نیشنل ہوم اسٹڈی کاونسل" نے دی ہے۔ یہ نیشنل ہوم اسٹڈی کاونسل قومی شہرت کی حامل ہے اور ایک مستند و معتبر تعلیمی ادارہ ہونے کی حیثیت سے امریکی وزارتِ تعلیم کی جانب سے تسلیم شدہ ہے۔

یہ کاونسل مراسلاتی تعلیم کے پرائیوٹ اسکولوں کی ایک وفاقی تنظیم ہے۔ اس کا قیام ۱۹۲۶ء میں عمل میں آیا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب گھر پر تعلیم دینے والے مراسلاتی کورسوں کے نام پر بہت سے غیر ذمہ دار ادارے قائم ہو گئے تھے جو گویا سندیں اور ڈگریاں گھڑنے کے "کارخانے" تھے اور پیسے لے لے کر لوگوں کو ڈگریاں اور سندیں بیچا کرتے تھے۔ یہ وفاقی تنظیم اس غیر تعلیمی صورتِ حال کو ختم کرنے اور مراسلاتی تعلیم کے ذریعے نجی مطالعے کے معاملے میں ٹھوس تعلیمی اصولوں اور دیانت دارانہ طریقوں کو فروغ دینے کے مقصد سے قائم ہوئی تھی۔

نیشنل ہوم اسٹڈی کونسل گھر پر تعلیم دینے والے انھی اسکولوں کو تسلیم کرتی ہے جو طلبا کو صرف تعلیمی مواد ہی فراہم نہیں کرتے بلکہ جانچ اور امتحان کے ایک خاص نہج کے ذریعے انھیں صلاح مشورہ دے کر ان کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ جو اسکول اس کاونسل سے منسلک ہوتے ہیں، ان کے درسی مواد، طریقۂ کار، مالی ذمہ داریوں اور اشتہار کی نوعیت کی یہ جماعت سختی سے جانچ کرتی ہے اور ہر پانچویں سال ہر اسکول کا مفصل معائنہ کیا جاتا ہے۔ کاونسل ہی اپنے تسلیم کردہ اسکولوں کی فہرست شائع کرتی ہے جن کی تعداد اس وقت ۶۵ ہے۔

ان اسکولوں کے زیر اہتمام اگرچہ لبرل آرٹ، کی بہت سی شاخوں اور تجارتی مضامین کے نصاب جاری ہیں، تاہم گھر پر تعلیم دینے کے انتظامات سے استفادہ کرنے والے بیشتر طالب علم پیشہ ورانہ اور ٹیکنکل نصابوں کے مطالعے کے باب میں اب بھی روایاتی طریقۂ کار ہی کی پابندی کرتے ہیں۔ یہ اسکول سینکڑوں کی تعداد میں جو نصاب چلاتے ہیں، ان میں ہوٹل کا انتظام، جنگلات کا اہتمام، کہانی لکھنے کا فن، لوہاری، ٹیلیفون سے متعلق مختلف قسم کی ٹریننگ، فنِ تجارت، فنِ فرنی ساز

اور اسی طرح کے اور بہت سے مضمون شامل ہیں۔ گذشتہ کچھ عرصے سے یہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ طالب علموں کی بڑی تعداد خودکار مشینوں، حساب لگانے والے آلات اور دوسرے متعلقہ مضامین سے نسبتاً زیادہ دلچسپی لینے لگی ہے۔

خیال ہے کہ اس وقت امریکہ میں جتنے مستند اور ٹرینڈ اکاؤنٹنٹ کام کرتے ہیں، ان کی کم سے کم ایک چوتھائی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنھوں نے کسی نہ کسی حد تک مراسلاتی تعلیم سے یقیناً استفادہ کیا ہے ۱۹۶۳ء میں گھر بیٹھے تعلیم حاصل کرنے والے طلباء میں تیس ہزار طالب علم وہ تھے جنھوں نے انجینیری کے نصابوں میں داخلہ لیا تھا۔ اور پچاس ہزار سے زیادہ تعداد ان طلبا کی تھی جو فن انتظام (MANAGEMENT) سے متعلق ایک نہ ایک نصاب میں داخل ہوئے تھے۔ امریکہ کی بہت سی ریاستیں ہیں جہاں اب کوئی بھی شخص انجینیری کے میدان میں پیشے کی قابلیت اور عملی تجربہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن طریقۂ کار مختلف ریاستوں میں مختلف ہے۔

لائسنس حاصل کرنے کے لئے جو امتحانات دینے پڑتے ہیں، ان کی تیاری میں مراسلاتی کورسوں کی شکل میں نجی مطالعہ اور دورانِ ملازمت کا عملی تجربہ؛ ان دونوں چیزوں کے میل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ نہ صرف اپنے روزگار میں بحال رہتے ہیں بلکہ اپنے پیشے سے متعلق مزید علم بھی حاصل کر لیتے ہیں اور اس طرح انھیں جو ٹریننگ ملتی ہے، اسے فوراً کے فوراً اپنے کام میں استعمال کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

کئی کی تعداد میں یونیورسٹیاں اور کالج بھی ہیں جو اپنے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام کے ماتحت گھر پر مطالعہ کر کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے مراسلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے کالج کی کلاسوں کے معیار کے نصاب جاری کرتے ہیں۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں کی تعلیم کا منشا چونکہ عالمانہ دستگاہ پیدا کرنا ہوتا ہے اس لئے قدرتی طور پر ان کے یہاں پیشوں کے بجائے بیشتر علمی قابلیت پیدا کرنے والے نصابوں پر زور دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان نصابوں سے زیادہ تر وہ طالب علم جو کالج کی کوئی ڈگری حاصل کرنے کے لئے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، یا وہ ٹیچر جو معلّمی کے پیشے سے متعلق کوئی اونچی ڈگری لینا چاہتے ہیں، استفادہ کرتے ہیں اور وہی ان نصابوں میں زیادہ تر داخلہ لیتے ہیں۔

امریکہ کے اعلیٰ تعلیم کے ادارے محض مراسلاتی طریقۂ تعلیم کی بنیاد پر ڈگریاں نہیں دے سکتے، البتہ چند تسلیم شدہ ادارے ایسے ہیں جن کے مراسلاتی کورسوں کے ایک یا دو سال کے کامیاب مطالعے کے بعد طلبا کو مطالعے کی سند دے دی جاتی ہے بشرطیکہ طالب علم کو یہ کورس تیار کرنے کی منظوری پہلے سے مل چکی ہو۔ مگر مطالعے کی نوعیت کے سلسلے میں گریجوایٹ اور دوسری ڈگریوں کے لئے جس معیار کی یا مطالعے کے گھنٹوں کی جو زیادہ سے زیادہ تعداد ضروری ہوتی ہے، وہ مختلف اداروں میں مختلف ہے۔ اسی اعتبار سے مراسلاتی کورسوں کی تیاری میں بھی مطالعے کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے

جو طالب علم اس قسم کی سندِ مطالعہ کے لئے مراسلاتی کورس میں داخلہ لینا چاہے اُسے پہلے یہ طے کر لینا ہوتا ہے کہ اس سند کے بعد وہ جس کالج میں مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، اس میں اس سلسلے میں ضابطۂ عمل کیا ہے۔

مراسلاتی طریقۂ تعلیم کی امریکہ میں اتنی دھوم ہے کہ بہت سے سرکاری (پبلک) سکنڈری اسکول خصوصاً دیہاتی علاقوں کے چھوٹے چھوٹے اسکول اپنے نصابوں کے معیار کو بلند بنانے کے لئے ہوم اسٹڈی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے زیرِ اہتمام چلنے والے مخصوص مراسلاتی درسی پروگراموں کا استعمال کرتے ہیں۔ اور اب تو یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے اکثر کالج ذہین اور ہوشیار طالب علموں کے لئے ایسے نصاب جاری کرنے لگے ہیں کہ ان کے اثر سے یہ طلبا ثانوی منزل کے درجوں میں پڑھتے ہوئے بھی کالج کے معیار کے نصاب تیار کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان نصابوں کو کامیابی سے پورا کر لینے کے بعد انھیں جو سند ملتی ہے، اسے وہ کالج میں داخلہ لیتے وقت اعلیٰ تر درجوں میں داخلہ لینے کی غرض سے پیش کرتے ہیں، اور اس کی بنیاد پر انھیں اکثر و بیشتر اونچے درجوں میں لے بھی لیا جاتا ہے۔

(یو۔ ایس۔ آئی۔ ایس)

فارم نمبر ۴

(رول نمبر ۸ دیکھئے)

۱۔ اشاعت کی جگہ	جامعہ نگر نئی دہلی	۵۔ ایڈیٹر کا نام	برکت علی فراقؔ
۲۔ اشاعت کی مدت	ماہنامہ	قومیت	ہندوستانی
۳۔ پرنٹر کا نام	برکت علی فراقؔ	پتہ	جامعہ نگر نئی دہلی
قومیت	ہندوستانی	۶۔ ان لوگوں کا نام اور پتہ	ادارہ تعلیم و ترقی
پتہ	جامعہ نگر نئی دہلی	جن کا اس اخبار میں	جامعہ ملیہ اسلامیہ
۴۔ پبلشر کا نام	برکت علی فراقؔ	حصہ ہے	جامعہ نگر نئی دہلی
قومیت	ہندوستانی		
پتہ	جامعہ نگر نئی دہلی		

میں برکت علی فراقؔ اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا معلومات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

دستخط برکت علی فراقؔ (پرنٹر)   ۲۷ مارچ ۱۹۶۹ء

استادوں کے لئے

نئی تعلیم کا نصب العین ــ اشتراکِ عمل

(اکتوبر سنہ ۱۹۶۴ء کے شمارے سے ملا کر پڑھئے)

ہم اس مضمون کی قسط اوّل میں لکھ چکے ہیں کہ ہمارا مستقبل ہمارے نوجوانوں کی تعلیم کا محتاج ہے ہمارے مستقبل کی فلاح و بہبود باہمی اشتراک عمل اور باہمی محبت پر منحصر ہے اس لئے ہمیں اپنے نوجوانوں کی تعلیم کا مقصد باہمی اشتراک عمل باہمی محبت، باہمی عزت اور اتفاق سے کام کرنے کی عادت پیدا کرنا قرار دینا چاہئے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں مربوط طریقۂ تعلیم اختیار کرنا ہوگا جس میں قدم قدم پر مل جل کر رہنے اور مل جل کر کام کرنے کی تربیت کا خیال رکھا گیا ہے۔ نئی تعلیم اور اس کے مربوط طریقۂ تعلیم میں حرفہ کے علاوہ آرٹ اور ڈرامہ کی تعلیم کو جو اہمیت حاصل ہے اس کو بھی سمجھنا اشد ضروری ہے۔

حرفہ، آرٹ اور ڈرامہ کی تعلیم انفرادی اور سماجی زندگی کو خوب سے خوب تر بنانے میں بے حد مددگار ثابت ہوتی ہے اس کا ہر شعبۂ زندگی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس سے طلبا میں تخلیقی صلاحیتوں کو بامعنی اور دلچسپ انداز میں ابھارا جا سکتا ہے۔ اس سے طلبا میں قوتِ حس، قوتِ ارادہ، قوتِ فیصلہ، اظہار ذات اور مستقل مزاجی جیسی گراں قدر صلاحیتوں کو اُبھارنے میں بے پناہ مدد ملتی ہے۔ اس سے انفرادیت کی تشکیل کے علاوہ شخصیت کی تعمیر میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ اس کی تعلیم کے ذریعہ فرد کو سماج کی خدمت کا سبق نہایت موثر اور کامیاب طریقہ پر سکھایا جاتا ہے۔ اس سے فرد جماعت کی اور جماعت فرد کی تخلیقی اور سماجی صلاحیتوں کی قدر کرنا سیکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ حرفہ، آرٹ اور ڈرامہ کی تعلیم کے ذریعہ طالب علموں کو ان سماجی کمزوریوں اور خرابیوں سے دور رکھا جا سکتا ہے جن کی وجہ سے ہم اور ہمارا سماج آج کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا ہے۔

حرفہ، آرٹ اور ڈراما کی تعلیم میں باہمی تعاون اور اشتراک عمل کی تربیت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی ہے اس کے ذریعہ طلبا میں اتفاق کے ساتھ رہنے، اپنے مسائل کو سوچ سمجھ کر حل کرنے اپنے فرائض کو خاموشی کے ساتھ انجام دینے، انفرادی اور جماعتی زندگی کی ضرورتوں کو پہچاننے اور ان کو پورا کرنے نیز جماعتی زندگی کو اپنی تعمیری کوششوں کے ذریعہ بہتر سے بہتر بنانے کی

تعلیم عملی طور پر دی جاتی ہے۔ حرفہ، آرٹ اور ڈرامہ کی تعلیم شخصیتوں کے بنانے میں تمام مضامین سے کہیں زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس تعلیم سے طالب علم میں ذوقِ سلیم پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے دوسروں کی خدمات کے اعتراف کی خو اور جذبات کے احترام کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ طالب علم میں آزادی کے ساتھ تخلیقی اور تعمیری کام کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ حرفہ، آرٹ اور ڈرامہ کی تعلیم سے دراصل نظم و ضبط، عجز و انکسار، عفو شعاری اور جسمانی اور ذہنی توازن جیسی صفات بدرجۂ اتم پیدا ہوتی ہیں۔

حرفہ، آرٹ اور ڈرامہ کی تعلیم کو نئی تعلیم کے نصاب میں اس لئے بھی اہمیت دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ طالب علم اپنے گرد و پیش کے ماحول اور تمدن سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ ان مضامین کی تعلیم سے اسے اپنے اندر نئے نئے تجربات کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور ان تجربات کو دہرانے اور ظاہر کرنے سے اس کی تسکین ہوتی ہے اور جذبۂ اظہار نفس کی تسکین جسمانی و ذہنی بالیدگی کی ضمانت ہے۔ اظہار نفس کے بہ موقعے تقریر کرنے، ناچنے گانے، پھولوں کو گلدستے میں سجانے اور مٹی کے کھلونے بنانے کیاریاں بنا کر ان میں طرح طرح کی سبزیاں اور پھول اگانے، سبز گتے اور لکڑی کے ماڈل بنانے، پنسل اور برش کے ذریعہ تصویریں بنانے کی شکل میں ملتے ہیں اور ان سرگرمیوں میں اظہار ذات کے امکانات بدرجۂ اتم موجود ہوتے ہیں۔ ان کاموں کی وجہ سے طالب علموں کے دل میں کام کرنے اور کام سیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور اس طرح ان کی شخصیت کی ذہنی، جسمانی اور جذباتی تربیت ہوتی ہے۔

حرفہ، آرٹ اور ڈرامہ کی تعلیمی اہمیت کے پیش نظر بعض ماہرین تعلیم کی رائے ہے کہ ہر بچے کا یہ تعلیمی حق ہے کہ اُسے کسی نہ کسی شکل میں حرفہ، آرٹ اور ڈرامہ کی تعلیم دی جائے۔ اس سے زندگی میں جو سلیقہ پیدا ہوتا ہے اس کے پیش نظر کہنا پڑتا ہے کہ جمہوری نظام حکومت میں کامیاب اور خوش رہنے کی تربیت دینے کی غرض سے ابتدائی اور ثانوی مدارس میں ہر طالب علم کو یہ تعلیم دی جانی چاہئے۔ اس سے نئی زندگی کے لئے راہیں کھلتی ہیں۔ نئے تجربات کے لئے نیا شوق پیدا ہوتا ہے۔ نئے مسائل کو نئے طریقے سے حل کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ دوسروں کے تجربات سے سبق حاصل کرنے کی دھن سوار ہوتی ہے۔ نئے نئے اور صائب فیصلے کرنے میں سچی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس سے اپنے کاموں کا جائزہ لینے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اپنی صلاحیتوں اور کمزوریوں کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ صلاحیتوں کو جان کر طالب علم میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور کمزوریوں کو جان کر انھیں دور کرنے اور کام کو بہتر بنانے کا ڈھنگ آتا ہے۔ تعمیری اور تخلیقی کاموں کے نمونے دیکھ کر دل کام کرنے والوں کی عزت کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ بنیادی تعلیم والوں کا یہ کہنا بجا ہے کہ نئی تعلیم ۶ سے ۱۴ سال کی عمر کے بچے اور بچی کے لئے لازمی اور مفت ہونی چاہئے اور اس عرصہ میں تمام تعلیم ہاتھ کے کام کے ذریعہ دی جانی چاہئے جو

سماجی اعتبار سے مفید اور کارآمد ہو۔ کام، اس کے معیار اور اس کی تعلیمی اہمیت کے بارے میں نئی تعلیم کے جنم داتا اور مشہور استاد ڈاکٹر ذاکر حسین نے لکھا ہے

"جب ہم تعلیم کے سلسلے میں کام کا ذکر کریں تو ہمیں وہی کام دھیان میں رکھنا چاہیے جس سے تعلیم ہو، ذہن کی تربیت ہو، آدمی اچھا آدمی بنے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آدمی کا ذہن اپنے کئے کو پرکھ کر اس کے اچھے بُرے پر نظر کرکے ترقی کرتا ہے۔ چاہے یہ کام ہاتھ کا ہو چاہے دماغ کا، تو اس کام سے اُسے ذہنی تعلیمی فائدہ اُسی وقت پہنچ سکتا ہے جب وہ اس کام کا پورا پورا حق ادا کرے، اس کام کے لئے ذرا اپنے کو تجے۔ اپنے اوپر ذرا قابو پائے۔ . . . . . . تعلیمی کام وہی ہو سکتا ہے جو کسی ایسی قدر کی خدمت کرے جو ہماری خود غرضی سے پرے ہو اور جسے ہم مانتے ہوں۔ جو اپنی ہی غرض کا کام کرتا ہے وہ ہنرمند ضرور ہو جاتا ہے مگر تعلیم یافتہ نہیں ہوتا۔ جو قدروں کی خدمت کرتا ہے وہ تعلیم پا جاتا ہے۔ قدر کی سیوا میں آدمی کام کا حق ادا کرتا ہے، اپنا مزہ نہیں ڈھونڈتا۔ اس سے وہ آدمی بنتا ہے[۵]۔"

ہمارا خیال ہے کہ نئی تعلیم جس میں کام بالخصوص حرفہ اور آرٹ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ نئے سماج کی تعمیر و تخلیق میں مددگار ثابت ہو گی۔ ایسا سماج جس میں پیار اور محبت ہو گی۔ جس میں اتحاد اور انصاف ہو گا، جس میں رحم اور عفو شعاری ہو گی، جس میں فارغ البالی اور یک جہتی ہو گی۔ جس کے ارکان محض ہنرمند نہیں بلکہ تعلیم یافتہ ہوں گے۔ جس کے سر پر عظمت و وفا کا تاج ہو گا۔ اس تعلیم سے ہمارے ہر طالب علم میں اشتراک اور اتحادِ عمل کا وہ صحیح جذبہ پیدا ہو گا جس کے بغیر کوئی شہری کسی اچھے سماج کا اچھا رکن نہیں بن سکتا ہے۔

---

[۵] ڈاکٹر ذاکر حسین، تعلیمی خطبات، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، جولائی ۱۹۶۱ء، ص ۹۵ - ۹۷

تعلیم و ترقی کے مضامین

پندرھواں سال سنہ ۱۹۶۴ء

جنوری سنہ ۱۹۶۴ء

اصول اور نظریے

خواندگی کا مشقی پروگرام ۔ برکت علی فراق

نمونے اور تجربے

خواندگی: انقلابی تعلیم کا ایک وسیلہ

انڈونیشیا میں خاتمۂ ناخواندگی

افکار و مسائل

دیہی تعلیم اور گاؤں سیوا ۔ شالگ رام پتھک

تعارف

اتر پردیش کے گاؤں میں رضاکار دستوں کی تشکیل

تربھون پرساد تیواری

ہندوستان کے گاؤں ترقی کی راہ پر

مکھرام شرما ۔ ہندوستان کا بہترین گرام سیوک

فروری سنہ ۱۹۶۵ء

اسپیشل نمبر: سوشل ایجوکیشن اور نوجوانوں کی تربیت

اشارات

چند اہم سوالات

نوجوانوں کی تعلیم و تربیت: غور و بحث کی بنیادیں

نوجوانوں کی زندگی ۔ ایک نفسیاتی تجزیہ

— محترم سعید انصاری صاحب

عنوان شباب کے مسائل : ڈاکٹر سلامت اللہ

نیشنل سیمینار کے عنوانات بحث کا خاکہ

شہر کے نوجوانوں کی تربیت اور سوشل ایجوکیشن

— شری بلبیر چوپڑہ

نوجوان کی تعلیم کے مسائل

— شری دھرم پال سکریٹری "اوارڈ" دہلی

سنہ ۱۹۶۴ء کا سیمینار: شری شالگ رام پتھک

ابتدائی تعلیم کے بعد پڑھائی ترک کر دینے والے نوجوانوں کی تعلیم کا مسئلہ (ایک فورم)

شری اے ۔ آر دیشپانڈے

شری عبداللہ ولی بخش قادری

شری نیکی رام گپتا

شری نذیر انصاری

شری جگدیش سنگھ

دوسرے ملکوں کے تجربات: نوجوانوں کی تربیت

۱۔ برطانیہ میں

۲۔ جاپان میں

مارچ سنہ ۱۹۶۴ء

اشارات

سوشل ایجوکیشن کے لئے دعوت فکر

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی سلور جوبلی کانفرنس

خطبۂ صدارت: محترم ڈاکٹر ذاکر حسین نائب صدر جمہوریہ ہند

اعلان نامہ ۔ نامہ نگار

تجاویز ۔ نامہ نگار

تیرھویں نیشنل سیمینار (نوجوانوں کی تربیت) کی سفارشات

زبردست قومی نقصان: شری سوہن سنگھ

اڈلٹ ایجوکیشن کے مسائل (لکچر)۔ برکت علی فراق

مزدوروں کی تعلیم اور اڈلٹ ایجوکیشن

ایس۔ ایم۔ ہیلے رفنڈامنٹل اینڈ

الٹ ایجوکیشن جلد ۹ شمارہ ۳)

اپریل سنہ ۱۹۶۴ء

اشارات

یورپ کے دیہی رضاکار دستے

اصول اور نظریات

خواندگی کا مشقی پروگرام: دوسرا درجہ

برکت علی فراق

نوجوانوں کی تربیت کے کام کے مددو بیجناتھ سنگھ

افکار و مسائل

اڈلٹ ایجوکیشن کے مسائل (۲) برکت علی فراق

پنچایتی راج کا روپ ۔ بلونت رائے مہتا

اڈلٹ ایجوکیشن دوسرے دیسوں میں

افریقہ میں اڈلٹ ایجوکیشن کی کیفیت

تحریکیں اور منصوبے

یو۔ پی کے رضاکار دستے: شری رام مورتی

مئی سنہ ۱۹۶۴ء

اشارات

خط کتابتی طریقۂ تعلیم کی ایک جدت

اصول اور طریقے

یونیورسٹی ایکسٹنشن کا بدلتا ہوا روپ ۔ پروفیسر ٹی کیلے

افکار و مسائل

اڈلٹ ایجوکیشن کے مسائل (۳) برکت علی فراق

تجربے اور نمونے

تعطیلات گرما میں سوشل ایجوکیشن کا کام ۔ بلبیر چوپڑہ

روس میں خاتمۂ ناخواندگی اور اڈلٹ ایجوکیشن کی تنظیم

—ایں۔ این بالوف

رفتار کارواں (خبریں)

اڈلٹ ایجوکیشن کے روسی ماہرین سے ملاقات

دہلی یونیورسٹی میں مراسلاتی نصاب تعلیم

چوتھے پنج سالہ منصوبے میں خاتمۂ ناخواندگی کا پروگرام

جون ۱۹۶۴ء

قوم کا معلّم: پنڈت نہرو

روس میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تنظیم (۲)

بالغوں کی اسکولی تعلیم: مسٹر بالوف

وینیزویلا میں خاتمۂ ناخواندگی کی تحریک: مسٹر فلیکس ایڈم

سوشل ایجوکیشن میں اقتصادی بہتری کے پروگرام

(شہری علاقوں کے لئے ایک تجزیہ) شری بلبیر چوپڑہ

ملک میں اڈلٹ ایجوکیشن کی رفتار تیز کی جائے

وزیر تعلیم کو ایک میمورنڈم

دہلی میں خاتمۂ ناخواندگی کی مہم: نیکی رام گپتا

ایک گاؤں پردھان کا کارنامہ

—شری جگدیش نرائن مہروترا

امریکہ میں اعلیٰ تعلیم کے طالب علموں کو آسانیاں

جولائی ۱۹۶۴ء

اشارات

صحیح راستہ

افکار و مسائل

ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تنظیم (ایک انگریز معلم کی نظر میں): پروفیسر ڈبلیو۔ ای۔ اسٹائگر

دیوریا کے ایک ڈیولپمنٹ بلاک سے: نامہ نگار

اڈلٹ ایجوکیشن روس میں

روس میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تنظیم (۳)

مراسلاتی تعلیم: مسٹر این این بالوف

تعارف

ورکرز ایجوکیشن سوسائٹی کلکتہ

رفتار کارواں (خبریں)

خواندگی کے لئے پائلٹ پروجیکٹ۔ پندرہ سال میں مکمل خواندگی۔ ناخواندگی کے خلاف عالم گیر مہم۔ مزدوروں کی تعلیم کا پائلٹ پروجیکٹ

اگست ۱۹۶۴ء

اشارات

ایک فیصلے پر جم جائیے

مضامین

بالغوں کی خواندگی: کیا؟ کیوں؟ کیسے؟

شریمتی وینکٹ راؤ رائسم

نئی تعلیم میں سماجی اور کلچرل پروگرام: شری شمس الدین

ریلیف ورکرز خواندگی کے محاذ پر: یونیسکو فیچر

جرمنی میں اڈلٹ ایجوکیشن کی موجودہ کیفیت: مسٹر ایچ ڈولف

سماج کے بڑھتے ہوئے قدم: شری آر۔ بی۔ ہرش

رفتار کارواں

اڈلٹ ایجوکیشن اور خواندگی پر ہند پاک سیمنار

نہرو خواندگی فنڈ۔ نوج: اڈلٹ ایجوکیشن کا سب سے

بڑا ادارہ۔ صنعتی مزدوروں کے لئے خواندگی کا منصوبہ

ستمبر ۱۹۶۴ء

اشارات

خواندگی: مہم یا مستقل تعلیمی عمل

اصول اور نظریے

برطانیہ کے اڈلٹ اسکول: ایک تاریخی جائزہ

—— برکت علی فراق

خواندگی کی ضرورت: سماجیاتی نقطۂ نظر سے

—— ارنسٹ جیمپ نس اور رابرٹ پی ارس

اڈلٹ ایجوکیشن بدیس میں

سوڈان میں اڈلٹ ایجوکیشن: شری ایس۔ ڈی اڈ

استادوں کے لئے

پروجیکٹ میتھڈ: ڈاکٹر محمد اکرام خاں

تنقید و تبصرہ

سہاگ پٹنگ (ہندی): ب۔ ع۔ ف

رفتار کارواں (خبریں)

اکتوبر ۱۹۶۴ء

اشارات

بالغوں کی خواندگی اور اڈلٹ ایجوکیشن کے موضوع

پر قومی حلقۂ مطالعہ

اصول اور نظریات

برطانیہ کے اڈلٹ اسکول: ایک تاریخی جائزہ (۲)

—— برکت علی فراق

افکار و مسائل

دنیا سے بالغوں کی ناخواندگی کو ختم کرنے کا منصوبہ

اور پروگرام: یونیسکو

ہم سفر

بنگال سوشل سروس لیگ: رفیق شاستری

استادوں کے لئے

نئی تعلیم کا نصب العین: اشتراک عمل

ڈاکٹر محمد اکرام خاں

ایک اپیل

نومبر ۱۹۶۴ء

یہ پرچہ

دسمبر ۱۹۶۴ء کا اسپیشل نمبر

ایران میں ناخواندگی کے خلاف مورچہ

دسمبر ۱۹۶۴ء

اسپیشل نمبر: خواندگی کی بین الاقوامی مہم میں ہندوستان کا منصوبہ

اشارات

مقام مسرت

یہ اسپیشل نمبر

"معاشی ترقی اور خواندگی": خیالات اور رائیں

بنی نوع کی فلاح و بہبود کی مہم کا نقطۂ آغاز

— شری پریم کرپال

ناخواندگی کا خاتمہ: شری اے۔ آر۔ دیش پانڈے

معاشی ترقی کا راز: خواندگی: شری سوہن سنگھ

ایک ترقی پذیر ملک میں خواندگی کی اہمیت

— ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی

غذائی قلت کا ایک حل: گاؤں کے بالغوں کی تعلیم

— شری شالگ رام پاٹھک

سٹڈی گروپ

حصہ اول: مختصر رپورٹ اور خصوصی سفارشات

۱۔ مختصر رپورٹ

۲۔ خصوصی سفارشات

حصہ دوم: ایجنڈا اور بحث اور سفارشات

ایجنڈا نمبر ایک: ہندوستان میں ناخواندگی کا مسئلہ موجودہ صورتِ حال اور اس کی اہمیت

ایجنڈا نمبر دو: سماجی اور اقتصادی ترقی کی روشنی میں بالغوں کی خواندگی کی اہمیت

ایجنڈا نمبر تین: بالغوں کی خواندگی اور تعلیمی منصوبہ بندی

ایجنڈا نمبر چار: بالغوں کی خواندگی اور ورک اورینٹڈ ایجوکیشن: مختلف اداروں کا منصب

ایجنڈا نمبر پانچ: بالغوں کی خواندگی: نشر و اشاعت کے عوامی وسائل اور مواد تعلیم

ایجنڈا نمبر چھ: بالغوں کی خواندگی اور ورک اورینٹڈ ایجوکیشن کے مختلف طریقۂ کار: پھیلاؤ اور گہرائی کے اصول

حصہ سوم: خواندگی کے پائلٹ پروجیکٹ کا خاکہ

۱۔ سب پروجیکٹوں کی مشترکہ خصوصیات

۲۔ پیکج پروگرام والے دیہی علاقے کا پروجیکٹ

۳۔ صنعتی پروگرام والے دیہی علاقے کا پروجیکٹ

۴۔ کواپریٹیو ڈیولپمنٹ والے دیہی علاقے کا پروجیکٹ

۵۔ ایسے دیہی علاقے کا پروجیکٹ جہاں اقتصادی ترقی کا کوئی پروگرام نہیں ہے

۶۔ صنعتی ماحول والے شہراتی علاقے کا پروجیکٹ

۷۔ ندی گھاٹی والے علاقے کا پروجیکٹ

۸۔ چائے کے باغات والے علاقے کا پروجیکٹ

۹۔ کوئلے کی کان والے علاقے کا پروجیکٹ

۱۰۔ قبائلی علاقے کا پروجیکٹ

ہندوستان میں خواندگی کی کیفیت (چارٹ)

Registered No. D. 1126

THE MONTHLY TALIM-O-TARAQQI.

March 1965.

ماہنامہ تعلیم و ترقی

جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

- ـــــــ بالغوں کی تعلیم جمہوریت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔
- ـــــــ بالغوں کی تعلیم کے مرکز قائم کیجئے اور جہالت کے خلاف اِس مقدس جہاد میں پڑھے لکھے لوگوں کو شرکت کی دعوت دیجئے۔
- ـــــــ رسالہ تعلیم و ترقی اس نیک مہم میں آپ کا ہر قدم پر ساتھ دے گا۔
- ـــــــ اس کا سالانہ چندہ صرف چار روپے ہے اور اردو اور ہندی میں الگ الگ شائع ہوتا ہے۔
- ـــــــ ہر سال تعلیم بالغان کے ایک نہ ایک موضوع پر اس کا ایک اسپیشل نمبر شائع ہوتا ہے جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔
- اگر آپ مستقل خریدار رہیں گے تو آپ کو یہ ضخیم شمارۂ خصوصی بھی سالانہ چندے ہی میں ملے گا۔

مینجر

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq

Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI.

تعلیم و ترقی

(سوشل ایجوکیشن کا رسالہ)

دار تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

اپریل سنہ ۱۹۶۵ء
جلد ۱۶ ——— شمارہ ۴

بانی: شفیق الرحمن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:-
پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:-
تعلیم و ترقی - جامعہ نگر - نئی دہلی ۲۵

سالانہ چندہ چار روپے   فی پرچہ ۳۷ پیسے

فون ۴۴۴۶۴۷

ترتیب

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے یونین پریس جامع مسجد دہلی ۶ میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

گاؤں سُدھار اور اڈلٹ ایجوکیشن

"جب تک گاؤں کے نوجوانوں اور ان کے لیڈروں کو خواندہ اور تعلیم یافتہ بنانے کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کے ادارے نہ قائم کئے جائیں گے، اس وقت تک گاؤں سُدھار کا کام ناقص اور نامکمل رہے گا۔ اگر ہم مستقل طریقے سے گاؤں سدھار کا کام کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں دیہات میں اڈلٹ ایجوکیشن کے ادارے قائم کرکے وہاں کے نوجوانوں میں گاؤں سُدھار کے کاموں کی تحریک پیدا کرنی ہوگی اور انھیں اس کام کا حوصلہ دلانا ہوگا۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے اداروں کے ذریعہ گاؤں سُدھار کا کام اسی وقت مستقل حیثیت سے کامیاب ہوگا جب کہ گاؤں کے رہنے والے ہی اس کے لیڈر اور اُستاد ہوں باہر سے آئے ہوئے ملازم اسی وقت تک کام کریں گے جب تک کہ وہ تنخواہ پاتے رہیں گے۔ مگر تنخواہ کے علاوہ ایک اور لگن بھی ہوتی ہے (جو مقامی لوگوں کے دلوں میں ہی پیدا ہو سکتی ہے) وہ ہے ہر دلعزیزی اور سماج میں نیک نامی حاصل کرنے کی لگن۔ اگر ہم ہر ایک گاؤں میں لیڈر شپ کی صلاحیت رکھنے والے نوجوان پیدا کر دیں اور اس میں سماجی خدمت کا جذبہ پیدا کر دیں تو ہمارے گاؤں میں اصلاح و ترقی کی گنگا ہمیشہ بہتی رہے گی۔"

اننت باپو جی مانڈے
۱۹۳۸ء

کیا یونیورسٹی میں اڈلٹ ایجوکیشن کا کوئی مقام نہیں؟

ہمارے ملک میں آزادی کے بعد سے جس چیز کو سب سے زیادہ فروغ ہوا ہے وہ تبدیلی کا نظریہ ہے۔ زندگی کے جس گوشے پر کان لگائیے یہی آواز سنائی دے گی کہ "زمانہ بدل چکا ہے اور اگر ہم اس بدلے ہوئے زمانے کا ساتھ نہیں دیں گے تو مٹ جائیں گے"۔ اس نظریے کی تبلیغ میں حکومت ہو یا کوئی غیر سرکاری ادارہ، برسر اقتدار پارٹی یا مخالف پارٹی فرد ہو یا جماعت، سب ہم آواز ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ زمانے کی تبدیلی کا ساتھ دینا ہیئتِ اجتماعی کی صحت و توانائی کی واحد ضمانت ہے اور ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ ہندوستانی قوم نے اس راز کو اگر فکری اعتبار سے نہیں تو عملی اعتبار سے یقیناً سمجھ لیا ہے۔

یہ تبدیلی ہماری ریاستی تنظیم کے بنیادی اصول "جمہوریت" کی دین ہے اور ظاہر ہے کہ کسی ملک کے لئے جس کی تاریخ میں ریاست کی جمہوری تنظیم کا پہلی مرتبہ تجربہ کیا جا رہا ہو، یہ بڑی ہیجان انگیز چیز ہے۔ قومی معیشت کی تنظیم اور اس کے اوپر ٹکنالوجیائی ماحول کا اثر تبدیلی کا فی نفسہ کوئی محرک نہیں ہے بلکہ یہ اسی بنیادی چیز 'جمہوریت' کا نتیجہ ہے، اگرچہ تبدیلی کی رفتار پر اس کا بڑا زبردست اثر پڑتا ہے اس لئے کہ زندگی سے اس کا براہِ راست تعلق ہے۔

فلسفۂ تغیر کی کارفرمائی کا اثر یوں تو زندگی کے ہر شعبے پر دیکھنا چاہیے کہ کس حد تک پڑ رہا ہے اور آیا پڑ بھی رہا ہے یا نہیں تاکہ قومی زندگی کی ترقی کی رفتار معلوم ہوتی رہے، لیکن اتنی طویل و عریض تحلیل و تنقید ہمارا منصب نہیں ہے۔ ہم اس چھوٹے سے مقالے میں یہ دیکھیں گے ——— اور وہ بھی محض طائرانہ نظر سے —— اور ایک محدود دائرۂ عمل میں کہ ہماری یونیورسٹیاں فلسفۂ تغیر کا یہ اثر کس حد تک قبول کر رہی ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب اعلیٰ تعلیم کا تصور جو یونیورسٹی کی تعلیم کی امتیازی خصوصیت ہے، یہ تھا کہ وہ شاہی خاندان یا

دربار شاہی کے متوسلین تک محدود تھی۔ کہتے ہیں کہ جب ارسطو نے اپنی تعلیمات کو عام کرنے کی غرض سے ان کی اشاعت کی تو سکندر نے اسے پھٹکارا اور کہا "آپ نے اپنی زبانی تعلیمات کو کتاب کی شکل میں شائع کر کے اچھا نہیں کیا، اس لئے کہ ہم نے جن باتوں کی خاص طور پر تعلیم پائی ہے، اگر ان کو عام کیا گیا تو ان میں پھر رکھا کیا رہ جائے گا"؟

یونیورسٹی کی تعلیم کا خمیر در اصل اسی طریقۂ فکر سے بنا ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے قدیم ترین اداروں نالندہ، ٹیکسلا، آکسفورڈ وغیرہ سے لے کر سترھویں اٹھارھویں صدی کی یونیورسٹیوں تک کا جائزہ لے جایئے، آپ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ اعلیٰ تعلیم یا تو سماج کے ایک مخصوص مذہبی طبقے (برہمن، کلیسائی پادری وغیرہ) یا پھر بادشا یا جاگیردار اور اس کے دربار کے با اقتدار امرا تک محدود تھی، پروفیسر سائرل ادہا ولے کا بیان ہے کہ "ایک جاگیر دارانہ نظام معاشرت میں بڑی آسانی سے یہ پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ کون سے نوجوان کو یونیورسٹی میں جانا چاہیئے اس لئے کہ یہ نوجوان ان لوگوں کی اولادیں ہوتے ہیں جن کے ہاتھ میں سوسائٹی کی عنانِ اقتدار ہوتی ہے"۔

اٹھارہویں صدی کا آخری دور ملوکیت اور جاگیرداریت کے خلاف انقلاب کا دور رہا ہے۔ زمانے کے اس انقلاب کا اثر یونیورسٹیوں پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اُن کی تعلیم اُن لوگوں کا اجارہ بن گئی ہے جنھوں نے بادشاہوں اور جاگیرداروں کی جگہ لی تھی، چنانچہ انیسویں صدی کے باب میں یہ بات بھروسے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ تعلیم بورژوا طبقے کے لئے مخصوص و محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس بات کا ثبوت برطانیہ میں مزدوروں کی تعلیمی تحریک سے ملتا ہے جس کے نتیجے میں تعلیم کی تاریخ میں غالباً پہلی بار نوجوان مزدوروں کو اڈلٹ ایجوکیشن کے اصول پر اعلیٰ تعلیم کے لئے یونیورسٹیوں میں بار ملا (اس تحریک کی مختصر داستان میرے ایک مضمون میں جو ماہنامہ تعلیم و ترقی کے ستمبر ۱۹۶۳ء کے شمارے میں "یونیورسٹی ایکس ٹنشن" کے زیرِ عنوان شائع ہو چکا ہے، موجود ہے)

یونیورسٹیوں کا یہ دعویٰ کہ وہ قوم اور سماج کے عالی دماغ اور ذہین جوہروں کی تربیت گاہیں ہیں، ممکن ہے ہندوستان اور اسی کی طرح کی دوسری قدیم اقوام کے یہاں صحیح ثابت ہو اس لئے کہ زمانۂ قدیم میں اگرچہ اعلیٰ تعلیم چند مخصوص طبقات تک محدود تھی، تاہم علم سیاست و اقتدار کی الجھنوں اور آلودگیوں سے بلند تھا اور اس حقیقت سے کسی کو انکار بھی نہیں تھا، لیکن بعد کے زمانوں میں جیسا کہ مذکورہ بالا تاریخی جائزے سے مترشح ہوتا ہے، علم اور اعلیٰ تعلیم کے ادارے دونوں سماج کے رائج الوقت اندازِ فکر کے پابند ہو گئے تھے۔

UNIVERSITIES IN ADULT EDUCATION سے (تعارف) یونیسکو

اور تربیت قوم کے عالی دماغ اور ذہین جوہروں سے زیادہ ان لوگوں کی کی جاتی تھی جن کے ہاتھ میں سیاست و اقتدار کی باگ ڈور ہوتی تھی، اور جو تعلیم کے شاہانہ اخراجات کو برداشت کرسکتے تھے۔

یونیورسٹیوں کے طرزِ عمل میں زمانے کی رفتار کے لحاظ سے جو تبدیلی آتی رہی ہے اس کے اعتبار سے دیکھئے تو اب جب کہ سماجی تنظیم کے ہر شعبے پر خواہ وہ سیاسی ہو یا معاشی، تعلیمی ہو یا سماجی جمہوری فکر کا تسلط ہے، یونیورسٹیوں کو اعلیٰ تعلیم کے معاملے میں اپنی سرمایہ دارانہ عہد کی روش یکسر بدل دینی چاہیئے۔ پروفیسر سائرل اور ہارلے کا بیان ہے کہ

> "...... لیکن ایک جمہوری معاشرت میں جہاں آئیڈیل یہ ہو کہ ہر شخص کو اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ترقی کی بلندیوں پر پہنچنے کا حق ہے، یونیورسٹی کے داخلے کے لئے امیرزادگی کا معیار ترک کرکے استحقاق کی جانچ کی دوسری شکلیں اختیار کی جانی چاہئیں اور جس کسی میں یونیورسٹی سے فیضیاب ہونے کی صلاحیت موجود ہو، اُسے داخلے کا یقیناً حق ملنا چاہیئے۔"[۵]

اور یورپ، امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں یونیورسٹیوں نے اپنی روش بدل بھی دی ہے خصوصاً برطانیہ کی یونیورسٹیوں نے زمانے کے جمہوری رجحان کو بہت پہلے ——— اب سے کم و بیش ڈیڑھ سو سال پہلے پہچان لیا تھا اور صنعتی مزدوروں کے لئے جو اعلیٰ تعلیم کے معاملے میں جمہوری طرزِ عمل اختیار کرنے کے مطالبے میں سب سے پیش پیش تھے، یونیورسٹی کی تعلیم کی آسانیاں فراہم کرنی شروع کردی تھیں۔ پھر کچھ آگے چل کر یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیاں بھی برطانیہ کی تقلید میں اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن کے اصول پر عوام کے لئے اعلیٰ تعلیم کی آسانیاں بہم پہنچانے لگیں۔

ہندوستانی یونیورسٹیاں

لیکن ہندوستان اور غالباً ایشیا اور افریقہ کے نو آزاد ملکوں کی یونیورسٹیاں بھی اب تک بدستور اُسی پُرانی ڈگر پر چلی جا رہی ہیں جو سرمایہ دارانہ اور سامراج وادی نظامِ معیشت کی یادگار ہے۔ اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دیواریں کسی ایسے مسالہ کی بنی ہیں کہ ان کے اوپر آب و ہوا کی تبدیلی کا سرے سے کوئی اثر ہی نہیں ہوتا، حالانکہ کوئی یونیورسٹی خصوصاً ایسے ملکوں کی یونیورسٹی جو ترقی و تعمیر کی منزل سے گذر رہے ہوں، اپنے عہد کے سماجی تقاضوں سے بےخبر ہو کر اپنے آپ کو علم کی بند خانقاہ نہیں بنا سکتی۔ قاعدہ ہے کہ جب کچھ سیکھ لیتے ہیں تو انہیں اور زیادہ سیکھنے کی

[۵] UNIVERSIETES IN ADULT EDUCATIO (تعارف) یونیسکو

خواہش ہوتی ہے۔ لازمی ابتدائی تعلیم کا رواج، ثانوی تعلیم میں آئے دن کا اضافہ، جونیر کالجوں میں طلبا کا ہجوم، یہ وہ عناصر ہیں جو ایک رسمی تعلیم بالغان کی ضرورت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ان اداروں سے نکلے ہوئے طلبا زندگی میں داخل ہونے کے بعد قدرتی طور پر اپنے وسائل کو بڑھانا چاہیں گے اور چونکہ یہ ضرورت زیادہ تر تعلیم کے ترقی یافتہ معیار کے ذریعے ہی پوری ہوگی اس لئے اُن کا رُخ اونچی تعلیم کے اداروں (یونیورسٹیوں) کی طرف ہوگا اور بدلے ہوئے حالات کا تقاضا ہے کہ یونیورسٹیاں اُن کی طرف سے مُنہ نہیں پھیر سکیں گی اور نہ انھیں ایسا کرنا ہی چاہیے۔

ایک ممکن عذر

کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں ابھی نہ وہ تعلیمی فضا ہے اور نہ وہ ماحول جس میں اپنی ترقی و اصلاح کے لئے لوگ تعلیم کو وسیلہ قرار دیں اور اس کے لئے حکومت اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں سے آسانیاں فراہم کرنے کا مطالبہ کریں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عذر ایک حد تک بجا ہے خصوصاً برطانیہ کے مزدوروں کی تعلیمی تحریک کو پیشِ نظر رکھیے تو اس عذر میں بظاہر بڑا وزن محسوس ہوگا۔ لیکن غور کیجئے تو اس کی بنیاد کارل مارکس کے جدلیاتی طرزِ استدلال (D:ALECTICAL INTERPRETATION) پر ہے۔ اور اگر اسی کو ابدی قانون تسلیم کر لیا جائے تو یا تو روس کا اشتراکی انقلاب انسانی کوششوں کے بجائے آسمانی قوتوں کا نتیجہ قرار پائے گا یا امریکہ، برطانیہ اور اسی طرح کے دوسرے غیر اشتراکی سماجوں میں مزدوروں کی خوشحالی کے پیشِ نظر مارکس کے اس استدلال کی ابدیت ختم ہو جائے گی۔ تہذیب انسانی کے ارتقا کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ایک مقام پر کوئی انقلابی اقدام کامیاب ہوتا ہے تو دوسرے مقامات خود بخود بغیر کسی انقلابی شور و شغب کے اپنے آپ کو اُسی سانچے میں ڈھال لیتے ہیں، سانچے کا نام اور پیمانہ خواہ دوسری نوعیت ہی کا کیوں نہ ہو۔

اسی طرح اگر اسی جدلیاتی طرزِ فکر کو عمل کا معیار قرار دے لیا جائے تو ملک کی ترقی پذیر معیشت میں آج جو جو تبدیلیاں نظر آ رہی ہیں، جو جو منصوبے آئے دن بنتے اور عمل پذیر ہوتے رہتے ہیں، ان کے متعلق کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ملک کے عوام ان تبدیلیوں اور ترقی کے منصوبوں کے لئے بے تاب تھے؟ خود ہماری سیاسی تنظیم جو جمہوریت کے اصول پر مبنی ہے، اس جدلیاتی طرزِ فکر کے خلاف پڑتی ہے اس لئے کہ کوئی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے؟ کہ اگر ریاست کی تنظیم جمہوری اصول پر نہ کی گئی ہوتی تو اہلِ ملک انقلاب برپا کر دیتے؟ اس باب میں بعض اہلِ فکر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ملک کے مزاج کے اعتبار سے دیکھئے تو جمہوری اصول اور ان کے مطابق ریاست کی تنظیم قوم کے لئے مضر ثابت ہو رہی ہے۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی اسکیم کے ماتحت جتنے کام ہو رہے ہیں ـــــ کھیتی کے نئے اور سائنٹفک طریقے، صحت و صفائی

کے جدید اصول اور نہ جانے کیا کیا کچھ۔۔۔ ان کے باب میں ہمارے عوام کا جو طرزِ عمل رہا ہے اور اب تک ہے، اس کا ماتم قومی پیمانے پر کیا جا رہا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ملک کے عوام میں ان پروگراموں کی ضرورت کا احساس نہیں ہے اور نہ ان کے لئے ان کی طرف سے کوئی پُرشور مطالبہ ہوا ہے لیکن اس کے باوجود کمیونٹی ڈیویلپمنٹ کے بلاکوں کا تمام ملک میں جال بچھتا جا رہا ہے۔ عوام کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے اگر یونیورسٹیوں کے مذکورہ بالا عذر کو عمل کا معیار تسلیم کیا جائے تو کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی اسکیم کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

پھر دور کیوں جائیے، یورپ اور امریکہ کے دوسرے ممالک میں یونیورسٹیوں نے بالغوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کی جو آسانیاں فراہم کیں تو کیا ان ملکوں میں بھی اسی طرح صنعتی مزدوروں یا عوام کے دوسرے طبقات کی طرف سے تحریک چلائی گئی تھی یا عوام کی اعلیٰ تعلیم کے مطالبے پیش کئے گئے تھے؟

بالغوں کی تعلیم یونیورسٹی میں کیوں ہو؟

پروفیسر ہاؤلے نے بالغ طالب علم کو یونیورسٹی کی تعلیم میں شریک کرنے کے لئے موٹے طور پر پانچ دلیلیں قائم کی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ جدید تحقیق نے ایک قدیم عقیدے کو صحیح ثابت کر دیا ہے کہ علم کے چند میدان ایسے ہیں جنھیں پکی عمر کے طلبا نوجوانوں کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے حاصل کرتے ہیں۔ اور چند مخصوص علوم تو بلاشبہہ ایسے ہیں جن سے ارسطو کے بقول سوائے بالغوں کے نوجوان طلبا تو مستفید ہو ہی نہیں سکتے۔ دنیا میں ہر جگہ یونیورسٹیوں کو خود اس حقیقت کا تجربہ ہو چکا ہے۔ ۱۹۴۵ء کے بعد یونیورسٹیوں میں فوجی نوجوانوں کے ہجوم نے پوری علمی جماعت میں ایک تازگی اور جان پیدا کر دی اس لئے کہ انھوں نے یونیورسٹی کی تعلیم کے معمول کو بدل دیا تھا اور طالب علم ہونے سے پہلے بالغ ہو گئے تھے۔

۲۔ چونکہ اعلیٰ تعلیم یونیورسٹی کا منصب ہے اس لئے اس سے پہلے کی تعلیم کی منزل سے گذر کر جب طالب علم زندگی کی منزل میں قدم رکھتا ہے اور اپنی مخصوص صلاحیتوں کو بڑھانا چاہتا ہے، اس کو یونیورسٹی کے علاوہ اور کہیں سے امداد ملنے کی امید نہیں ہو سکتی۔

۳۔ یونیورسٹی کا کل وقتی طالب علم جو بنیادی اوصاف اور اقدار حاصل کرتا ہے انھیں قائم رکھنے اور ان میں اضافہ کرتے رہنے کی عمر بھر ضرورت باقی رہتی ہے۔

۴۔ جن لوگوں کی اعلیٰ تعلیم کی ضرورتیں حالات کی مجبوری کی وجہ سے تشنۂ تکمیل رہ گئی ہیں، یا جنھیں اپنی تعلیمی ضروریات کا احساس آگے چل کر پیدا ہوا، ان کی اس محرومی اور تشنگی کی تسکین کرنے کا مسئلہ ہمیشہ اور ہر جگہ باقی رہے گا۔

۵۔ چونکہ یونیورسٹی کا تعلق علم اور اُسے نسلاً بعد نسل منتقل کرنے کے کام سے ہے اس لئے اس میں خود اس کے اپنے پیشے کا مفاد ہے اس لئے اسے چاہیئے کہ تعلیم کے اوپر اگلی نسل میں جو زبردست مطالبہ آنے والا ہے یعنی بالغوں کو پڑھانے کا مطالبہ اس کے تجربے کا سلسلہ ابھی سے شروع کر دے۔

ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ جن حالات و حقائق پر ان دلائل کی بنیاد ہے وہ سب کے سب ہمارے حالات پر صادق آتے ہیں۔

ہمارے ملک میں ہزاروں ہونہار نوجوان ایسے ملیں گے جنھیں قدرت نے ذہانت اور عالی دماغی کی دولت سے مالا مال کر کے بھیجا ہے مگر حالات سے مجبور ہو کر وہ ابتدائی یا زیادہ سے زیادہ ثانوی منزل کی تعلیم سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں اور معاش کی مجبوریوں کی وجہ سے ایسے کام کر رہے ہیں جو نہ اُن کے لئے موزوں ہیں، اور نہ وہ ان کاموں کے لئے موزوں ہیں، ان میں سے کوئی اچھا اُستاد بن سکتا ہے، مگر معلّمی کی سند کے حصول میں معذور ہے ـــــــ اس لئے کہ معلّمی کے لئے گریجویٹ ہونا اور اس کے بعد ٹرینیڈ ہونا ضروری ہے، اور یہ دونوں امکانات اس کے لئے بعید ہیں۔ اس لئے کسی دفتر میں کسی معمولی کام پر مامور ہے۔ کوئی اچھا انجینیر بن سکتا ہے، کوئی مصنف بن سکتا ہے، کوئی آرٹسٹ بن سکتا ہے مگر اعلیٰ تعلیم کے مواقع نہیں ہیں اس لئے اپنی فطری صلاحیتوں کو مٹتے دیکھتا ہے اور مسوس کر رہ جاتا ہے۔

جدید دور مہارتِ خصوصی کا دور ہے اور زمانے کی اس خصوصیت کا رنگ ہندوستان پر بھی چڑھ چکا ہے اور چڑھتا جا رہا ہے۔ ایک سائنس داں سائنس کی دنیا میں آسمانوں تک کو چھان سکتا ہے مگر ادب و تہذیب کے حلقوں میں ایک ان پڑھ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ایک انجینیر دنیا میں سب سے بڑا ڈیم بنا سکتا ہے مگر اُسے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہمایوں اکبر کا باپ تھا یا بیٹا۔ یہ اور اسی طرح کے ان گنت واقعات گنائے جا سکتے ہیں۔ جنرل ایجوکیشن کے نصاب یونیورسٹیوں میں اسی تکلیف دہ صورتِ حال سے طلبا کو بچانے کے لئے نافذ کئے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں جنرل ایجوکیشن کی کامیابی کی کیا کیفیت ہے، یہ ہم سے زیادہ یونیورسٹیوں کے علما خود جانتے ہیں۔ یہ ضرورت یونیورسٹیوں میں لبرل آرٹ کے مختلف نصاب ملا کر جتنی خوبی سے پوری ہو سکتی ہے۔ اتنی گریجویٹ اور انڈر گریجوایٹ سطح پر طلبا کے لئے جنرل ایجوکیشن کے نصاب نافذ کر کے نہیں ہو سکتی۔ برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں

جہاں تک مجھے علم ہے، جنرل ایجوکیشن کی طرح کا کوئی نصاب نافذ نہیں ہے۔ پھر بھی وہاں کے لوگ اپنے ماہرانہ حلقۂ علم کے آگے بھی زندگی سے متعلق دوسرے انسانی علوم سے واقف ہوتے ہیں۔ یہ فیض ہے وہاں کی یونیورسٹیوں کے ایکسٹرا میورل شعبوں کا۔

بیسویں صدی کے اس دور میں علم اور فن کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ ایک مضمون میں اایک طالب علم اعلیٰ ترین ڈگری لے کر نکلتا ہے مگر سال دو سال کے بعد دیکھتا ہے کہ اُسی مضمون میں بالکل کورا ہو کر رہ گیا ہے۔ جو اصول اور نظریات آج رائج ہیں، ضروری نہیں کہ وہ کل اسی طرح صحیح ثابت ہوں گے۔ ہمارے ملک کو اگر ترقی کی راہ پر اور وہ بھی اس تکنالوجیاتی ماحول میں، ترقی کی راہ پر چلنا ہے تو ہمارے ماہرین خصوصی کے لئے وقتاً فوقتاً ریفریشر کورس منعقد کرنا ضروری ہوگا اور ظاہر ہے اس طرح کے کورس اعلیٰ تعلیم کے ادارے (یونیورسٹیاں اور پوسٹ گریجوایٹ ڈگری کالج) ہی منعقد کر سکتے ہیں

ہماری یونیورسٹیوں میں بالغوں کی تعلیم کی ضرورت کی یہ بس چند تشریحیں ہیں۔ اس ضرورت کا جواز ثابت کرنے کے لئے ایسی ان گنت مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایکسٹرا میورل ڈپارٹمنٹ کے صدر فرینک ڈبلیو جیب نے برطانیہ کے باب میں کہا ہے کہ

> "برطانیہ میں سماجی حالات بدل چکے ہیں، بدل رہے ہیں اور آئندہ بدلتے رہیں گے۔ ہمیں جس بات پر ہمہ وقت غور کرتے رہنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ یونیورسٹیاں بدلتے ہوئے سماجی حالات کے حسبِ منشا اپنے منصب کو زیادہ سے زیادہ موثر طریقے پر کس طرح انجام دے سکتی ہیں؟"

کیا ہمارے سماجی حالات نہیں بدل گئے ہیں؟ اور کیا ہماری یونیورسٹیوں کو اپنے آپ کو ان بدلے ہوئے حالات سے ہم آہنگ کرنے کی ذمّے داری کا احساس ہے؟ کیا اُن کے یہاں بالغوں کی تعلیم کا کوئی مقام نہیں ہے؟ یہ ہیں چند سوالات جن پر یونیورسٹیوں کو جن کے اوپر قومی سرمائے کا خاصا بڑا حصّہ صرف ہوتا ہے، سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

خواندگی ـــــ اقتصادی ترقی کی پہلی شرط

میرے نزدیک یہ بہت قابلِ افسوس بات ہے کہ آزادی کے سترہ سال گذر جانے کے بعد بھی ہم ناخواندگی کی کمر توڑنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اب بھی ہم اس مسئلے کی طرف سے بالکل بے پرواہ سے دکھائی دے رہے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۵۱ء میں ناخواندگی کا اوسط ۱۶ فی صدی تھا جو ۱۹۶۱ء میں بڑھ کر ۲۴ فی صدی ہو گیا۔ مگر ملک کی آبادی میں اس سے بھی تیز رفتار کے ساتھ اضافہ ہوا ہے، اس لئے ناخواندوں کی مجموعی تعداد بجائے گھٹنے کے اور بڑھ گئی ہے۔ ۱۳ سال سے اس ملک میں منصوبہ بند ترقی کا کام ہو رہا ہے مگر اس کے باوجود اس وقت ۱۳ سال پہلے کے مقابلے میں ناخواندہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ میں اس صورتِ حال کی طرف اکثر اشارہ کرتا رہا ہوں اور اس کے خلاف احتجاج بھی کرتا رہا ہوں۔ مگر یہ سمجھنا بھول ہوگی کہ ہم اس کی طرف سے اب سے پہلے غافل رہے ہیں اور ہمارے سامنے اس کام کا کوئی یقینی نشانہ موجود نہیں تھا۔

۱۹۴۸ء میں وزارتِ تعلیم کے مرکزی صلاح کار بورڈ نے ایک کمیٹی مقرر کی تھی، جس کے صدر شری موہن لال سکسینہ تھے۔ اس کمیٹی نے بہت واضح الفاظ میں یہ بیان کیا تھا کہ پہلے پنج سالہ منصوبے کی مدت میں ۵۰ فی صدی ناخواندگی کا خاتمہ کر دیا جانا چاہیئے۔ مگر دو پنج سالہ یوجنائیں پوری ہو چکی ہیں اور ہم اس نشانے کے آس پاس بھی کہیں نظر نہیں آتے۔

میرا خیال ہے کہ اس ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ رہی ہے کہ ہم نے ناخواندگی کے مقابلے میں سوشل ایجوکیشن کی اصطلاح کے پیشِ نظر کام کا ایک وسیع تر مفہوم اپنے سامنے رکھا اور اس کے لئے کوشش کرتے رہے۔ اس ملک کی بدحالی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جہاں تک اصول و نظریات کا تعلق ہے ہم بہت اونچی اڑان اڑتے ہیں اور اس

بات پر غور نہیں کرتے کہ ہم میں ان پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کی سکت بھی ہے یا نہیں۔ وہ ملک جہاں آبادی کی ایک بھاری اکثریت ناخواندہ ہو وہاں اقتصادی ترقی کا پھل یہ نہیں نکلے گا کہ مادّی ترقی کے دوسرے کاموں میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ بالغوں کا خواندہ ہونا بڑے پیمانے پر اقتصادی ترقی کی پہلی شرط ہے۔

ہم اس تمام مدت میں ہندوستان کی زرعی بدحالی کا رونا روتے رہے ہیں کہ اس کی ترقّی کی رفتار بہت رکی رکی سی ہے۔ پورے ملک کو اس کی طرف سے فکر دامنگیر ہے۔ ہم اس سلسلے میں کہتے رہے ہیں کہ ہمیں بڑی مقدار میں سبز کھاد کی ضرورت ہے۔ اچھے بیج اور فرٹیلائیزر کی ضرورت ہے اور آب پاشی کی بہتر سہولتیں درکار ہیں وغیرہ۔ یہ سب سہولتیں مہیا ضرور ہونی چاہئیں اور زراعت میں ہمیں زیادہ سے زیادہ لاگت بھی لگانی چاہیئے۔ یہ سب باتیں لوگ کہتے رہے ہیں مگر ہم نے کسی کو یہ نہیں کہتے سنا کہ زراعتی پیداوار کو بڑھانے کے لئے کسانوں کو خواندہ بنانا ضروری ہے کسانوں میں خواندگی کو پھیلائے بغیر زراعتی ترقی کا کوئی پروگرام بڑے پیمانے پر نہیں چلایا جا سکتا ہے۔ گرام سیوک کو اپنے کاموں میں اس وقت تک کامیابی نہیں مل سکتی ہے جب تک کہ وہ لوگ جن سے کہ ان کا ہر وقت سابقہ پڑتا رہتا ہے پڑھے لکھے نہ ہوں۔

ایک آدمی کے اندر یہ احساس پیدا کرنا چاہیئے کہ اگر اسے انسانوں کی صف میں اپنا شمار بھی کرانا ہے تو اسے اپنے آپ کو اس قابل بنانا چاہیئے کہ وہ خود سے پڑھ اور لکھ سکے۔ وہ لوگ جن سے ہم یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ پیداوار کو بڑھائیں گے، وہ آج اس حیثیت میں نہیں ہیں کہ وہ زراعتی پیداوار کو بڑھانے کے سلسلے میں خود کچھ سیکھ سکیں یا آپس میں تبادلۂ خیال کر سکیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب خواندگی کو بھی ان کے لئے ایک ضروری آلۂ کار کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔

دوسرے میدان میں آیئے۔ ہم لوگ پنجسالہ یوجناؤں کے شروع دن سے ہی فیملی پلاننگ کی بات کرتے آرہے ہیں، مگر خواندگی کے بغیر یہ کام بڑے پیمانے پر ہو کیسے سکتا ہے؟ ہمیں لوگوں کو ان باتوں کی طرف توجہ دلانی ہے اور ان کے اندر اس سلسلے میں تحریک پیدا کرنی ہے جو خواندگی کے بغیر ناممکنات کی حد تک مشکل ہے۔ فیملی پلاننگ میں انفرادی طریق کار ہی اختیار کیا جا سکتا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ افراد کی اس سلسلے میں ایک قطعی رائے ہو۔ اس طرح کے صریحی پروگرام کی طرف لوگ کیسے رجوع ہو سکتے ہیں جب تک کہ ان کے پاس وہ حربہ نہ موجود ہو جس سے وہ جہالت کے تاریک پردے کو کاٹ کر علم کی دنیا میں قدم رکھ سکیں۔

فیملی پلاننگ میں صرف سوال مانع حمل ادویات کی تقسیم کا نہیں ہے۔ کیا فیملی پلاننگ کا کام یہیں تک محدود

ہے؟۔ مگر لوگوں میں وہ اخلاقی اور سماجی اداب و اطوار کی پاکیزگی کیسے قائم کی جائے گی جب تک لوگوں کو تعلیم یافتہ بنایا گیا ہو۔ پھر ہم اس ملک میں کوآپریٹیو تحریک کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں اور سماج میں سرکاری اور نجی اداروں کے درمیان ایک کوآپریٹیو نظام بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا ہم ناخواندہ ممبروں کو لے کر ایسا کوآپریٹیو سماج تعمیر کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ جو ہمہ گیر پیمانے پر خواندگی کی توسیع و اشاعت کے بغیر کوآپریٹیو تحریک کو بڑھاوا دینا چاہتے ہیں وہ اس مسئلے کو غلط انداز سے دیکھ رہے ہیں۔

ایک کسان اپنی لاگت اور پیداوار کے تناسب کو سمجھ ہی کیسے سکتا ہے جب تک کہ اُسے یہ نہ معلوم ہو کہ اس سے اس کے منافع کا کیا تعلق ہے۔ ہم لوگوں کے اندر سماجی احساس پیدا کرنے کے لئے کیا کرتے ہیں؟ لیکچر بازی سے لوگوں میں کبھی سماجی احساس نہیں پیدا کیا جاسکتا ہے اور نہ انھیں سماجی اعتبار سے بھرپور زندگی گذارنے کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔ یہ کام سیدھے طریقے سے نہ کرکے بالواسطہ طریقے پر کیا جاسکتا ہے۔ جب لوگ دنیا کے بڑے آدمیوں کے بارے میں اور ان کے بڑے بڑے کارناموں کے بارے میں پڑھتے ہیں، تو ان کے اندر خود بخود یہ احساس پیدا ہوتا ہے۔

جب ہم زراعتی پیداوار کی بات کرتے ہیں کوآپریٹیو پروگرام کی بات کرتے ہیں یا سماجی ترقی اور خوشحالی کی بات کرتے ہیں تو ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم یہ سارے پروگرام آبادی کو ناخواندہ رکھ کر پورا نہیں کر سکتے ہیں۔ یہی وہ خاص منصوبہ ہے، جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہوں گا۔ اس حیثیت سے کہ یہ منصوبہ سماجی اور اقتصادی ترقی کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

خواندگی

خواندگی تعلیم نہیں ہے وہ تعلیم کا محض ایک ذریعہ اور ایک آلۂ کار ہے۔ خواندگی سے تعلیم میں مدد ملتی ہے لیکن وہ بذاتِ خود تعلیم نہیں ہے۔ یہ تعلیم کی پہلی شرط ہے۔ اگر یہ شرط پوری کردی جائے تو پھر یہ سوچنا ہوگا کہ ہم کس طرح کی تعلیم دینا چاہتے ہیں جب ہم اڈلٹ ایجوکیشن کی بات کرتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں جنھیں اونچی تعلیم نہیں ملی ہوتی ہے۔

جس طرح کی تعلیم ہم دیتے ہیں اس میں عوامی نشر و اشاعت کے ہر طرح کے سامان کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سب سے اونچا مقام میں لکھے ہوئے الفاظ کو دوں گا۔ دوسرے لفظوں میں کتابوں، کتابچوں اور رسائل و اخبار کو جن کی تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ اس ملک میں خواندہ آدمیوں کی تعداد ساڑھے دس کروڑ ہے۔ اگر ہم یہ دیکھیں کہ

ان ساڑھے دس کروڑ آدمیوں میں کس قدر کتابوں اور دوسرے تعلیمی سامانوں کا استعمال ہو رہا ہے تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ یہ ملک اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں ابھی کس قدر پیچھے ہے۔

ہندوستانی زبانوں میں جو کتابیں موجود ہیں وہ بیشتر قصے کہانیوں اور ناولوں کی شکل میں ہیں اور تعداد میں وہ بھی کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ اقتصادیات، سیاسیات، فلسفہ، سوشیالاجی، سائنس اور ٹیکنالاجی پر ہندوستانی زبانوں میں کتابیں عنقا ہیں۔ اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام میں ہمیں تمام ممکن ذرائع سے تعلیمی سامان فراہم کرنے چاہئیں اور اس سلسلے میں ہندوستانی زبانوں میں کتب و رسائل کی صنعت کو فروغ دینے کی بات بھی سوچنی ہوگی۔

تحریر کے بعد تقریر کا نمبر آتا ہے، یعنی بولے ہوئے لفظوں کا۔ ہمارے یہاں ریڈیو پر کسانوں اور دیہاتی بھائیوں کے پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ مگر ان پروگراموں میں ہم اُن لوگوں کے سامنے کوئی ایسی چیز نہیں پیش کرتے ہیں جو ماضی یا مستقبل سے ان کا رشتہ جوڑ دے۔ ہم ان پروگراموں میں جو چیزیں شامل کرتے ہیں اس میں بیشتر موسیقی اور گانے اور کچھ ہلکے پھلکے ڈرامے وغیرہ ہوتے ہیں۔ پروگراموں کو دلچسپ بنانے کے لئے ہمیں اس طرح کے کچھ پروگرام ضرور رکھنے چاہئیں مگر تعلیم کے ایک وسیلے کی حیثیت سے ان پروگراموں میں بہت سوجھ بوجھ سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس طرح کے پروگرام کا مرکزی خیال ایسا ہونا چاہیے جو اس ملک کی روایات اور وقار و عظمت سے میل کھاتا ہو۔

ہندوستان ایک قدیم ملک ہے۔ اس کی اپنی روایات اور خیالات ہیں، اس کا اپنا ادب ہے جو صدہا سال پرانا ہے بدقسمتی سے ہم جس قدر انگریزی رنگ میں رنگتے گئے اسی قدر ماضی سے بے تعلق ہوتے گئے۔ کم پڑھے یا بے پڑھے بالغوں کے لئے جو ریڈیو پروگرام نشر کئے جائیں ان میں ان باتوں کا خاص طور سے لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ پھر فلموں کو لیجئے۔ فلم عوام کو باخبر بنانے کا بہترین اور دلچسپ ذریعہ ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ تعلیمی مقصد سے بنائی گئی فلمیں ہمارے کسی بھی سینما تھیٹر میں اس وقت دکھائی جاتی ہیں، سوائے ان معلوماتی یا ڈاکومنٹری فلموں کے جو حکومتِ ہند کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔

مجھے نہیں معلوم کہ ریاستی حکومتیں بھی اس طرح کی ڈاکومنٹری فلمیں بنا رہی ہیں یا نہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے لئے فلموں کے استعمال کے بہت روشن امکانات موجود ہیں۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ان کی تیاری کا ایک واضح مقصد ہو اور موجودہ فلموں کے مقابلے میں ان کی تیاری میں زیادہ سوجھ بوجھ دکھائی گئی ہو۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں یہی کہوں گا کہ ریڈیو کے مقابلے میں فلموں کی اہمیت زیادہ ہے مگر کتابوں اور کتابچوں سے کم۔

سماجی ترقی کے بغیر اقتصادی ترقی ممکن ہی نہیں ہے جب کہ سماجی ترقی سے اقتصادی ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔ اقتصادی ترقی سماجی ترقی کا ہی ایک پہلو ہے۔ تعلیم کے اوپر اس سلسلے میں سب سے زیادہ ذمہ داری ہے اسے دقیانوسی خیالات و توہمات

لوگوں کے دل ودماغ کو پاک کرنا ہے اور قدیم روایات کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے لوگوں کو تیار کرنا ہے۔

اب تک ہماری توجہ کا مرکز اقتصادی ترقی اور اس ترقی کی رفتار رہا ہے۔ ہم قومی آمدنی میں ۸ اور ۹ فی صدی اضافے کی بات کرتے رہے ہیں۔ ہم لاگت اور پیداوار کے آپسی تعلق کا چرچا کرتے آئے ہیں۔ مگر ان سب باتوں سے زیادہ اہم انسان کے کردار کی نشوونما ہے، جس کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے۔ اس لئے میں کہوں گا کہ اڈلٹ ایجوکیشن میں زندگی کے سماجی پہلو پر خاص طور سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ ناخواندگی کا مسئلہ بجٹ میں چند کروڑ روپیوں کی فراہمی سے حل کیا جا سکے گا۔ اس میں شک نہیں کہ اس سلسلے میں کتابوں اور دوسری چیزوں اور ضروری سازوسامان کی فراہمی کی ضرورت ہے مگر اس سے بھی زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ پورا ملک ناخواندگی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو۔ یعنی یہ ہمارا قومی مزاج بن جائے۔ میں ۱۹۸۱ء تک ملک سے سو فی صدی ناخواندگی کے خاتمے کے منصوبے سے مطمئن نہیں ہوں۔ میں اس سے بھی بہت کم مدت میں ملک سے اس لعنت کو دور کرنے کے حق میں ہوں۔

اگر ملک سے ناخواندگی کو ختم کرنا ہے تو ہمیں اس کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کی گھسی پٹی ڈگر سے ہٹ کر نئے راستے اختیار کرنے ہوں گے اور اس کے لئے روپیوں کی فراہمی سے زیادہ رضاکارانہ طور پر خدمت انجام دینے والے لاکھوں آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ ایسے آدمیوں کی جو پڑھے لکھے ہوں اور اپنے پاس پڑوس کے لوگوں کو علم کی دولت سے مالا مال کر سکتے ہوں۔

ناخواندگی ایک طرح کی ذہنی غلامی ہے اور وہ جسمانی غلامی سے بھی بری چیز ہے۔ اگر ہم اس ذہنی غلامی سے لوگوں کو چھٹکارا دلانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر ہم اقتصادی غلامی سے بھی اپنے آپ کو آزاد کر سکتے ہیں۔

— ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ
ممبر پلاننگ کمیشن

سوشل ایجوکیشن آرگنائزر

ہم نے فروری ۱۹۶۵ء کے شمارے میں اشارہ کیا تھا کہ ہمارے اخبارات اور سوشل ایجوکیشن کی طرف سے کافی بے توجہی دکھا رہے ہیں، جو ہندوستان جیسے ترقی پذیر ملک کے لئے صحت مند علامت نہیں ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ معاصر اسٹیٹسمین نے سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کی زبوں حالی پر اپنے زراعتی نامہ نگار کی قلم سے ۱۹ اپریل ۱۹۶۵ء کے شمارے میں ایک خصوصی مضمون شائع کیا ہے ہم معاصر اسٹیٹسمین کے شکریے کے ساتھ مضمون کا ترجمہ شریک اشاعت کر رہے ہیں

— ایڈیٹر

سوشل ایجوکیشن کی اصطلاح یوں تو کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کے شروع ہونے سے پہلے رائج ہو چکی تھی مگر دیہی علاقوں کے کاموں سے تعلق رکھنے والے کارکنوں اور افسروں کے سامنے ۱۹۵۲ء سے پہلے شاید ہی اس کا مفہوم صاف رہا ہو۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ماتحت سوشل ایجوکیشن پروگرام میں خواندگی کی کلاسوں، کمیونٹی سنٹروں، کتب خانوں اور نوجوانوں اور عورتوں کے کلب کے قیام پر خاص طور پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کام کے لئے کمیونٹی ڈیولپمنٹ بلاکوں میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر اور دوسرے افسروں کا تقرر کیا گیا تاکہ وہ ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ڈیولپمنٹ بلاک کے توسط سے ان سرگرمیوں کو منظم کر سکیں۔ اس کے بعد سے سوشل ایجوکیشن کے مفہوم میں کافی وسعت پیدا ہوئی ہے۔

اس طرح کے پروگرام کا ایک عام مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ وہ کسانوں کو تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لئے تیار کرے۔ اس سلسلے میں مختلف تدبیروں پر زور دیا گیا ہے کہ کسانوں میں اپنی ترقی آپ کرنے کا حوصلہ پیدا

کیا جائے۔ انھیں ہنرمندی سے کام کرنے کے طریقے سکھائے جائیں اور کسانوں کی اس بات میں مدد کی جائے کہ وہ اپنے وسائل کا بہتر سے بہتر استعمال کرنا سیکھ جائیں۔ مگر سوشل ایجوکیشن آرگنائزر پر اس وقت مختلف قسم کی ذمہ داریاں ہیں۔ اس سے سوشل ایجوکیشن کے کام اور اس کے مقصد کی طرف سے ایک ابہام کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کے مخصوص کاموں کی طرف سے بھی ایک غیر یقینی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔

سوشل ایجوکیشن کے کسی بھی پروگرام کی کامیابی کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن ضروری ہے۔ لیکن اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کامیاب اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس کی منصوبہ بندی اور عمل درآمد کا کام تمام حقائق کو مدنظر رکھ کر کیا جائے۔

گاؤں کے بڑے بوڑھے یہ بات بری طرح محسوس کرتے ہیں کہ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے ہیں۔ ان لوگوں کی تعلیم کا کام بہت سوجھ بوجھ اور ہوشیاری سے کرنے کی ضرورت ہے اس طرح کا پروگرام ہر گاؤں کی ضرورت کے مطابق تیار کیا جانا چاہیئے، جو ہر فرد کی تعلیمی ضرورت کو ان کی اہلیت اور سوجھ بوجھ کے مطابق پورا کرنے میں کامیاب ہو۔

اب تک سوشل ایجوکیشن کا پروگرام بہت چھوٹے پیمانے پر ہوتا رہا ہے، جو بیشتر خواندگی اور تفریحی پروگراموں تک محدود رہا ہے۔ بہت سے علاقوں میں گاؤں کے لوگ خواندگی کے ان پروگراموں میں اس لئے دلچسپی نہیں لیتے رہے کہ ان کی روزمرہ کی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان پروگراموں کے ذریعے جو کچھ تھوڑے بہت لوگ ایک دوسرے کے قریب آئے ہیں ان کو بھی کسی سوچے سمجھے پروگرام کے ماتحت کسی تعمیری کام میں نہیں لگایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سوشل ایجوکیشن کے مختلف پروگراموں کے درمیان ربط قائم رکھنے کی ضرورت آج بھی اسی طرح بنی ہوئی ہے۔

دیہی سماج جوں جوں ترقی کرتا جارہا ہے، اس میں نت نئی پیچیدگیاں بھی آتی جارہی ہیں۔ اس بات نے سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں کو بہت اثرانداز کیا ہے مگر ان میں سے بہت سی باتوں پر توجہ نہیں دی جاسکی ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو عوام سے رابطہ قائم کرنے کی جو ٹریننگ دی جاتی ہے وہ بہت ناقص ہے۔ گاؤں والوں کو وہ ٹھیک سے سمجھ نہیں پاتے ہیں۔ اکثر انھیں فیلڈ کے کاموں کا تجربہ نہیں ہوتا۔ شہری ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے وہ گاؤں کے مسائل کو اچھی طرح نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

بلاک ڈیولپمنٹ افسر کی طرف سے ان کی بہت ہی کم حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ گاؤں والوں کے سیاسی جھگڑے ٹنٹے اور ذات پات کی دھڑے بندیاں اس کے کاموں کو اور مشکل بنا دیتی ہیں۔ ان علاقوں میں جہاں گاؤں میں ترقی پسند لیڈر شپ موجود ہے جس کے نتیجے کے طور پر سوشل ایجوکیشن آرگنائزر اور بلاک کے دوسرے افسروں اور اسٹاف کے درمیان اشتراک و تعاون قائم ہے۔ وہاں سوشل ایجوکیشن پروگرام کو زیادہ کامیابی ملی ہے۔

سوشل ایجوکیشن کے میدان میں ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہے کہ سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو نہ تو تنخواہ ملتی ہے اور نہ ان کو وہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے جو بلاک کے دوسرے افسروں کو حاصل ہے۔ اس وجہ سے بھی بہت سی پیچیدگیاں ہو گئی ہیں۔

سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کا بنیادی کام گاؤں میں صحت مند لیڈر شپ کو ابھارنا اور تقویت پہنچانا ہے یعنی گاؤں والوں کے مقامی ریت رواجوں اور ان کے سوچنے کے انداز میں صحت مند تبدیلی پیدا کرنا اور اس کے لئے گاؤں میں کمیونٹی سنٹر اور کتب خانے قائم کرنا۔

سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کے منصب و فرائض کی توضیح و تشریح کی بہرحال ضرورت ہے مگر اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ گاؤں کے مکھیوں اور سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں کی اچھی ٹریننگ کا بندوبست کیا جائے جس سے کہ انھیں ان کاموں کے بارے میں تمام بنیادی معاملات کا اچھی طرح علم ہو جائے۔ ان ہی پروگراموں کے اثر سے گاؤں کی زندگی کا جمود توڑ کر اس میں حرکت پیدا کی جا سکتی ہے۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کے سامنے ایک اور بھی دقت ہے کہ ریاستی حکومت کی سطح پر دوسرے ترقیاتی کاموں کی طرح اس کا اپنا کوئی علیحدہ محکمہ نہیں ہے، جو ان کی ٹریننگ اور سروس کی خبرداری کرتا رہے۔ پھر ٹکنکل کام کرنے والوں میں ان کا شمار نہیں کیا جاتا حالانکہ ان کے کام کے لئے بھی کم و بیش اتنی ہی مدت کی ٹریننگ حاصل کرنی ضرورت ہے جتنی دیہی علاقوں میں کام کرنے والے دوسرے افسروں کے لئے ضروری ہے۔ ایکس ٹنشن ٹریننگ سنٹروں میں جو معلم ٹریننگ دینے کا کام کرتے ہیں ان کو بھی شاید اور بہتر ٹریننگ کی ضرورت ہے۔

سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں کو ان کے کاموں میں خاص طرح کی فنی امداد دیتے رہنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ مخصوص طریق کار کو اختیار کر کے اپنے مقاصد کو زیادہ بہتر طریقے پر پورا کر سکیں۔ سیمنار اور اعادی کورسوں کی تنظیم سے اس میں بہت مدد ملے گی۔

سوشل ایجوکیشن کو اگر غذائی پیداوار بڑھانے کے پروگرام میں تعاون کرنا ہے تو اس کی ایک ہی شکل ہے کہ اس کے کاموں کا کواپریٹیو اور زرعی ماہرین اور گرام سیوک کے کاموں سے گہرا تعلق ہو۔ اس پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کام کی جانچ بھی اسی قدر ضروری ہے، جو اسی طریقے پر ممکن ہے کہ بی۔ ڈی۔ او۔ پورے بلاک کے مجموعی کاموں کی جانچ کرے یا ضلع کی سطح پر الگ فیلڈ کے ماہرین کو یہ کام سونپا جائے۔ اس صورت میں کام کی بہت سی خامیاں نظر آئیں گی۔ ان کو دور کرنے کے جہاں اور طریقے اختیار کئے جائیں وہاں یہ بھی کیا جائے کہ سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو مزید فنی ٹریننگ کا موقع دیا جائے تاکہ وہ گاؤں والوں کے مختلف ٹریننگ کیمپ وغیرہ لگانے کی ذمہ داری کو آسانی سے پورا کرنے کے قابل بن سکیں۔

پچھلے تجربوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تھوڑی مدت کے ٹریننگ کورس گاؤں کے لیڈروں کی ٹریننگ میں سب سے زیادہ مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ وہ لوگ جن میں لیڈرشپ کا جوہر موجود ہے، انھیں یہ موقع دینا چاہئے کہ وہ کبھی کبھار اپنے ماحول سے ذرا ہٹ کر کیمپوں کی زندگی گذاریں اور گاؤں کی اصلاح و ترقی سے متعلق کچھ نئی باتیں سیکھیں۔

اونچی سطح پر اکثر سوشل ایجوکیشن کے بڑے بڑے پروگرام شروع کرنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ جس میں گاؤں کے لیڈروں اور سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں سے مشورہ نہیں کیا جاتا ہے جن سے ان پروگراموں کے عمل درآمد کی امید کی جاتی ہے۔ کام کی منصوبہ بندی اور عمل درآمد میں جماعتی طریقۂ کار کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گرام سیوک جو گاؤں کی سطح پر ہر طرح کے پروگرام چلانے کے لئے ذمّہ دار ہوتا ہے۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائزر سے اس کے رشتے کی حیثیت بھی کچھ عجیب و غریب سی ہے۔ بلاک کے تمام ماہرین اور بی۔ ڈی۔ او۔ اس پر زیادہ سے زیادہ کاموں کی ذمّہ داری چھوڑنا چاہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ایک بھی کام مناسب انداز پر پورا نہیں ہو پاتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سوشل ایجوکیشن آرگنائزر اور بی۔ ڈی۔ او۔ کے کاموں کی تقسیم بہت واضح طریقے پر ہو اور سوشل ایجوکیشن آرگنائزر اور بی۔ ڈی۔ او۔ دونوں کے لئے آزادی سے اپنا اپنا کام کرنے کے مواقع ہوں۔

سوشل ایجوکیشن محض اسکولی پڑھائی یا خواندگی کی تعلیم کا نام نہیں ہے۔ اس کا مقصد گاؤں کے لوگوں میں اپنے ماحول سے دلچسپی پیدا کرنا اور انھیں یہ باتیں سکھانا ہے کہ وہ کس طرح اپنے کاموں کو بہتر سے بہتر طریقے پر انجام دے سکتے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں لوگوں سے شخصی طور پر رابطہ قائم کرکے اور بے تکلف ملاقاتوں میں بات چیت کرکے اور جماعتی طریقۂ کار اختیار کرکے کام کیا جائے۔ اس کے پروگرام میں صحت، بچّوں کی تعلیم، بچوں کی بہبود، عورتوں کے لئے امور خانہ داری تفریح اور مقامی آرٹ اور دست کاریوں وغیرہ کی حوصلہ افزائی بھی شامل ہونی چاہئے۔

ہماری دیہی بستیوں کی ترقی میں سوشل ایجوکیشن کو بہت نمایاں کردار ادا کرنا ہے۔ ان پروگراموں کی کامیابی کی رفتار پر ہی یہ منحصر ہوگا کہ گاؤں کی زندگی کا جمود توڑ کر کس تیزی کے ساتھ ہم گاؤں کے لوگوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتے ہیں۔ مگر اس پروگرام میں اسی وقت تک نمایاں کامیابی دکھائی دے سکتی ہے، جب کہ ہم سوشل ایجوکیشن پر جو بہت ساری ذمّہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنے کے لئے سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو پورے اختیارات دینے کے لئے تیار رہیں۔

ہندوستانی نوجوانوں کا انداز فکر

(ایک مطالعے کی روشنی میں)

"مشرقی اور مغربی دنیا" میں نوجوانوں کے سوچنے کے انداز میں کیا فرق ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے یونیسکو نے دنیا کے چھ ملکوں کا سروے کیا تھا۔ مغربی دنیا سے فرانس، کینیڈا اور یوگوسلاویا کا اور مشرقی دنیا سے ہندوستان، جاپان اور ملایا کا انتخاب کیا گیا تھا۔ سروے کے لئے یونیسکو نے پہلے سے ایک سوال نامہ تیار کر لیا تھا جس میں ملکوں کے اختلافات کے پیش نظر مناسب ترمیم و اضافے کی گنجائش بھی رکھی گئی تھی۔ سروے کا کام یونیسکو کے ماہرین کی نگرانی میں ان ملکوں کی نوجوانوں کی انجمنوں نے انجام دیا تھا۔ ۱۸ سے ۲۱ سال کی عمر کی لڑکیاں اور لڑکے اس میں شامل کئے گئے تھے۔

زیر نظر مضمون مندرجہ بالا سوال نامہ کے جوابات کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے، جس میں پڑھے لکھے ہندوستانی نوجوانوں کے انداز فکر کی ہلکی سی جھلک مل جاتی ہے۔ (مضمون کے بعد سوال نامے کا ترجمہ بھی شائع کیا جا رہا ہے)

——— ایڈیٹر

تمہید

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جو مختلف زمانوں میں مختلف تہذیبوں کے اثرات قبول کرتا رہا ہے۔ اس ملک کی وسعت اس کی سماجی اور تہذیبی زندگی، اور زبان اور زندگی کے طور طریقوں کے اختلافات کے پیش نظر موجودہ مطالعہ اور

تحقیق کا کام کافی دلچسپ شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس ملک کے آزاد ہو جانے کے بعد سے یہاں کافی اہم تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، جنھوں نے زندگی کے تمام شعبوں کو اثر انداز کیا ہے۔ ہندوستانی نوجوانوں کے انداز فکر سے متعلق اس مطالعے میں بھی ان تبدیلیوں کی جھلک ملتی ہے۔

زیر نظر مطالعے میں ہندوستان کے تمام صوبوں کو شامل کیا گیا تھا، لیکن آسام اس میں شامل نہیں ہو سکا اس لئے کہ وہاں اس وقت جو سیاسی فضا بنی ہوئی تھی اس میں اس طرح کی تحقیق کا کام ممکن نہیں تھا۔ سروے کرنے والوں میں ۵٫۲۰۰ سروے فارم تقسیم کئے گئے تاکہ نوجوانوں کی آبادی کے زیادہ سے زیادہ بڑے حلقے کا احاطہ کیا جا سکے۔ مگر ان میں سے ۵۰۸۰ سوالناموں کے جوابات ہی وصول ہوئے۔ سروے کرنے والوں نے اس میں بہت کوشش کی جن لوگوں کو سوالنامے تقسیم کئے گئے تھے ان کی سہولت کے مطابق وقت متعین کر کے ان سے ملاقاتیں بھی کی گئیں مگر اس کے باوجود وہ سوالناموں کی خانہ پری مکمل کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ جن ۵۰۸۰ لوگوں سے سوالناموں کے فارم خانہ پری کے بعد موصول ہوئے۔ ان میں سے ۱۲۵۸ مرد تھے اور باقی عورتیں۔ اس سروے کے ماتحت ۴۳ شہر اور بیسیوں گاؤں شامل تھے اور اس بات کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا تھا کہ اس میں ہر پیشے اور ہر انداز فکر کے نمائندے شامل کئے جائیں تاکہ ان کی بنیاد پر جو نتیجے اخذ کئے جائیں وہ زیادہ سے زیادہ بڑے طبقے کے حسب حال ہوں۔

جن ۵۰۸۰ آدمیوں نے جوابات دیئے ان میں نوجوان انجمنوں سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد ۹۰۵ تھی، اس لئے کہ اس سروے کا ایک مقصد یہ پتہ لگانا بھی تھا کہ نوجوان انجمنوں کی رکنیت نوجوانوں کے اندازِ فکر پر اثر انداز ہوتی ہے یا نہیں۔

جوابات کی روشنی میں

ہندوستانی سماج کے بارے میں لوگوں کی ایک رائے بن چکی ہے کہ یہ ایک غیر متحرک سماج ہے۔ گزشتہ چند صدیوں میں ہندوستان نے جو اس قدر سست رفتار سے ترقی کی ہے اس کی ایک وجہ ہندوستانی سماج کا غیر متحرک ہونا بتائی جاتی ہے۔ برطانوی دور حکومت میں اس کی رفتار کچھ اور بھی دھیمی پڑ گئی۔ لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا میں نئی نئی دریافت اور سیاسی جمہوریت کی فضا نے لوگوں کے انداز فکر پر بہت دوررس اثرات مرتب کئے ہیں۔ یہی باتیں ہندوستانی نوجوانوں پر بھی صادق آتی ہیں جو آزاد ہندوستان کی فضا میں پل بڑھ رہے ہیں۔ جن نوجوانوں نے سوالناموں کے جوابات دیئے ہیں ان سے اس تبدیلی کی نشان دہی ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد

اب یہ سوچنے لگی ہے کہ نوجوانوں کی طرف سے بزرگوں کی خاص ذمہ داریاں ہیں۔ اسی طرح وہ اب یہ بھی سوچنے لگے ہیں کہ بزرگوں کی طرف ان کا رشتہ صرف فرائض کی انجام دہی تک محدود نہیں ہے بلکہ انھیں کچھ اختیارات بھی حاصل ہیں جنکا وہ اپنے بزرگوں سے بجا طور پر مطالبہ کر سکتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کے مساوی حقوق کے سلسلے میں بھی اب ان کا عقیدہ پختہ ہوتا جا رہا ہے۔ سوالناموں کے جوابات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شادی اور شریک حیات کے انتخاب کے معاملے میں اب نوجوانوں کا اندازِ فکر پہلے سے کافی بدل چکا ہے۔ جواب دینے والوں میں سے ۲۵ فی صدی کے جوابات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی برادری، ملک یا مذہب سے باہر کی لڑکی یا لڑکے کے انتخاب کو پسندیدہ سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے جوابات میں اپنے لئے شریک حیات کا خود انتخاب کرنے کا رجحان بھی ملتا ہے۔ ان باتوں کو ہندوستان کے موجودہ سماجی پس منظر میں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رجحانات کتنی اہم تبدیلیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ابھی کچھ دنوں پہلے تک کوئی لڑکی یا لڑکا والدین کے ذریعہ طے کی ہوئی شادی کے علاوہ کسی اور طریقے سے شادی کرنے کی بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آج ہندوستان کا ہر نوجوان ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے بے چین ہے۔ بچّوں کی پرورش و پرداخت کے معاملے میں بھی نوجوانوں کے سوچنے کا انداز کافی بدل چکا ہے۔ جواب دینے والوں میں کافی تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ بچّوں کی پرورش و پرداخت گھر کے ماحول سے باہر انھیں بچّوں کے خاص طرح کے اداروں میں رکھ کر بھی کی جا سکتی ہے۔ اور جواب دینے والوں میں اکثریت کی رائے یہ ہے کہ بچّوں کی پرورش و پرداخت کے معاملے میں تعلیم کے ماہرین والدین کی جگہ لے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ اختلاف بہر حال ہے کہ کس عمر کے بچّوں کو ان اداروں میں بھیجنا چاہیئے۔ یہ بات بھی حیرت انگیز ہے اس لئے کہ ہندوستان میں خانگی زندگی کے بندھن کو بہت پسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور سب ہی اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔

نوجوانوں کے اندازِ فکر میں یہ تبدیلیاں بہت اہم ہیں مگر ان تبدیلیوں کی رفتار بہت سست رہی ہے اور ان میں سے بہت سی باتوں کے بارے میں لوگوں کے ذہن صاف نہیں ہیں اس کا ثبوت بہت سے جوابوں سے مل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بہت سے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ بچّوں کی پرورش و پرداخت گھر کے ماحول سے باہر کی جا سکتی ہے مگر اسی کے ساتھ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ خاندان سماجی زندگی کا ایک ایسا اہم ادارہ ہے جس کے بندھن سے آزاد ہونا کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے اسی طرح مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق کا معاملہ ہے۔ جواب دینے والوں میں صرف ۴۰ فی صدی نے یہ رائے دی ہے کہ عورتوں اور مردوں کو مساوی حقوق حاصل ہونے چاہیئیں۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے کہ ہندوستانی سماج نے ہمیشہ مردوں کی طرفداری کی ہے اور عورتوں کے مقابلے میں انھیں زیادہ حقوق و اختیارات دیئے ہیں۔

ملکی سرحد کے بارے میں بھی رائے بٹی ہوئی ہے۔ جواب دینے والوں میں سے ۵۵ فی صدی کے جوابات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ قومی سرحدوں کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایک دنیا کا خیال ابھی اتنی اہمیت نہیں حاصل کر سکا ہے جس کے پیشِ نظر قومی سرحدوں کو ختم کرنے کی بات سوچی بھی جا سکے۔ پھر جواب دینے والوں میں سے صرف ۳۳ فی صدی کا خیال ہے کہ ایک ایسے سماج کی تعمیر کا کام جسے صحیح معنی میں نیا سماج کہا جا سکے موجودہ سماج کے ڈھانچے کو یکسر بدلے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور فی صدی کا خیال ہے کہ نئے سماج کی تعمیر موجودہ سماج کی بنیادوں پر کی جا سکتی ہے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نوجوانوں کا اندازِ فکر بہت انقلابی نہیں ہے، اس لئے کہ اکثریت کو بھروسہ ہے کہ نئے سماج کی تعمیر موجودہ بنیاد پر آہستہ آہستہ کی جا سکتی ہے یہ اندازِ فکر ہندوستانی ذہن و فکر سے مطابقت رکھتا ہے۔ جو بنیادی طور پر قدامت پسند ہے۔ یہ دیکھ کر البتہ خوشی ہوتی ہے کہ آج کے ہندوستانی نوجوان ایک نئے سماج کی تعمیر کی طرف سے پر امید ہیں۔ ایک ایسے نئے سماج کی طرف سے جس میں پرانی مگر صحت مند قدریں بھی شامل ہوں گی اور اس کے ساتھ اس کی ترقی کی رفتار بھی قابلِ اطمینان حد تک تیز رہے گی۔

سوال نامے کے جوابوں کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر نوجوانوں کو کوئی نہ کوئی فکر دامن گیر ضرور ہے۔ جواب دینے والوں میں سے حالانکہ کچھ نوجوانوں نے یہ بتایا ہے کہ انھیں سب سے زیادہ فکر ملکی معاملات کی طرف سے ہے مگر اکثریت اقتصادی اور سماجی زندگی کی طرف سے پریشان ہے، جس کا انفرادی زندگی سے براہِ راست تعلق ہے۔ سب سے زیادہ فکر تعلیم کی طرف سے ہے۔ اسی طرح دوسرے لوگوں کے سامنے سب سے زیادہ پریشانی کام دھندے اور زندگی میں اطمینان و فراغت کی طرف سے ہے یہ الجھنیں اور پریشانیاں اس لئے ہیں کہ ملک میں ترقی کی رفتار کافی تیز ہے جو ملک کی ترقی پذیر اقتصادی زندگی کا نتیجہ ہے

اس بات کا اندازہ ایک دوسرے سوال کے جواب سے زیادہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ نوجوان اپنے بچوں کے لئے کن باتوں کی خواہش رکھتے ہیں۔ اکثریت نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچوں کو اچھی تعلیم ملے، وہ تندرست اور صحت مند ہوں اور ان کے پاس کافی روپیہ پیسہ ہو تاکہ وہ ان اذیتوں سے بچ سکیں جن کا ہم لوگ سامنا کرتے آ رہے ہیں۔

(یونیسکو)

— مسٹر پی۔ ٹی۔ کریاکوس
(سکریٹری جنرل ورلڈ اسمبلی آف یوتھ)

نوجوانوں کا اندازِ فکر

سوال نامہ

۱۔ انفرادی اندازِ فکر

۱۔ کیا آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ دوسروں کے خیالات کو سمجھنا چاہیئے۔؟

۲۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی آپ کے خیالات کو سمجھیں۔؟

۳۔ کیا آپ کو قدرتی مناظر سے دلچسپی ہے۔ اگر ہے تو کیوں؟ اس لئے کہ وہاں ترتیب و نظم، جمال و حُسن یا شان و شوکت کی جلوہ نمائی ہے۔؟

۴۔ اگر آپ کو یہ اطمینان ہو جائے کہ ضروریاتِ زندگی کی تمام چیزیں آپ کو میسر آتی رہیں گی تو کیا آپ اس صورت میں ایک ویران جزیرے پر زندگی گذارنا پسند کریں گے۔؟

- بالکل تنہا
- یا کسی کے ساتھ
- آپ اپنے ساتھ کیا لے جانا پسند کریں گے۔

۵۔ کیا آپ اس وقت تک زندہ رہنا پسند کرتے ہیں کہ آپ بالکل ضعیف اور بوڑھے ہو جائیں؟

۶۔ کیا آپ کو آج سے دو سو سال پہلے کا زمانہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کیا آپ اس زمانے میں زندگی گذارنا پسند کرتے۔؟

۷۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی معاشرہ حرکت پذیر ہے۔ اور اس کی رفتار

- ترقی کی طرف ہے
- تنزلی کی طرف ہے
- یا ان میں سے دونوں باتیں غلط ہیں۔

۸۔ آپ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔ تنہا یا کسی جماعت کو ساتھ لے کر

۹۔ آج آپ کو سب سے زیادہ کس بات کی طرف سے پریشانی ہے

۱۰۔ کن باتوں کی طرف سے آپ پُر امید نظر آتے ہیں۔

۱۱۔ کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ دوسرے سیاروں میں سب سے پہلے پہنچنے والے لوگوں میں آپ بھی ہوں؟ یا آپ اس وقت کا انتظار کریں گے جب خلائی سفر عام ہو چکا ہوگا؟

یا آپ کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

۱۲۔ کیا آپ کے نزدیک مسرت و شادمانی اس کے بغیر بھی ممکن ہے کہ

- کہ آپ کسی سے محبت کرتے ہوں یا
- کوئی آپ سے محبت کرتا ہوں

(آپ کے نزدیک ان میں سے کس بات کی زیادہ اہمیت ہے)

۱۳۔ آپ تنہا کام کرنا پسند کرتے ہیں یا گروپ میں۔

۱۴۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ نوجوانوں کو بزرگوں کے اوپر بھی کچھ اختیارات حاصل ہیں۔؟ تو نوجوانوں پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

نوجوانوں کے اوپر بزرگوں کو کیا اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔

۱۵۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق اور ذمہ داریاں مساوی ہیں اور بستی کی زندگی میں انھیں برابری کے حقوق حاصل ہونے چاہئیں؟

- عوامی زندگی میں
- تعلیم کے میدان میں
- ان معاملات میں جہاں شخصی اور خاص طور سے شادی بیاہ کی آزادی کا تعلق ہے۔

۱۶۔ انتہائی خطرے کا مقام ہو تو سب سے پہلے کس کو بچانا چاہئے

• مردوں کو • عورتوں کو

• بچوں کو • معذوروں کو

۱۷۔ آپ کسی دوست میں کس خوبی کی سب سے زیادہ قدر کرتے ہیں۔

۱۸۔ کیا آپ شادی شدہ زندگی گذارنا پسند کرتے ہیں۔ شادی کے سلسلے میں آپ کیا پسند کرتے ہیں

• اپنے ملک سے باہر کے لوگوں میں شادی کرنا

• اپنی ذات اور برادری سے باہر

• دوسرے مذہب میں

۱۹۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ذات کے اعلیٰ اور ادنیٰ ہونے کے خیال میں کوئی حقیقت ہے؟

۲۰۔ کیا آپ اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ مختلف سماجی گروہوں کے درمیان ایسے تفرقات حائل ہیں جن کو کسی بھی حالت میں دور نہیں کیا جا سکتا۔

۲۱۔ کیا آپ اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ (لوگوں کے طور طریقوں، رہن سہن، سوچنے کے انداز، رسم و رواج اور آداب و اخلاق اور سماجی روایات کے) اختلافات ایک آدمی کو اس بات کا موقع دیتے ہیں کہ وہ دوسرے آدمی کی زندگی کی ترقی میں مددگار بنے۔

• اس سے مجموعی اعتبار سے انسانی معاشرے کی ترقی میں مدد ملتی ہے یا

• تفرقات کی خلیج اور وسیع ہو جاتی ہے

۲۲۔ ملکی سرحدوں کے بارے میں آپ کا خیال ہے۔ کیا یہ ضروری ہیں اور ان کو ہمیشہ قائم رہنا چاہیئے۔

۲۳۔ کیا آپ اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جو سماج کے لئے ناگزیر ہے۔

۲۴۔ آپ کے خیال میں کیا بچوں کی تربیت گھر کے ماحول سے باہر مخصوص اداروں میں ماہرین تعلیم کے ذریعہ کی جا سکتی ہے۔ اگر یہ ممکن ہے تو کس عمر کے بچوں کو لیا جائے اور کس عمر تک انھیں اس طرح کے اداروں میں رکھا جائے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت ایک ہی ادارے میں کی جانی چاہیئے یا علیحدہ علیحدہ۔

۲۵۔ آپ اپنے بچوں میں کن خوبیوں کو سب سے زیادہ پسند کریں گے۔

۲۶۔ آپ جب افسردہ خاطر ہوتے ہیں تو دل بہلانے کے لئے کیا تدبیریں کرتے ہیں۔ آپ اس صورت میں کہاں جاتے ہیں۔

۲۔ احساسات و خواہشات

آپ کیا پسند کریں گے

۲۷۔ بہت سے ملکوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا

۲۸۔ کافی تجربے کرنا

۲۹۔ خوب دولت کمانا یا اتنی دولت پر اکتفا کر لینا جو آپ کی ضروریات کی کفالت کے لئے کافی ہو۔

۳۰۔ نام و نمود حاصل کرنا یا بالکل غیر معروف رہنا۔

۳۱۔ باقاعدگی کی زندگی گذارنا یا بے قاعدہ۔ خاموش یا ہنگامہ خیز زندگی

۳۲۔ تحفظ کی یقین دہانی

۳۳۔ عیش و مسرّت کے سامان کی فراوانی

۳۴۔ یہ احساس کہ آپ مفید کام کر رہے ہیں۔

۳۵۔ آپ جدوجہد اور مقابلے سے آگے بڑھنا پسند کریں گے یا خصوصی رعایات کا حامل بنا کر

کیا آپ یقین رکھتے ہیں کہ

۳۶۔ دکھ اور تکلیفیں (اپنی اور دوسرے لوگوں کی) جو موجود ہیں

- وہ ناگزیر ہیں
- وہ ضروری ہیں
- ان کے خلاف آواز اُٹھانی چاہئے
- امتیازی شان کی نشان دہی کرتی ہیں۔

۳۷۔ جنگ کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں (وہی سوالات)

۳۸۔ کیا ایک بہتر دنیا کی تعمیر کے لئے ضروری ہے کہ پُرانی بنیادوں کو یکسر ختم کر دیا جائے۔

۳۹۔ سماج میں نظم و اتحاد قائم کرنے کے لئے تشدّد ضروری ہے یا نظم و اتحاد کے تحفظ کے لئے تشدد وانہ اقدامات حق بجانب ہیں۔

۴۰۔ حکم چلانے کے مقابلے میں حکم بجالانا بہتر ہے۔

کیا آپ پسند کریں گے کہ

۴۱- آپ کا اپنا ایک خاندان ہو

۴۲- موجودہ چیزوں میں ہی ردّ و بدل کرکے کام چلا لیا جائے یا کوئی نئی چیز تعمیر کی جائے۔ اپنے پیچھے کوئی ایسی چیز چھوڑ جایئے جو آپ کے بعد آپ کی یاد دلاتی رہے۔

۳- عمل کے محرکات

۴۳- کیا آپ زندگی کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ وہ

- پوری قوت اور توجہ صرف کرکے اور
- اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر کسی کے کام آجائے —— مثال کے طور پر
  - جس سے آپ محبت کرتے ہیں اس کے لئے
  - خاندان، سماجی طبقے یا ملک وغیرہ کے لئے
  - بنی نوع انسان کی مسرّت و شادمانی کے لئے
  - مذہب، سائنس، انصاف وغیرہ کی خدمت کے لئے

۴۴- کامیاب اور ناکام زندگی سے آپ کی کیا مراد ہے

۴۵- اپنی شخصیت میں آپ کس کا پرتو دیکھنا پسند کریں گے۔

- اپنے خاندان یا شناسا لوگوں میں سے کسی کا یا
- مشہور شخصیتوں میں سے کسی کا (خواہ وہ حقیقی ہوں یا فرضی)

[سوالنامے کا وہ حصّہ چھوڑ دیا گیا ہے جس کا تعلق پسند اور ناپسندیدگی کے عام اصول سے ہے]

پنچایتی راج کے لئے دستور میں ترمیم کرنے کا سوال

حکومت ہند نے سب سے پہلا انقلابی قدم ۱۹۵۲ء میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا پروگرام نافذ کرکے اٹھایا تھا۔ جس کا منشا گاؤں کو ترقی دینا تھا۔ ارادہ یہ کیا گیا تھا کہ اس پروگرام کی منصوبہ بندی اور انجام دہی خود گاؤں والوں کے ہاتھوں ہو اور حکومت اس کام میں انھیں روپے پیسے اور فنی مشورے سے مدد بہم پہنچائے۔ اس کے بعد پروگرام کے معائنے ہوئے ان کی رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگرام سے عوام میں کوئی جوش و ولولہ نہیں پیدا ہوا اور نہ اسے ان کی طرف سے سہارا ملا۔ "اپنا کام اپنے آپ کرنے" کا جو ایک شوق ہوتا ہے اور جو لوگوں کو کام پر ابھارنے کا خاص ذریعہ ہے اُسے پورے طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی ادارے اور سنستھائیں پروگرام سے وابستہ نہ ہو سکیں اور ان کا جوش و خروش اور اشتراک آہستہ آہستہ ختم ہوتا چلا گیا۔

عوام اور حکومت دونوں کو اس مسئلے کا احساس تھا۔ چنانچہ بلونت رائے مہتہ کمیٹی کی سفارش پر حکومت نے گاؤں کی ترقی کے باب میں جمہوری لامرکزیت کی اسکیم نافذ کرکے دوسرا انقلابی قدم اٹھایا۔

جمہوری لامرکزیت کا مطلب

ملک ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوا اور طاقت انگریزوں کے ہاتھ سے نکل کر ہندوستانی ہاتھوں میں منتقل ہوئی۔ دوسرے الفاظ میں ملک کا انتظام مرکز اور ریاستوں میں عوام کے نمائندوں کے ہاتھ میں آگیا۔ ملک نے ریاست کے انتظام کے لئے جمہوری طرز اپنایا لیکن جمہوریت گاؤں تک نہ پہنچ سکی۔ ملک کے انتظام و انصرام میں عوام کا حصہ صرف بالواسطہ رہا اس لئے گاؤں

صرف ریاستوں اور مرکز کی مجالس قانون ساز کے لئے اپنے نمایندے منتخب کرنے کا اختیار تھا۔ اس طرح ترقیاتی پروگراموں کی منصوبہ بندی اور انجام دہی میں جو حکومت کی مقرر کی ہوئی عارضی کمیٹیوں اور کارکنوں کے توسط سے ہوتی تھی، عوام کا عمل دخل بالواسطہ رہا۔ ان کمیٹیوں کی نوعیت بالعموم مشاورتی تھی اور ان کے بیشتر ممبران مقامی ضروریات و مسائل سے قطعاً ناواقف ہوتے تھے۔ طاقت و اقتدار کے ہندوستانی ہاتھوں میں منتقل ہونے کے باوجود نظم و نسق کی تنظیم جوں کی توں عوام کی خواہش اور ارادے کی طرف سے بے نیاز رہی کیونکہ عوام کو پلان بنانے اور اُسے انجام دینے کے کام میں شریک نہیں کیا گیا جو اُن کے اندر یا خود تنظیم کے اندر جمہوریت کی روح پھونکنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اِن حالات میں یہ وقت کی بہت بڑی اور اہم ضرورت تھی کہ جمہوری طریقۂ کار حکومت کی اوپر سے لے کر نیچے تک تمام منزلوں خصوصاً گاؤں تک میں جڑ پکڑ جائے۔ اس مخصوص صورت حالات کی روشنی میں دیکھئے تو جمہوری لامرکزیت خود جمہوریت کو تقویت پہنچانے کا ایک اہم پرزہ بن جاتی ہے اور ترقیاتی پروگراموں میں ہر سطح پر عوام کی شرکت و تعاون حاصل کرنے کا ایک کامیاب وسیلہ ثابت ہوتی ہے۔

گویا جمہوری لامرکزیت کا مقصد مقامی خود مختار حکومت کو رواج دینا اور اس راستے سے جمہوریت کی تعمیر کرنا ہے۔

جمہوری لامرکزیت کا طریقۂ عمل ایک متحدہ جاندار سہ منزلہ ڈھچر پر مبنی ہے جس میں گاؤں پنچایت سب سے نچلی اور بنیادی منزل ہے، ضلع پریشد سب سے اوپر کی اور پنچایت سمتی بیچ کی منزل ہے۔

ہندوستان کی تقریباً تمام ریاستوں میں اب پنچایتی راج کا نفاذ ہو چکا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں بڑے پیمانے پر سب سے پہلے راجستھان میں اس کی ابتدا ہوئی۔ آندھرا کے کچھ چُنے ہوئے علاقوں میں یہ تجربہ کافی کامیاب ثابت ہو چکا تھا اور وہاں بھی جلدی ہی ریاست میں پنچایتی راج کا نفاذ ہو گیا۔ راجستھان اور اندھرا کی دیکھا دیکھی دوسری ریاستوں نے بھی اس میں دلچسپی لینی شروع کی اور تین سال کے اندر اندر جمہوری لامرکزیت کا نظام سارے ہندوستان میں قائم ہو گیا۔

پنچایتی راج جیسے انقلابی پروگرام کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے اصول اور مقاصد کی طرف سے ذہن صاف ہوں۔ پنچایت راج کے بارے میں ایک خیال یہ ہے کہ یہ ادارے ریاستی حکومت کی ایجنسی کی حیثیت سے قائم کئے گئے ہیں۔ یعنی ان کی بنیادی حیثیت تھوڑے بہت فرق کے ساتھ پُرانی گاؤں پنچایتوں جیسی ہی ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "وہ گاؤوں کی جمہوریتیں نہیں تھیں بلکہ ان کی حیثیت ریاستی حکومتوں کے کارندوں کی طرح تھی۔"

مگر جمہوری لامرکزیت اس کے برعکس ایک ایسا تصور پیش کرتی ہے جس کے مطابق ان اداروں کی حیثیت خود اختیار جمہوری اداروں کی ہونی چاہیئے یعنی گاؤں کی جمہوریتوں کی جو اپنے حلقۂ عمل میں آزاد ہوں۔

پنچایتی راج کے اداروں کی قانونی اور دستوری حیثیت کے متعلق کچھ دنوں سے ایک بحث چل پڑی ہے۔ پنچایتی راج کا قانون ریاستی حکومتوں نے پاس کیا ہے۔ آئین ساز اسمبلیوں نے گاؤں پنچایتوں، پنچایت سمتیوں اور ضلع پریشدوں کو کچھ اختیارات سونپ دیئے ہیں اور ان اداروں کی اپنے اپنے حلقۂ عمل میں خود اختیار ادارے کی حیثیت تسلیم کرلی ہے۔

کچھ لوگ موجودہ حالات میں جب کہ پنچایتی راج کا نظام سارے ہندوستان میں قائم ہو چکا ہے اور ہمارے جمہوری نظم ونسق کا لازمی جز بن چکا ہے اس بات کا مطالبہ کرنے رہے ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ دستور میں ترمیم کرکے پنچایتی راج کے اداروں کی دستوری حیثیت تسلیم کرلی جائے یعنی تیسرا انقلابی قدم اٹھایا جائے۔ حکومت ہند نے پہلا انقلابی قدم ۱۹۵۲ء میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا پروگرام نافذ کرکے اٹھایا۔ دوسرا قدم تھا جمہوری لامرکزیت کی اسکیم کا نفاذ اور اب پنچایتی راج کے اداروں کو دستوری حیثیت دے کر تیسرا انقلابی قدم اٹھائے۔ تاکہ یہ ادارے آزادانہ ماحول میں پھل پھول سکیں اور حکومت اور مقامی افسروں کی بے جا دخل اندازی کے اندیشوں سے محفوظ رہ کر گاؤں میں جمہوری نظام کی بنیادوں کو مستحکم بنا سکیں۔

بلونت رائے مہتہ کمیٹی کی رپورٹ

حکومت ہند کی پنچایتی راج کی صلاح کار کونسل نے پنچایتی راج کے کاموں کا جائزہ لینے اور پنچایتی راج کے مختلف اداروں کے باہمی تعلقات پر غور کرنے کے لئے بلونت مہتہ کی صدارت میں ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ پنچایتی راج کے اداروں کو انتظام و انصرام کی خود اختیار اکائیوں کی شکل دینے کے لئے کیا یہ ضروری ہے کہ دستور میں تبدیلی کرکے ان اداروں کو چھوٹے پیمانے پر وہی حیثیت دے دی جائے جو ریاستوں کی سطح پر ریاستی حکومتوں کی ہے۔''

کمیٹی نے اپنی عارضی سفارشات پیش کردی ہیں جن کے خاص نکات درج ذیل ہیں:۔ کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ

- ''پنچایتی راج کے سہ منزلہ ڈھانچے'' گرام پنچایت، پنچایت سمتی اور ضلع پریشد کو گاؤں بلاک اور ضلع کی سطح پر ریاستی حکومتوں کی ایجنسی نہ ہو کر خود اختیار اکائی ہونا چاہیئے۔ مگر اس کے لئے دستور میں ترمیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
- '' دستور کی دفعہ ۴۰ میں جہاں گاؤں پنچایت لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس کی وضاحت اس طرح

کر دینی چاہیئے کہ اس میں گرام پنچایت کے ساتھ پنچایت سمتی اور ضلع پریشد بھی آجائیں۔ اس کے لئے ریاستی حکومتوں کے پنچایت راج کے وزیروں کی کانفرنس میں ایک تجویز پاس ہو جانی چاہیئے۔ بعد میں اس تجویز کی نشل یں نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل بھی کر دے۔

- "جو معاملات حسن وخوبی کے ساتھ گاؤں کی سطح پر حل کئے جا سکتے ہیں انھیں گاؤں پنچایتوں کے حوالے کر دینا چاہیئے۔ جو معاملات گاؤں کی سطح پر اطمینان بخش طریقے پر نہیں انجام دیئے جا سکتے ہیں انھیں پنچایت سمتی کے حوالے کر دینا چاہیئے اور جو کام ضلع پریشد آسانی سے انجام دے سکتی ہیں، وہ ضلع پریشد کو سونپ دینے چاہئیں۔ کچھ ایسے بھی کام ہو سکتے ہیں جو ضلع پریشد اور پنچایت سمتی دونوں کے حلقۂ کار میں آتا ہے وہ معاملات ضلع پریشد اور پنچایت سمتی کے ملے جلے کاموں کی فہرست میں آنا چاہیئے۔ اور کچھ کام گاؤں پنچایتوں اور پنچایت سمتیوں کی ملی جلی فہرست میں۔
- "جن ریاستوں میں پنچایتی راج کے اداروں کو مناسب انداز میں اختیارات وحقوق نہیں سونپے گئے ہیں۔ اور مختلف سطح پر کاموں کی واضح تقسیم نہیں کی گئی ہے وہاں کے ان سارے امور پر غور کر کے پنچایتی راج کے مختلف اداروں کے کاموں کی تقسیم دوبارہ کی جا سکتی ہے"

دستور میں تبدیلی

بلونت رائے مہتہ کمیٹی کی مندرجہ بالا سفارشات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس کے مطابق پنچایتی راج کے تینوں اداروں گرام پنچایت، پنچایت سمتی اور ضلع پریشد کو انتظامی معاملات میں خود اختیار اکائی کی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے اور انھیں ریاستی حکومت کی ایجنسیاں بن کر نہیں رہ جانا چاہیئے، لیکن اس کے لئے اس نے دستور میں تبدیلی کرنے کا مشورہ نہ دے کر دوسری صورت تجویز کی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دستور کی حیثیت ایک بنیادی قانون کی ہوتی ہے جس میں آسانی سے ترمیم نہیں کی جا سکتی ہے جب کہ عام قانون کی وہ حیثیت نہیں ہوتی۔ انھیں آسانی سے بدلا جا سکتا ہے۔ عدالت انھیں رد کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دستور میں تبدیلی کر کے پنچایت راج کے اداروں کی خود اختیار حیثیت کو اور نظم ونسق میں جمہوری لامرکزیت کے اصول کو مستقل حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔

پنچایتی راج کا اصل مقصد

دستور میں ترمیم کرنے کا مطالبہ اپنی جگہ پر صحیح ہے۔ مگر بنیادی سوال اس سے ذرا مختلف ہے۔ ترمیم دستور میں بھی کرائی جاسکتی ہے اگر وہ لوگ جن کو دستوری اختیارات دلانے کی بات کی جارہی ہے وہ خود اس کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کی خود مانگ کریں۔ پنچایت راج کے قیام کا اصل مقصد گاؤں کے لوگوں میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرنا اور انھیں بیدار کرنا ہے تاکہ وہ اپنی فلاح وبہبود کے لئے خود منصوبے بنائیں اور ان کو پورا کرنے میں ہاتھ بٹائیں۔ وہ یہ محسوس کریں کہ وہ خود اپنے حکمراں ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ پنچایتی راج کے قیام کے بعد سے یہ احساس لوگوں میں کس قدر پیدا ہوا ہے۔ جب لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو جائے گا، اور جب وہ اپنے اختیارات کے استعمال کی اور اپنی فلاح وبہبود کے لئے خود منصوبے بنانے کی اہمیت کو سمجھ لیں گے اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اس طرح کی منصوبہ بندی میں خود اختیار اداروں کی حیثیت سے کام کرنے کی کتنی ضرورت اور اہمیت ہے، اسی وقت یہ مطالبہ گاؤں کے لوگوں کا اپنا مطالبہ بن سکے گا۔ اور حکومت دستور میں ترمیم کرنے کے لئے مجبور ہو جائے گی۔

تعلیم کا مورچہ

مگر یہ ایسا معاملہ نہیں ہے کہ گاؤں میں اس مسئلے کو لے کر کوئی اندولن چلایا جائے اور عوام کو اس بات کے لئے تیار کیا جائے کہ وہ پنچایت راج کے اداروں کی دستوری حیثیت تسلیم کرنے کے لئے حکومت سے دستور میں ترمیم کرنے کا مطالبہ کریں۔ یہ کام براہِ راست نہ ہو کر بالواسطہ طریقے پر انجام دیا جاسکتا ہے۔ یعنی لوگوں میں پنچایتی راج کے اداروں کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے جس کے لئے سیاسی مورچے کے بجائے تعمیری کام کے مورچے پر ڈٹنا ہوگا۔ لوگوں کو تعلیم دینی ہوگی۔ ان میں اپنے اختیارات کے مطالبے کی خود تحریک پیدا کرنا ہوگی۔ یہ مشکل اور وقت طلب کام ضرور ہے مگر گاؤں کی جمہوریتوں کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا کرنے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

Registered No. D. 1126

THE MONTHLY TALIM-O-TARAQQI,

April 1965.

ماہنامہ تعلیم و ترقی

جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

- بالغوں کی تعلیم جمہوریت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔
- بالغوں کی تعلیم کے مرکز قائم کیجئے اور جہالت کے خلاف اِس مقدس جہاد میں پڑھے لکھے لوگوں کو شرکت کی دعوت دیجئے۔
- رسالہ تعلیم و ترقی اس نیک مہم میں آپ کا ہر قدم پر ساتھ دے گا۔
- اس کا سالانہ چندہ صرف چار روپے ہے اور اردو اور ہندی میں الگ الگ شائع ہوتا ہے۔
- ہر سال تعلیم بالغان کے ایک نہ ایک موضوع پر اس کا ایک اسپیشل نمبر شائع ہوتا ہے جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔
- اگر آپ مستقل خریدار رہیں گے تو آپ کو یہ ضخیم شمارہ خصوصی بھی سالانہ چندے ہی میں ملے گا۔

منیجر

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq

Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI.

تعلیم و ترقی

(سوشل ایجوکیشن کا رسالہ)

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

مئی سنہ ۱۹۶۵ء

جلد ۱۶ —— شمارہ ۵

ترتیب

بانی۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر

تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

قیمت:

سالانہ چار روپے فی پرچہ ۳۷ پیسے

فون:۔ ۷۴۴۶۴

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے یونین پریس جامع مسجد دہلی ۶ میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

اشارات

مگر سوال یہ ہے.....

آبو کانفرنس نے جو انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن اور راجستھان یونیورسٹی کے مشترک اہتمام میں سات سے گیارہ اپریل ۱۹۶۵ء تک ماؤنٹ آبو میں منعقد ہوئی تھی، خاتمۂ ناخواندگی اور اڈلٹ ایجوکیشن خاص کی ضرورت پر جو بیان شائع کیا ہے، اس سے زیادہ جامع اور واضح بات نہیں کہی جا سکتی۔ اس کی اہمیت اس اعتبار سے اور بھی زیادہ ہے کہ اس "بیان" کی تصنیف اور اشاعت میں ملک کے چوٹی کے ماہرینِ تعلیم اور تعلیمی ایڈمنسٹریٹر شریک ہیں۔ اور ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ملک کی ترقیاتی ضروریات اور قومی وسائل کی صورتِ حال سے واقف نہیں ہیں یا یہ کہ قومی ترقی کے دوسرے پہلوؤں کی طرف سے آنکھیں مُوند کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہی بنانے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ یہ آبادی کے اس سنجیدہ فکر اور بالغ نظر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ہر لفظ نپا تُلا اور ہر قدم سوچا سمجھا ہوا ہوتا ہے، جو آدرش وادی ہٹھ کا عادی نہیں بلکہ خارجی حالات کا جائزہ لے کر نتائج اخذ کرنے کا خوگر ہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ موثر طرزِ بیان اور کیا ہو سکتا ہے کہ "زندگی کو باقی رکھنے کی غرض سے عمر بھر کی تعلیم اتنی ضروری ہو گئی ہے کہ اُسے نظر انداز کرنا اپنی تباہی کو دعوت دینا ہے۔" ہندوستان کی تہذیبی قدامت اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہونے کے اعتبار سے اس کی عظمت کا راگ الاپنا ہمارا روز کا معمول سا بن گیا ہے، مگر یہ انہی بیدار مغز اور بالغ نظر رہنماؤں کی ہمت تھی کہ انھوں نے ملک کو جتلا دیا ہے کہ "اپنے اس قومی فخر کی اصلیت ہمیں اس حقیقت کے آئینے میں دیکھنی ہوگی کہ اس قدیم ملک اور دنیا کی اس سب سے بڑی جمہوریت میں بیس کروڑ سے زیادہ آدمی ان پڑھ ہیں اور اگرچہ آزادی ملنے کے بعد ہی سے ہم اقتصادی آزادی حاصل کرنے کی جد و جہد کر رہے ہیں لیکن کامیابی کا منھ دیکھنا ہمیں اب تک نصیب نہیں ہوا۔" اسی طرح یہ بات کہ "ہمارے سامنے بس دو ہی چیزیں ہیں جن میں سے ہمیں اپنے لئے ایک چیز منتخب کرنی ہے: اپنی تعلیمی پستی کے خلاف فوراً آگے

فوراً اور پوری قوت کے ساتھ جنگ کرنا یا اپنے آپ کو بربادی کے غار میں جھونک دینا" اس قدر واضح اور فیصلہ کن طریقے پر صرف وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جنھیں حالات پر پوری پوری دسترس حاصل ہے اور جنھیں ملک کے مستقبل کا نقشہ صاف اور روشن نظر آسکتا ہے۔

غرض خواندگی اور اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت کے باب میں آیو کانفرنس کا بیان ہر اعتبار سے اڈلٹ ایجوکیشن کی ہندوستانی تحریک میں ایک تاریخی موڑ کی حیثیت کا حامل ہے۔

لیکن اس بیان کو پڑھنے کے بعد اس میں ایک کمی کا احساس بھی ہوتا ہے اور یہ کمی ایسی ہے کہ اس کو پورا کئے بغیر اس "بیان" کی اہمیت کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے اور اس کے بارے میں کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ اسی قسم کی باتیں اب سے پہلے ہمیشہ بھی کہتے رہتے تھے، جن کا کوئی اثر و رسوخ نہیں تھا اب کچھ سوچ کر یا چھوٹوں کی ہمت بڑھانے کی غرض سے بزرگوں نے بھی وہی باتیں دہرادی ہیں، جن کا کچھ اثر و رسوخ ہے۔ اس "بیان" میں یہ بات واضح نہیں کی گئی ہے کہ یہ سب کچھ کرے گا کون؟ "بیان" میں تاکید و تاثیر پیدا کرنے کی غرض سے یہ بات تو بجا طور پر کہی گئی ہے کہ "ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مقصد کے لئے وہ جوش و خروش اور وہ بے تابی پیدا کی جائے جس نے جنگ آزادی کو شعلہ زن کیا تھا اور اس وقت نظر آئی تھی جب ۱۹۶۲ء میں ہماری قومی سرحدوں کو خطرہ لاحق ہوا تھا" یا یہ کہ "قومی تعلیم کے مسائل کو اسی جذبہ و احساس تشویش کے ساتھ ہاتھ میں لینا چاہئے جو کسی جارحیت یا بیرونی حملے کے وقت نظر آتا ہے اس لئے کہ ہماری قومی زندگی جس خطرے سے دوچار ہو رہی ہے وہ اسی طرح تشویشناک ہے جیسے کوئی بیرونی حملہ"، لیکن یہ صاف صاف نہیں بتایا گیا ہے کہ ناخواندگی اور جہالت کے خطرناک دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے ملک میں جنگی پیمانے پر جوش و خروش اور جذبۂ قربانی عام کرنے کے لئے کام کون اور کس طرح کرے گا؟

اگر یہ خطاب حکومتِ وقت سے ہے تو حکومتوں کا معمول تو یہ ہوتا ہے کہ جمہور کی طرف سے سَو کا مطالبہ آئے تو اس میں سے پانچ کے بقدر مان لیا جائے۔ تو اس حد تک تو ہماری حکومت بھی کر رہی ہے۔ اس نئے "بیان" کے زیر اثر حکومتوں کے فلسفۂ عمل کی روشنی میں اتنا ہی تو ہوگا کہ پانچ میں پانچ کا اضافہ اور ہو جائے گا لیکن اُدھر جمہور کا مطالبہ سَو کے مقابلے میں مزید ڈھائی یا تین سَو کا ہو گیا ہوگا تو کیا آبو کانفرنس کے بیان کے مصنفین اس سے مطمئن ہو جائیں گے؟ اور اگر نہیں ہوں گے تو اور کیا کریں گے؟ اس باب میں جمہور کے لئے ان کا کیا مشورہ ہے۔

اس "بیان" کے مطابق بھی اور ویسے اصولی طور پر بھی ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کے دو نمایاں پہلو ہیں۔ ایک ناخواندگی کا خاتمہ اور دوسرے اڈلٹ ایجوکیشن خاص۔ ہندوستان جیسے طویل و عریض ملک میں جہاں

۹۰ فی صدی سے زیادہ ناخواندگی ہو، اوّل الذکر پہلو کی انجام دہی سوائے حکومت کے کسی دوسرے فرد یا جماعت کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور چونکہ اس کی نوعیت مستقل تعلیمی کام کی نہیں بلکہ ایک جنگی مہم کی ہے جو ایک مقررہ مدت کے بعد ختم ہو جانے والی ہے، اس لئے اس کے اوپر عارضی طور پر زیادہ سے زیادہ سرمایہ اور محنت صرف کرنا ضروری بھی ہے اور آسان بھی — اُسی طرح ضروری اور آسان جیسے وباؤں، سیلابوں یا طوفانوں کے مارے ہوئے لوگوں کی دستگیری اور بحالی کی مہم ضروری اور آسان ہوتی ہے مگر یہ فریضہ بہرحال حکومت کا فریضہ ہوتا ہے، انسان دوست اشخاص اور رضاکار ادارے محض ہاتھ بٹانے کی حد تک کام کرتے ہیں۔

اس کے برعکس اڈلٹ ایجوکیشن خاص کا پروگرام جسے کانفرنس کے "بیان" میں "ہمیشہ جاری رہنے والی تعلیم" سے تعبیر کیا گیا ہے چونکہ انسان کی عمر بھر کی تعلیم کا پروگرام ہے اور جب تک زندگی باقی ہے اُس وقت تک یہ کام بھی باقی رہے گا اس لئے یہ ان اشخاص اور جماعتوں کا منصب ہے جن کا جمہور سے شب و روز کا اور براہِ راست واسطہ اور تعلق ہوتا ہے۔ عوام سے، حکومت کا تعلق براہِ راست اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور کام کاج کرتے ہمہ وقت قائم رہنے والا تعلق نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اس کام میں ضابطہ اور ریڈ ٹیپجر کو کامیابی نہیں ہوتی جو سرکاری اہتمام میں ہونے والے کام کی امتیازی اور لازمی خصوصیت ہے۔

خاتمۂ ناخواندگی اور اڈلٹ ایجوکیشن خاص کی مذکورہ بالا تعریف کو نظر میں رکھئے تو آپ کو کانفرنس کے زیرِ نظر "بیان" میں یہ بات صاف اور واضح الفاظ میں کہی جانی چاہئے تھی کہ خاتمۂ ناخواندگی کے لئے حکومت کو جنگی پیمانے پر مہم شروع کرنی چاہئے جو سال ڈیڑھ سال میں اپنا کام پورا کر کے ختم ہو جائے۔ اس کے بعد اڈلٹ ایجوکیشن خاص کی باری آتی ہے جس کے لئے حکومت کو چاہئے کہ اس کے لئے واقف کار اور کارپرداز اشخاص اور رضاکار جماعتوں کو تیار کرے اور خاتمۂ ناخواندگی کی مہم ہی کی طرح کے جوش اور ولولے کے ساتھ روپے پیسے، صلاح مشورے اور ساز و سامان سے اُن کی پشت پناہی کرے، مگر اسی کے ساتھ اُن کے پاؤں میں ضابطوں اور ریڈ ٹیپجروں کی بیڑیاں نہ ڈالے۔

ہمارے اس دردمندانہ تبصرے کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ جہاں اگلے دس سال کے اندر ناخواندگی کو ختم کر دینے کی بات کہی گئی ہے وہاں اس سے یہی مراد ہے کہ حکومت براہِ راست اپنے اہتمام میں خاتمۂ ناخواندگی کی مہم منظم کرے۔ اور اڈلٹ ایجوکیشن خاص کے لئے ایک قانونی نیشنل کاؤنسل قائم کرنے کی سفارش کے پیچھے یہی خیال کار فرما ہے کہ حکومت اڈلٹ ایجوکیشن کا پروگرام براہِ راست اپنے اہتمام میں نہ چلائے بلکہ اس کے لئے جتنا سرمایہ اور محنت

وہ فراہم کر سکتی ہے، اسے اس کاؤنسل کی تحویل میں رے دے۔ اس جواب کے بارے میں ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اِس طرزِ اظہار کو معمّہ حل کرنے کی دعوت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ اور اگر اس معمّے کا مذکورہ بالا حل صحیح بھی مان لیا جائے تو ہم گزارش یہ کریں گے کہ دس سال کے کسی پروگرام کو "مہم" کے نام سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو وہی سُست روی (GO SLOW) والی پالیسی ہے جس کی خود "بیان" میں مخالفت کی گئی ہے۔ رہی نیشنل کاؤنسل کے قیام کی سفارش تو سب جانتے ہیں کہ دفتر شاہی کے دور دورے کے موجودہ ماحول میں اِس نیشنل کاؤنسل اور تعلیم کی وزارت یا ریاستی محکموں کے درمیان کوئی نمایاں فرق نہیں ہوگا۔ اس کو بھی چھوڑیئے۔ اس بات کو یوں دیکھئے کہ جب اس کام کے اصول اور نظریئے کے معاملے میں ہم صاف گوئی سے کام لے سکتے ہیں تو ہم کو اس کے عملی پہلو کے معاملے میں بھی بات کو صاف صاف کہنے کے بجائے اُسے چھپا کر کہنے میں کون سی مصلحت ہے؟

غرض آبو کانفرنس کے "بیان" میں یہ کمی بُری طرح محسوس ہوتی ہے اور اس معاملے میں حکومت سے کوئی بات کہنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اس سوال سے کہ "یہ سب کچھ آخر کرے گا کون"؟ دماغ میں جو اُلجھن پیدا ہوتی ہے اُسے خود "بیان" کے مصنفین صاف کر دیں۔

اگلے دس سال میں ناخواندگی ختم ہو جانی چاہیے

آبو کانفرنس کی پُرزور سفارش

اپریل ۱۹۶۵ء کی سات سے گیارہ تاریخ تک آبو میں راجستھان یونیورسٹی اور انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے مشترک اہتمام میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کے رہنماؤں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس نے ایک متفقہ بیان شائع کیا ہے جسے ہم انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے شکریے کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔

ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک میں یہ غالباً پہلا موقع ہے جب اتنی صفائی اور تاکید کے ساتھ خاتمۂ ناخواندگی اور اڈلٹ ایجوکیشن کے ایک مستقل نظام کی ضرورت کو بیان کیا گیا ہے اور اس اعتبار سے یہ بیان تحریک کی تاریخ میں ایک انقلابی اہمیت کا حامل ہے۔ امید ہے کہ ملک کے تعلیمی نظام کے اربابِ حل وعقد اس بیان پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔

—— ایڈیٹر

ناخواندگی کا خاتمہ: دس سال میں

"زندگی کو باقی رکھنے کے لئے عمر بھر کی تعلیم" اتنی ناگزیر ہو گئی ہے کہ اُسے نظر انداز کرنا اپنی تباہی کو دعوت دینا ہے۔ "زندگی کو باقی رکھنے" سے مراد ہے جمہوری طرزِ زندگی کی بقا، عوام کی اقتصادی اور سماجی فلاح و بہبود اور شخصی زندگی

میں لطافت و نفاست پیدا کرنے کا عزم۔ ہمارے ملک میں بحالتِ موجودہ یہ باتیں اڈلٹ ایجوکیشن کے مسائل ہیں۔

ہندوستان ایک قدیم تہذیب کا وارث ہے اور اُسے جدید دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا مقام حاصل ہے۔ مگر ان معاملات میں ہمیں اپنے اس فخر کو اس حقیقت کے آئینے میں دیکھنا ہوگا کہ اس ملک میں اس وقت ۲۰ کروڑ سے زیادہ آدمی ان پڑھ ہیں، اور ہم سیاسی آزادی حاصل ہونے کے وقت سے اب تک اقتصادی آزادی حاصل کرنے کے لئے جدّوجہد کرتے رہے ہیں (لیکن ابھی تک کامیابی کا منھ دیکھنا نصیب نہیں ہوا) چنانچہ اگر ہمیں اپنی اس قومی خودداری اور اعزاز کو باقی رکھنا ہے اور ہمارے دستور میں جن آدرشوں کی کارفرمائی ہے انھیں محض فرضی نہیں بلکہ امرِ واقعی ثابت کرنا ہے تو اس کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کے ایک جامع اور ہمہ گیر پروگرام کی اشد ضرورت ہے۔

آزادی کے گذشتہ اٹھارہ سال میں خواندگی کے اوسط میں بس ذرا ہی سا اضافہ ہوا ہے۔ ایسی حالت میں کہ آبادی میں برابر اضافہ ہوتا جارہا ہے اور قومی منصوبوں میں خواندگی کے لئے بس برائے نام گنجائش رکھی جاتی ہے، یہ ظاہر سی بات ہے کہ ملک کا ہر فرد ایک طول طویل مدت سے پہلے خواندہ نہیں بن سکتا۔ مگر اتنی طویل مدت تک ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ خواندگی کے پروگراموں کو ہمارے قومی منصوبوں میں وہ حیثیت حاصل ہونی چاہئیے جو سب سے پہلے کرنے کے کاموں کو حاصل ہوتی ہے۔ آدمی اور سامان کی شکل میں ہمارے پاس جو کچھ بھی وسائل موجود ہیں انھیں اس کام پر لگا دینا چاہئیے۔ اور اس قومی مہم کی منزل یہ ہونی چاہئیے کہ ملک سے دس سال کے اندر اندر ناخواندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

تعلیم کا تسلسل

مگر اسی کے ساتھ یہ بات یاد رکھنی چاہئیے کہ خواندگی ہی کافی نہیں ہے۔ جس طرف کان لگائیے، یہی شور و شیون سنائی دیتا ہے کہ ہماری تعلیم کا معیار بہت پست ہو گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ شخص کو بھی نئے سر سے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے کہ ناقص التعلیم لوگ بھی جہاں تک اپنے یا اپنے ملک کے لئے مفید ہونے کا تعلق ہے، غیر تعلیم یافتہ لوگوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتے۔ یہ تو یہ جدید دنیا کے پیچیدہ تقاضوں کے ماحول میں معقول حد تک تعلیم پائے ہوئے لوگوں کی تعلیم بھی تعلیم نہیں رہتی تا آنکہ وہ اپنے ذہنی ساز و سامان کی مستقل تجدید کرتے رہیں۔ ایسے تعلیم یافتہ لوگوں کی پیشہ ورانہ صلاحیت و مہارت میں ترمیم و اصلاح کرتے رہنا اور ان کے شعور و احساس میں گہرائی اور جلا پیدا کرتے رہنا تسلسلِ تعلیم

(CONTINUING EDUCATION) کے اوّلین فرائض میں شامل ہے۔ یہ فوری طور پر انجام دیے جانے والے کام ہیں اور ان کے بارے میں اُس وقت تک انتظار نہیں کیا جا سکتا جب تک خواندگی کے نشانے پورے نہ ہو جائیں۔

ممکن ہے کچھ لوگوں کو یہ نظر آئے کہ ملک کی بے پایاں ناخواندگی کے تقاضے اور ساتھ ہی ساتھ تسلسلی تعلیم کی ضرورتوں کو پورا کرنا ملک کے محدود وسائل کے بس کی بات نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ہو سکتا ہے کہ خواندگی کا تھوڑا بہت پروگرام چلاتے رہنے اور تسلسلی تعلیم کے لئے عملاً کچھ نہ کرنے کی پالیسی کو عملی لوگوں کی دانش مندی سمجھ لیا جائے۔ مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہی مسئلہ دوسرے ملکوں کے سامنے بھی آ چکا ہے ——

—— اور انھوں نے اس کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ غرض اس وقت ہمارے سامنے دو ہی چیزیں ہیں جن میں سے اپنے لئے ایک کا انتخاب کرنا ہے: اپنی تعلیمی پستی کے خلاف فوراً کے فوراً اور پوری قوت کے ساتھ جنگ کرنا یا تباہی۔

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اپنے وسائل اور وسائل کے امکانات کی بس شُدبُد ہی ہے، اُن کا ہم کو صحیح اندازہ نہیں ہے۔ اس وقت حکومت، یونیورسٹیاں، رضاکار ادارے اور عوام غرض سب کو اس مسئلے کی شدّت کا احساس کرانے اور اُسے حل کرنے کی غرض سے مل کر زور لگانے کے لئے آمادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں غالباً سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہوگا کہ عوام کو جتلایا جائے کہ ناخواندگی اور تعلیمی پستی کے ہاتھوں ملک کو کتنا زبردست نقصان پہنچنے والا ہے اور خواندگی اور تعلیم کی بدولت ترقی کے کیا کیا امکانات ہیں۔ اس مہم کو شدومد سے چلانے کی غرض سے معلومات بہم پہنچانے والے جتنے وسائل میسّر ہوں، جدید یا روایاتی ان سب کو اس کام پر لگا دینا چاہئے۔ عوامی وسائل معلومات رسانی میں روایاتی طریقوں کا استعمال، جیسے لوک کلائیں ہیں، جدید مشینی طریقوں —— سینما، ریڈیو، اخبارات —— کے دوش بدوش ہونا چاہئے۔ انھی طریقوں کا استعمال اڈلٹ ایجوکیشن کے اصل پروگراموں کو مقبول اور کامیاب بنانے کی غرض سے بھی جاری رکھا جا سکتا ہے۔

اس میدان میں کام کرنے کے لئے زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے کارکن بھرتی کئے جانے چاہئیں۔ ضرورت اس وقت اِس بات کی ہے کہ لوگوں میں وہ لگن اور بے تابی پیدا کی جائے جس نے آزادی کی تحریک کو شعلہ زن کیا تھا اور جو اُس وقت دیکھنے میں آئی تھی جب ۱۹۶۲ء میں ہماری سرحدوں کو خطرہ لاحق ہوا تھا۔ موجودہ صورتِ حال میں قوم پروری کا ایک اور صرف ایک مطلب اور معیار ہو سکتا ہے اور وہ ہے جہالت اور افلاس کے خلاف قومی جنگ میں تن من دھن کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کر دینے کا جذبہ۔

یونیورسٹیوں کا کردار

اس معاملے میں ہمارے ملک کی یونیورسٹیوں کا بڑا اہم کردار ہے۔ انھیں چاہیئے کہ وہ ریسرچ اور توسیع تعلیم کے پروگراموں کے ذریعے علمی سطح پر تحریک کی رہنمائی کریں اور اڈلٹ ایجوکیشن کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے کارکنوں کو ٹریننگ دیں۔ اس کے علاوہ مختلف اداروں نے جو کچھ کام کیا ہے یونیورسٹیاں اس کی جانچ کرکے اس کا معیار اور اس کے اثرات متعین کریں، اور اس اہم کام میں معلومات اور افکار و نظریات کی نشرگاہ کا کام انجام دیں۔

نیشنل کاؤنسل

اس وقت ضرورت ہے کہ پارلیمنٹ کے ایکٹ کے ذریعے اڈلٹ ایجوکیشن کی ایک نیشنل کاؤنسل قائم کی جائے جو رضاکار اداروں، یونیورسٹیوں اور حکومت کے زیر اہتمام ہونے والے کاموں میں تال میل پیدا کرے، تجرباتی منصوبے چلائے اور حکومت کو مشورہ دے کہ اُسے اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام کے لئے کتنا اور کس شکل میں سرمایہ فراہم کرنا چاہیئے۔ اس کاؤنسل کے اہتمام میں اڈلٹ ایجوکیشن کے جو پروگرام مرتب کئے جائیں انھیں ہمارے ترقیاتی منصوبوں میں سب سے مقدم رکھا جانا چاہیئے۔

اسی طرح صنعتی اور کاروباری اداروں کو قانون کے ذریعہ مجبور کیا جانا چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام منظم کریں یا ایسے پروگراموں کے لیئے سرمایہ فراہم کریں۔ اس معاملے میں خواندگی کو تمام ترقیاتی منصوبوں کا لازمی جزو قرار دے کر خود حکومت کو پہل کرنی چاہیئے۔ اس کے علاوہ اُسے یہ بھی کرنا چاہیئے کہ سرکاری ملازمتوں کے لئے شرط لگا دے کہ ملازم وہی لوگ رکھے جائیں گے جو اپنی تعلیم کو ہمہ وقت تازہ اور جاری رکھنے کا عہد کریں۔

ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ ایک ایسا قومی نظام تعلیم جس کا رُخ ان فوری کاموں کو انجام دینے کی طرف ہو اُسے نافذ کرنے میں تاخیر گناہ تصور کی جانی چاہیئے۔ ان کاموں کو اُسی جوش و خروش اور احساس تشویش کے ساتھ فوراً شروع کر دینا چاہیئے جو جوش و خروش اور احساس تشویش کسی خارجی جارحیت یا حملے کے وقت ہوتا ہے، اس لئے کہ ہماری ناواقفیت اور سستی کی بدولت ہماری زندگی کو جس خطرے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، وہ کسی خارجی حملے سے کم تشویشناک نہیں ہے۔

کانفرنس کی رپورٹ

کانفرنس ، ۳ر اپریل کو انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر موہن سنہا مہتا کی افتتاحی تقریر سے شروع ہوئی ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی تقریر میں اڈلٹ ایجوکیشن کے فلسفہ و مفہوم سے بحث کی تھی (یہ تقریر اگلے کسی شمارے میں شائع کی جائے گی ۔)

۵ر اپریل ۱۹۶۵ء کو اسی موضوع "اڈلٹ ایجوکیشن کا فلسفہ اور مفہوم" پر خواجہ غلام السیدین صاحب نے تقریر فرمائی ۔ اس کے بعد آگے کی تاریخوں میں کانفرنس نے "خواندگی کے مسائل" اور "اڈلٹ ایجوکیشن کے ادارون" پر بحث کی ۔ ان موضوعات کے علاوہ دو اور موضوع "تعلیم کا تسلسل" (اور اسی سلسلے میں "لبرل ایجوکیشن") اور "عورتوں کی تعلیم" پر بھی بحث ہوئی ۔ کانفرنس میں مختلف موضوعات پر ڈاکٹر ایچ ۔ پی ۔ سکسینہ ، شری جے ۔ سی ۔ ماتھر ۔ شری دی وی ۔ جوشی ، شری کے ۔ ایل ۔ بورڈیا ، شری ایم ۔ سی ۔ نانا وتی ، شری جے ۔ اے ۔ ڈریپر ، شری یو ۔ ایس ۔ گوڑ ، شری این این گڈوانی ، شری ایس ۔ سی ۔ دتا ، اور کماری جیندر راگوونت نے مقالات بھی پڑھے ۔

کانفرنس کے کھلے اجلاسوں کی صدارت ڈاکٹر وی ۔ ایس ۔ جھا ، شری جے ۔ پی ۔ نائک ، اور شریمتی رکشا سرن نے کی ۔ ڈاکٹر جان فرائرن نے رپورٹر کے فرائض انجام دیے ۔

کانفرنس کے اختتام پر ایک تجویز منظور کی گئی کہ "اڈلٹ ایجوکیشن کے معاملے میں یونیورسٹیوں کے کردار" پر بحث کرنے کی غرض سے جلد ہی ایک کانفرنس الگ سے منعقد کی جائے ۔

کانفرنس میں یہ سفارش بھی بڑے پر زور انداز میں کی گئی کہ پارلیمنٹ کے ایکٹ کے ذریعے اڈلٹ ایجوکیشن کی ایک نیشنل کاؤنسل قائم کی جائے ۔

(انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن)

سوویت روس میں مراسلاتی تعلیم کی سہولتیں

روس کا قومی نظامِ تعلیم اور مراسلاتی تعلیم

روس کے قومی نظامِ تعلیم کے ماتحت ایسے لوگوں کو جو روزگار سے لگے ہوئے ہیں اور اپنی علمی لیاقت بڑھانے کے خواہش مند ہیں، انھیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں میسر ہیں۔ مراسلاتی تعلیم کے شعبے اور شبینہ اسکول اس میدان میں بہت اہم اور نمایاں کردار انجام دے رہے ہیں۔ یہ ادارے کس قدر مقبول ہیں اس کا ثبوت ہائر سکینڈری اور اسپیشل اسکولوں کے امتحانات کے نتائج سے مل جائے گا۔ ان امتحانوں کو پاس کرنے والوں میں عموماً نصف تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جو پڑھائی کے ساتھ کوئی نہ کوئی کام دھندا بھی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی پڑھائی کا اہتمام شبینہ اسکول اور مراسلاتی تعلیم کے شعبے کرتے ہیں۔ روسی نظامِ تعلیم میں اسی وجہ سے مراسلاتی طریقۂ تعلیم کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

داخلے کی شرائط

کسی یونیورسٹی کے مراسلاتی تعلیم کے شعبے یا مراسلاتی کالجوں میں داخلہ لینے کے لئے طالب علم اپنی پسند کے مختلف مضامین میں داخلے کے امتحانات میں شرکت کرتے ہیں۔ ٹیکنکل کورسوں میں داخلہ چاہنے والوں کو میتھمیٹکس، فزکس اور کیمسٹری میں داخلے کا امتحان پاس کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ادب کے گروپ میں داخلہ لینے والوں کے لئے روسی زبان و ادب کوئی ایک بدیسی زبان اور تاریخ کے امتحان میں شریک ہونا ضروری ہوتا ہے۔

طریقِ کار

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں خط و کتابت کے ذریعہ تعلیم کے مخصوص نصاب تیار کئے جاتے ہیں۔ جن میں اس بات کی

گنجائش رکھی جاتی ہے کہ نصاب کا بیشتر حصّہ طالب علم اپنے طور پر درسی کتابوں اور دوسرے تعلیمی سامانوں کے ذریعہ خود پورا کرسکیں اس نصاب تعلیم کے ماتحت طالب علم کو مقررہ پروگرام کے مطابق اپنے مطالعے کی تحریری رپورٹ اپنے معلم کے پاس بھیجنی ہوتی ہے۔ ایسے جانچ رپورٹ کہا جاتا ہے۔ ان رپورٹوں کو دیکھ کر معلم اس کی تعلیمی کیفیت کا اندازہ کرتے ہیں آخر میں طالب علموں کو کوئی تحقیقی مقالہ لکھنا ہوتا ہے۔ اس کی رپورٹ بھی وہ معلموں کے پاس برابر بھیجتے رہتے ہیں۔

عملی تجربات کی سہولتیں اور امتحانات

جو طالب علم مطلوبہ کام کامیابی سے پورا کر لیتے ہیں ان کو لیبارٹری میں جانچ اور عملی تجربے کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ اس طرح ہر سال کے آخر میں سالانہ امتحانات پاس کرنے کے بعد آخری سال میں وہ بورڈ کے فائنل امتحان میں شرکت کرتے ہیں اور متعلقہ موضوع پر تحقیقی مقالہ پیش کرتے ہیں یا کوئی پروجیکٹ پورا کرکے جانچ کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہی انھیں ڈگری ملتی ہے۔

امتحانات دینے کی سہولیت

جب مراسلاتی طالب علم کو سالانہ امتحان دینے، لیبارٹری میں عملی تجربے کے کاموں میں شریک ہونے کے لئے بلایا جاتا ہے، اس وقت انھیں ۳۰ سے لے کر ۴۰ یوم کی مزید رخصت دی جاتی ہے۔ رخصت کی یہ مدت ان کے تعلیمی سال کے مطابق طے کی جاتی ہے۔ اس دوران انھیں باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس کے علاوہ مراسلاتی طالب علموں کو اُس وقت ۳۰ دن کی مزید باتنخواہ رخصت ملتی ہے جب وہ فائنل امتحان میں شرکت کرنے جاتے ہیں۔ امتحان کے آخر میں تحقیقی مقالہ لکھنے یا کوئی پروجیکٹ چلانے کے وقت انھیں چار مہینے کی مزید رخصت دی جاتی ہے۔

مراسلاتی طالب علم کو اگر لیبارٹری میں عملی تجربات کرنے یا سالانہ امتحان دینے کے لئے دور کسی یونیورسٹی یا کالج سفر کرکے جانا ہوتا ہے تو اس آمد و رفت کا آدھا خرچ وہ ادارہ برداشت کرتا ہے، جہاں یہ طالب علم کام کر رہے ہوتے ہیں۔ تعلیم کے سارے اخراجات حکومت برداشت کرتی ہے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مراسلاتی طالب علم کی رہائش گاہ مراسلاتی تعلیم کے اس مرکز سے سینکڑوں میل دور ہے یا ہزاروں میل، جہاں وہ کسی خاص موضوع پر مہارت خصوصی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مطالعے کے پہلے تین سال میں اُسے یہ مواقع حاصل ہوتے ہیں کہ وہ اپنے قریب کے کسی بھی اسکول میں اپنا مطالعہ جاری رکھ سکے۔ پہلے تین سال میں اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ اس اسکول میں متعلقہ موضوع پر مہارت خصوصی

حاصل کرنے کی سہولتیں موجود ہوں۔

مراسلاتی تعلیم کا میدان برابر پھیلتا جا رہا ہے۔ اب تو بہت سے شہروں میں ملک کے مشہور ہائر سکینڈری اسکولوں اور اسپشل اسکولوں کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ یہ مرکز خط و کتابت کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کو ضروری مشورہ وغیرہ دے کر ان کی رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔

ٹیلی ویژن کے ذریعہ تعلیم

تعلیم میں ٹیلی ویژن کا استعمال اب بڑھتا جا رہا ہے۔ لینن گراڈ کے ٹیلی ویژن اسٹیشن نے اب نصابی تعلیم کے پروگرام نشر کرنے کا انتظام بھی کیا ہے۔ نئے تعلیمی سال سے مراسلاتی تعلیم کے پہلے سال کے طالب علم میتھمیٹکس جومیٹری، جنرل کیمسٹری، میکنکس اور فزکس کے اسباق ٹیلی ویژن کے ذریعہ پڑھ سکیں گے۔

ٹیلی ویژن کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والے طالب علموں کو ان لیکچروں کا تحریری خلاصہ پہلے سے مل سکتا ہے۔ اس سے انھیں ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والے پروگرام کو توجہ سے سننے اور انھیں اچھی طرح سمجھنے میں آسانی ہوگی اور وہ ٹیلی ویژن پر پروگرام کو دیکھتے وقت نوٹ وغیرہ لینے کی جھنجھٹ سے بچ جائیں گے، جس میں کافی الجھن بھی ہوتی ہے اور پروگرام کو توجہ سے سننے میں خلل بھی پڑتا ہے۔

مراسلاتی تعلیم کی رفتار ترقی کا ایک جائزہ

۱۹۳۰ء کے آس پاس کچھ اسکولوں اور کالجوں نے اپنے یہاں مراسلاتی تعلیم کے شعبے قائم کرنا شروع کر دیئے تھے۔ آج مراسلاتی تعلیم روس کے قومی نظام تعلیم کا ایک اہم اور لازمی جزو بن چکی ہے۔ اب ان شعبوں کے ماتحت سکنڈری اسکول، اسپیشل اسکول اور اعلیٰ تعلیم کے نصابوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔

خط و کتابت کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کی تعداد بھی دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔ ۶۴-۱۹۶۳ء کے تعلیمی سال میں روس میں خاص مراسلاتی تعلیم کے ۱۹ اسکول اور ۸ شبینہ اسکول تھے۔ ان کے علاوہ دن کے وقت چلنے والے عام اسکولوں میں شام کے اسکول چلتے تھے۔ ٹیکنکل تعلیم کے میدان میں مراسلاتی تعلیم کے ۴ ۱۵ اسکول کام کر رہے تھے اور اسپیشل سکنڈری اسکولوں میں مراسلاتی تعلیم کے ۸۰ ،۷ شعبے تھے۔ ان میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی مجموعی تعداد ۱۴ لاکھ ۹۳ ہزار تھی۔

مطالعے کی سہولتیں

خط وکتابت کے ذریعہ جو لوگ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان کے لئے پڑھنے لکھنے کی مزید سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں بھی کچھ اقدامات کئے گئے ہیں۔ کوشش کی جاتی ہے کہ ان طالب علموں کو اپنی رہائش گاہ یا روزگار کے مرکزوں سے قریب تعلیم کے سلسلے میں سٹور وغیرہ حاصل کرنے کی سہولت حاصل ہوں۔ اس سلسلے میں ملوں، فیکٹریوں، ریاستی فارموں اور بڑی بڑی بستیوں میں جگہ جگہ تعلیم کے مشاورتی مرکز اور اسکول کی شاخیں قائم کی گئی ہیں۔ لیبارٹری اور پڑھنے کے کمروں کا انتظام بھی ان جگہوں پر، جہاں یہ طالب علم پڑھائی لکھائی اور عملی تجربے کر سکتے ہیں۔

ملکی ترقی اور مراسلاتی تعلیم

اس وقت ملک کی اقتصادی ترقی کے تمام شعبوں میں جو ماہرین کام کر رہے ہیں ان میں سے بیشتر نے یا تو خط وکتابت کے ذریعے تعلیم حاصل کی ہے یا شام کے اسکولوں میں۔ گزشتہ سال ہائر سکنڈری اور اسپیشل سکنڈری اسکولوں کا آخری امتحان پاس کر کے نکلنے والوں میں ۳۰ فی صدی وہ لوگ تھے جنھوں نے یا تو شام کے اسکولوں میں پڑھا تھا یا مراسلاتی تعلیم کے شعبوں کی مدد سے گھر پر اپنے طور پر نصاب مکمل کیا تھا۔

خط وکتابت کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کو یہ مواقع حاصل ہیں کہ وہ اپنا آخری مقالہ لکھنے یا ڈپلوما حاصل کرنے کے لئے کسی پروجیکٹ کی تکمیل کا کام انھیں اداروں میں رہ کر پورا کر سکیں جہاں وہ کام سے لگے ہوئے ہیں۔ عام اسکول کے طالب علموں کی طرح انھیں پریکٹیکل ٹریننگ یا دوسرے سامان وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کہیں اور نہیں جانا پڑتا ہے اس لئے کہ انھیں بیشتر سہولتیں خود انھیں اداروں میں مل جاتی ہیں، جہاں وہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔

ٹکنیکل یا زراعت کے میدان میں کام کرنے والے طلبا اگر متعلقہ مضامین میں اپنا مطالعہ آگے جاری رکھتے ہیں تو اس سے ان کی پیداواری صلاحیت بڑھتی ہے اور انھیں اپنی لیاقت بڑھا لینے کے بعد ترقی مل جاتی ہے۔

طالب علموں کی رہنمائی کرنے والی کتابیں

مراسلاتی تعلیم کے ماتحت طلبا کو مطالعہ کے سامان فراہم کر دیئے جاتے ہیں، جن کی بنیاد پر وہ آزادانہ طور پر اپنا مطالعہ جاری رکھتے ہیں ہر طالب علم کے پاس ہر سال ایک نصاب بھیج دیا جاتا ہے جس سے ان کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ

انھیں اس سال کیا کیا پڑھنا ہے۔ یہ پڑھائی کس طرح کی جائے۔ سال رواں کے اندر نصاب تعلیم میں ان سے کن چیزوں کی تکمیل کی امید کی گئی ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ انھیں متعلقہ موضوع پر مقالے وغیرہ لکھنے میں کہاں سے کیا کیا مواد حاصل ہو سکتا ہے اور ان کے کام کی جانچ کا کیا طریقہ رہے گا۔

اسکولوں سے رابطہ

مراسلاتی اسکول خط و کتابت کے ذریعہ طالب علموں سے رابطہ قائم رکھتے ہیں۔ اسکول خط و کتابت کے ذریعہ طالب علموں کی تحریری جانچ لیتے رہتے ہیں۔ وہ ان کے تحریری جوابات کی بنیاد پر طالب علموں کو مشورے دیتے ہیں اور مقالہ وغیرہ لکھنے میں ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ طالب علم کو ہر موضوع پر ضروری کتابیں اور دوسرے تعلیمی سامان اپنی یونیورسٹیوں سے مل جاتے ہیں۔

—— پائٹر یولوکہن

بقیہ مضمون صنہ ۲

بین الاقوامی تعاون کا بہترین نمونہ

یوگوسلاویہ کے رہنے والے مسٹر ملورن مانک، جو مالی میں یونیسکو کے چیف ایکسپرٹ ہیں۔ آپ نے بتایا کہ مالی میں خواندگی کی یہ تحریک جس طرح شروع کی گئی اور تعلیم کے دوسرے میدانوں میں جس طرح مختلف ملکوں سے مل جل کر کام ہو رہا ہے وہ بین الاقوامی اور دو ملکی معاہدوں کی بنیاد پر امداد و تعاون کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

(یونیسکو)

مالی میں خواندگی کی قومی تحریک

خواندگی کی قومی تحریک

مالی افریقہ کے نئے آزاد ملکوں میں ایک ہے۔ اس ملک کی ۴۵ لاکھ کی آبادی ہے۔ اس میں سے تقریباً ۹۸ فی صدی آبادی ناخواندہ ہے۔ مگر یہ سارا ملک اس وقت ناخواندگی کے خلاف پوری تیاری کے ساتھ مورچہ جما چکا ہے۔ ناخواندگی کے خلاف لڑائی یہاں ایک ہمہ گیر قومی تحریک کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ملک کے ۲ فی صدی پڑھے لکھے لوگ اس کام میں آگے آگے ہیں۔

ترقیاتی پلان اور خواندگی کی تحریک

ہر پڑھا لکھا آدمی، خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں لگا ہوا ہو، خواندگی کی اس قومی تحریک سے وابستہ ہے۔ خواندگی کی یہ تحریک مالی کی حکومت کے پہلے پنجسالہ اقتصادی ترقیاتی منصوبے کا ایک حصہ ہے۔ مالی کے ہر پڑھے لکھے آدمی سے نہ صرف یہ کہ اس تحریک میں حصہ لینے کی امید کی گئی ہے بلکہ اب تو ہر آدمی اس میں عملی طور پر لگ بھی چکا ہے۔

رضاکاروں کا دستہ

ان رضاکاروں کو مانیٹر کا نام دیا گیا ہے۔ ان مانیٹروں میں نہ صرف اسکولوں کے اساتذہ شامل ہیں بلکہ عورتوں کی انجمن ٹریڈ یونینوں اور کواپریٹیو سوسائٹیوں کے ممبر دفتروں میں کام کرنے والے بابو، فیکٹروں کے منیجر ہوٹل کے مالک، بستی کے دوسرے پڑھے لکھے آدمی یہاں تک کہ فوج والے بھی شامل ہیں۔

اسکول ریڈیو پروگرام

خواندگی کے سینٹر اس وقت ملک کے تمام حصوں میں قائم ہیں۔ ان سنٹروں کے کام میں مدد دینے کے لئے ایک اور پروگرام بھی شروع کیا گیا ہے۔ یہ "اسکول ریڈیو پروگرام" ہے۔ خواندگی کی تحریک کو اس ریڈیو پروگرام سے بہت مدد مل رہی ہے۔ اسکول ریڈیو پروگرام ہفتے میں چھ دن، روزانہ شام کے وقت نشر کیا جاتا ہے۔ یہ پروگرام سال میں گیارہ مہینے چلتا ہے۔ صرف ایک مہینے یعنی رمضان کے مہینے میں بند رہتا ہے۔

عوامی پارٹی کا تعاون

خواندگی کی قومی تحریک چلانے کی پوری ذمہ داری وزارت تعلیم کی ہے اور وہی "اسکول ریڈیو پروگرام" کے لیے بھی ذمہ دار ہے۔ مگر حکومت سے زیادہ مالی کی عوامی پارٹی اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے کام کر رہی ہے۔ اس پارٹی نے اپنے مقامی نمائندوں کے ذریعہ خواندگی کی تحریک کے لیئے زمین ہموار کی ہے۔ پارٹی کے ان نمائندوں نے دور دراز کے گاؤں میں اور شمال کے جنگلی علاقوں میں بھی اس تحریک کی مشعل روشن کی ہے۔ یہ اسی پارٹی کا کارنامہ تھا کہ اس نے عوام کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ پڑھنا لکھنا سیکھنا نہ صرف ان کے لئے مفید ہے بلکہ ملکی مفاد کے نقطۂ نظر سے بھی ضروری ہے۔ اس کے لئے عوامی پارٹی نے گاؤں گاؤں اور بستی بستی میں لوگوں کو اس سلسلے میں ضروری معلومات بہم پہنچانے کی تحریک شروع کی۔

ملک کی ترقی کے لئے خواندگی کی ضرورت

مالی کے صدر مفیبو کیتا نے پنج سالہ ترقیاتی پلان کا اعلان کرتے ہوئے خواندگی کی تحریک کے سلسلے میں بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ اس اعلان نے گویا خواندگی کی تحریک کے سلسلے میں طریق کار متعین کرنے کے لئے ایک نمونہ پیش کر دیا ہے۔ مالی کے صدر نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ

> "پلان کی مدت میں ہمیں اپنے ملک کے تمام عناصر کو ناخواندگی کے خلاف مورچے پر لا کھڑا کرنا ہوگا ہر آدمی جو پڑھنا لکھنا جانتا ہے اسے اس کام میں ضرور اپنا کردار ادا کرنا چاہئے ....
>
> گھر کی بہو بیٹیوں اور ماؤں کی تعلیم سب سے ضروری ہے اور یہ وہ کام ہے جو اس ملک کی تمام پڑھی لکھی عورتوں کی مشترک ذمہ داری ہے ...."

وزارت تعلیم کے صلاح کار ڈاکٹر ینک بی ٹو اس قومی تحریک کے انچارج ہیں، انھوں نے ایک موقع پر مجھے بتایا کہ سب سے زیادہ اہمیت یہ بات سمجھنے کی ہے کہ خواندگی بذات خود کوئی مقصد نہیں ہے۔ ہمیں تو لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا کرنا ہے کہ ملکی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ہر آدمی چاہے وہ کھیت میں کام کرتا ہو یا کسی کارخانے میں جہاں تک ممکن ہو اتنا پڑھا لکھا ضرور جانتا ہو جو ان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے اور ان کے بعض کاموں کی انجام دہی کے لئے ضروری ہو۔

خواندگی کی تحریک ۱۹۶۱ء میں شروع کی گئی تھی یعنی آزادی ملنے کے دوسرے ہی سال۔ اس وقت خواندگی کے ۱۳ سنٹر قائم کئے گئے، جن میں ۲۵۸ طالب علموں نے داخلہ لیا تھا۔ اس وقت خواندگی کے مقامی سنٹروں کی نگرانی اور رہنمائی کے لئے ایک کنٹرول سنٹر قائم کیا گیا گذشتہ سال تک خواندگی کے سنٹروں کی تعداد بڑھ کر ۲۵۰ ہو گئی ہے جن کی نگرانی اور رہنمائی کے لئے ۹ کنٹرول سنٹر کام کر رہے ہیں۔ ان سنٹروں میں طالب علموں کی تعداد ۵۵ ہزار ۴۰۰ تھی۔ اس سال جو منصوبہ ہے اس کے مطابق ان سنٹروں کی تعداد اس سال کے آخر تک ۷۵۰ ہو جائے گی۔ ۱۰ کنٹرول سنٹر ہوں گے اور طالب علموں کی مجموعی تعداد ۹۰ ہزار پہنچ جائے گی، ہر سنٹر میں تین رضا کاروں کے حساب سے رضا کار اساتذہ کی تعداد ۲٫۲۵۰ ہو جائے گی۔

غیر حاضری کے مسئلے کا ایک حل

بالغوں کی خواندگی کی کلاسوں میں سب سے دشوار مسئلہ طالب علموں کا کلاس سے غیر حاضر رہنا ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کی ایک صورت یہاں ڈھونڈ نکالی گئی ہے۔ جلدی ہی ان ۹۰ ہزار طالب علموں اور ۲٫۲۵۰ رضا کار اساتذہ کو راشن کی سہولتیں فراہم کی جانے والی ہیں۔ زراعت اور غذا کے بین الاقوامی ادارے (ایف۔ اے۔ او) نے ایک تجرباتی اسکیم بنائی ہے، جس کے مطابق خواندگی کی کلاس میں آنے والے ہر طالب علم اور استاد کو باقاعدہ راشن دیئے جائیں گے اس میں ۵۰۰ گرام غلہ، ۵۰ گرام خشک دودھ، اور ۴۰ گرام بناسپتی گھی دیا جائے گا۔ یہ اسکیم دور دراز سے دن بھر کے تھکے ہارے لوگوں کو خواندگی کی کلاس میں پابندی سے آنے کے لئے بنائی گئی ہے جو خواندگی کی کلاس میں اکثر بھوکے پیاسے آتے ہیں۔ یہ اسکیم تجربے کے طور پر چلائی جا رہی ہے جس پر ۹ مہینے تک تجربہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد ایف۔ اے۔ او۔ اور مالی کی حکومت نتائج کی جانچ کرے گی۔

روزانہ ایک نیا سنٹر

آج کل خواندگی کے مرکز بہت تیزی سے قائم ہو رہے ہیں۔ روزانہ کسی نہ کسی گاؤں یا قصبے میں ایک نہ ایک نیا مرکز

ضرور قائم ہو جاتا ہے۔ ملک کی راجدھانی باماکو میں اور سکاسو میں سیگو اور سہارا ریگستان کے شمالی خطے گاؤ میں بھی اس طرح کے مرکز قائم ہوتے جا رہے ہیں۔ باماکو میں ابھی ایک مہینہ پہلے شہر کے حفظان صحت کے محکمے میں خواندگی کا ایک مرکز قائم کیا گیا تھا۔ اس محکمے کے ملازمین کو چوہے اور دوسرے کیڑوں کے مارنے کے لئے زہریلی دواؤں سے دن رات کا سابقہ رہتا تھا۔ ان ملازمین کے لئے ضروری تھا کہ وہ ان دواؤں کی بوتلوں اور ڈبوں پر لکھی ہوئی ہدایات پڑھ سکیں کہ انھیں یہ دوائیں کتنی مقدار میں اور کس طرح استعمال کرنی چاہئیں۔ اسی طرح خواندگی کا ایک مرکز جانوروں کے اسپتال اور مویشیوں کی نسل سدھار کے سنٹر میں بھی قائم ہے۔ شہر کے بیرونی علاقوں میں بھی اس طرح کے مرکز قائم ہیں جہاں گھر کی عورتیں، دکان پر کام کرنے والے اور درزی وغیرہ اپنے فاضل اوقات میں خواندگی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

کلاسوں کی کیفیت

میں اس طرح کے بہت سے مرکزوں کو دیکھ چکا ہوں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ہر عمر کے بالغ آدمی ان مرکزوں میں موجود ہیں۔ سفید داڑھی والے لکڑی ٹیک کر آنے والے بزرگ بھی، گود میں بچے لئے ہوئے مائیں بھی۔ لیکن اکثریت جوان اور ادھیڑ عمر والوں کی ہی دیکھی۔ یہ لوگ روزانہ شام کو ان مرکزوں میں باقاعدگی کے ساتھ پڑھنا لکھنا سیکھنے آتے ہیں۔ بچے آرام سے ایک کونے میں پڑے سوتے رہتے ہیں اور مائیں ریڈیو کا اسکول پروگرام سنتی ہیں۔ اس کے بعد وہ مانیٹروں کی نگرانی میں اپنا سبق وغیرہ یاد کرتی ہیں۔ وہ آوازوں اور الفاظوں کو دہراتی جاتی ہیں اور مشق کے لئے سلیٹوں اور بورڈوں پر نقل کرتی جاتی ہیں۔ جو چیزیں محفوظ رکھنی ہوتی ہیں، انھیں وہ کاپیوں پر لکھتی ہیں۔ مانیٹر کے بلانے پر وہ کلاس کے سامنے بلیک بورڈ پر بھی بتائی ہوئی باتیں لکھتی ہیں۔ کلاس میں مکمل سکون تھا، سب اپنی پڑھائی میں بہت انہماک سے لگی ہوئی تھیں۔

شہروں میں

اب جلد ہی بس کے بڑے بڑے اڈوں پر ڈرائیوروں، کنڈکٹروں اور دوسرے ملازمین کے لئے موٹروں کی مرمت کے بڑے بڑے کارخانوں میں خواندگی کے مرکز قائم کر دیئے جائیں گے۔ (مالی سمندری ساحل سے ہٹا ہوا ایک ایسا ملک ہے جہاں ریل کی صرف ایک لائن ساحل تک جاتی ہے اسی لئے اندرونی اور باہری آمد و رفت کے لئے بسوں کی بہت اہمیت ہے)۔ اسی طرح شہر کے کسی ایک خاص ہوٹل میں خانساموں، اور ویٹروں اور دوسرے ملازمین کے لئے خواندگی کا ایک سنٹر قائم کر دیا جائے گا۔ باماکو، بگندا اور کون لکورو میں سگریٹ اور ماچس تیار کرنے، روئی صاف کرنے

اور سبزیوں اور پھلوں کو محفوظ رکھنے اور مونگ پھلی کا عمدہ تیل نکالنے کے لئے جو نئی نئی فیکٹریاں کھل رہی ہیں ان سب میں بھی خواندگی کے مرکز قائم کئے جائیں گے تاکہ ان فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدور پڑھنا لکھنا سیکھ سکیں۔

دیہاتوں میں

دیہاتوں میں بھی یہ مرکز تیزی سے قائم ہوتے جا رہے ہیں۔ باماکو سے چند میل کے فاصلے پر پہاڑی کے دامن میں ایک چھوٹا سا گاؤں لاسا ہے۔ یہاں ۴۰۰ کی آبادی ہے۔ میں نے اس گاؤں کا خواندگی کا مرکز دیکھا جسے خود گاؤں والوں نے تعمیر کیا تھا۔ روزانہ رات کو حاضری کا اوسط ،، رہتا ہے۔ اس سنٹر میں چار مانیٹر ہیں جو باری باری سے پڑھاتے ہیں۔ ایک مانیٹر عثمان طلو، ایک چرواہا ہے، اس کے علاوہ کا سارا خاندان کے تین بھائی ہیں جو اپنے چھوٹے چھوٹے باغیچوں میں باغبانی کرتے ہیں۔ ان سب نے بتایا کہ انھیں اس کام سے جس کی انھیں خاص طرح کی ٹریننگ دی گئی ہے، وہ بہت خوش ہیں اور ان کو یہ دیکھ کر بہت اطمینان ہوتا ہے کہ ان کے شاگرد پڑھنے لکھنے میں دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

دونوں لڈو دونوں ہاتھ

خواندگی کی اس قومی تحریک کے لئے سازوسامان میں سے بیشتر سامان حکومت اور مالی کے عوام دونوں نے فراہم کئے ہیں۔ رضاکار مانیٹر بغیر کسی زور زبردستی یا دباؤ کے اپنی مرضی سے محنت اور وقت دیتے ہیں حکومت دوسری چیزیں مہیا کرتی ہے جیسے ریڈیو اور دیگر سامان وغیرہ اور گاؤں کے لوگ خود اپنے لئے مرکز کی عمارت کی تعمیر کرتے ہیں اور چندہ کرکے پٹرول کا لیمپ خریدتے ہیں تاکہ کلاس میں رات کے وقت خوب روشنی رہ سکے۔ کہیں کہیں لوگوں نے ٹرانزسٹر بھی خریدے ہیں تاکہ اسکول ریڈیو پروگرام کے بعد بھی وہ ریڈیو پروگراموں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ بین الاقوامی سطح پر یونیسکو جیسا ادارہ بھی اس کام میں مدد دے رہا ہے۔ اس نے اس تحریک کے لئے ایکسپرٹوں کی خدمات فراہم کی ہیں۔ اور خواندگی کے دیگر سازوسامان خاص طور سے فلم پروجیکٹر مہیا کئے ہیں۔ ایف۔ اے۔ او۔ نے راشن کی فراہمی کے ذریعہ اس پروگرام میں تعاون دیا ہے۔ اس طرح کے اور سازوسامان۔ خصوصاً سینما گاڑیاں، دو ملکی معاہدوں کی بنیاد پر امریکہ۔ روس۔ برطانیہ۔ فرانس اور چیکوسلاواکیہ نے فراہم کئے ہیں۔

(باقی مضمون ص ۱۵ پر)

خاتمۂ ناخواندگی کا منصوبہ

ایک مختصر خاکہ

سماجی بیداری کے بغیر آزادی بے معنی سی چیز ہے اور ملک میں سماجی بیداری پیدا کرنے کے لئے سوشل ایجوکیشن ضروری ہے۔

مقصد

(الف) وہ لوگ جو حالات سے مجبور ہو کر تعلیمی اداروں سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہے ہیں ان کو کارگر ذرائع سے وقت کے تقاضے کے مطابق خواندہ بنانا اور نوخواندہ لوگوں کی پڑھائی لکھائی کی مشق کو بحال رکھنے کے مواقع فراہم کرنا۔

(ب) ہر آدمی کو انفرادی اور سماجی حیثیت سے بیدار بنا کر وقت کے تقاضے اور سماج کی ضرورت اور مقامی حالات کے مطابق ایسی تعلیم دینا جس سے وہ اپنے سماج اور اپنے ملک اور اس دنیا کی زندگی کی اونچ نیچ کو سمجھ سکے اور سیاسی، سماجی، اقتصادی اور سائنسی میدان میں جو نئی نئی باتیں ہو رہی ہیں ان سے متعارف ہو سکے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکے۔

(ج) ہر آدمی کے اندر انفرادی اور سماجی زندگی کے سلجھانے کا حوصلہ پیدا کرنا۔ اس سمت میں ان کی اگوائی کرنا اور ان کے اندر پوشیدہ، جسمانی، ذہنی اور اخلاقی قوتوں کو اجاگر کرنے کے وسائل ڈھونڈھ نکالنا جس سے کہ وہ بڑے سے بڑے طوفان میں گھر کر بھی پریشان نہ ہوں اور اپنی زندگی

اور اپنے سماج کے بنیادی مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں ہو سکیں

پروگرام

انسان جب زندگی کے سفر پر رواں دواں ہوتا ہے تو یہ دنیا ایک بھیانک طوفان کی طرح اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے۔ طرح طرح کے مسائل اس کے چاروں طرف ایک جال سا تان دیتے ہیں۔ ان مسائل کا کوئی حل اس وقت تک نہیں دکھائی دیتا جب تک ان سارے مسائل پر ایک ساتھ نہ چوٹ پہنچائی جائے۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا پروگرام بھی اسی ہمہ گیر اصول کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے۔

غرض بالغوں کی تعلیم کے منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے اس اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ اس کے ماتحت جو پروگرام بنے وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرے۔ اس میں زندگی میں کام آنے والی ساری باتیں شامل ہوں۔ مطالعے اور تحقیق کی روشنی میں یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ بالغوں کی تعلیم کے پروگرام میں مندرجہ ذیل باتیں ضرور شامل ہونی چاہئیں۔

(۱) خواندگی اور تعلیم (۲) انفرادی اور سماجی صفائی ستھرائی
(۳) انفرادی اور سماجی صحت اور دوائی کی تقسیم
(۴) انفرادی اور سماجی برائیوں کا خاتمہ (۵) اقتصادی ترقی
(۶) صحت مند تفریح کا اہتمام
(۷) کتابوں کی تیاری اور پروپیگنڈا۔

خواندگی کی کلاس اور اس کی مدت

(۱) بالغوں کی خواندگی کی کلاس کی مدت ۶ مہینے ہونی چاہئے۔ یعنی سال میں دو سیشن ہوں۔ اور ہر سیشن میں ۲ ماہ خواندگی کی مشقی کلاسیں ہونی چاہئیں۔ خواندگی کی کلاس کے ساتھ ہی خواندگی کی مشق کو بنائے رکھنے اور آگے اپنے طور پر تعلیم جاری رکھنے کے لئے کتب خانے وغیرہ کا اہتمام ہونا چاہئے۔

(۲) ہر کلاس کے لئے دو اُستاد ہوں۔ جن کی علمی استعداد اسکول میٹرک ہو اور جنھوں نے جنتا کالجوں میں کم سے کم دو ہفتے سوشل ایجوکیشن اور نوجوانوں کی بہبود کے کاموں کی ٹریننگ پائی ہو۔ خواندگی کے بعد کی تعلیم کے سنٹروں میں

اُستادوں کی استعداد میٹرک کے علاوہ سوشل ایجوکیشن میں سرٹیفکیٹ کورس سے کم نہیں ہونی چاہئیے۔ اُستادوں کے تقرر کے وقت اُستادوں کی علمی لیاقت، کام کی لگن اور سوجھ بوجھ پر خاص طور سے توجہ دینی ہوگی۔ عورتوں کی کلاسوں کے لئے علمی استعداد میں رعایت بھی برتی جاسکتی ہے۔

(۳) ہر کلاس میں طالب علموں کی تعداد ۲۰ سے ۴۰ تک ہو۔ عمر کے لحاظ سے کلاس کی تقسیم دو جماعتوں میں کی جاسکتی ہے۔ ایک ۱۲ سے ۳۰ سال کی اور دوسری ۳۰ سال سے اوپر والوں کی۔ ۱۲ سال سے کم عمر کے لڑکوں کو پرائمری اسکولوں میں بھیجنا بھی اس پروگرام کا لازمی جزو ہونا چاہئیے۔

(۴) کلاس کی مدت اور جماعت بندی کے سلسلے میں مقامی طور پر لوگوں کے کام کے اوقات اور دیگر مصروفیتوں کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ مردوں کے لئے رات اور عورتوں کے لئے سہ پہر کا وقت کلاس کے لئے مناسب ہوگا۔

(۵) کلاس روزانہ تین گھنٹے لگنی چاہئیے۔ پہلا گھنٹہ بات چیت، خبروں کے سننے سنانے اور زبانی معلومات دینے کے لئے وقف ہونا چاہئیے۔ دوسرے گھنٹے میں پڑھائی لکھائی، شہریت، حساب کتاب وغیرہ کی تعلیم دی جائے اور تیسرے گھنٹے میں اخلاقی تعلیم ـــــ رامائن کا پاٹھ، بھجن کیرتن وغیرہ، جو لوگوں میں اخلاقی سدھار کے ساتھ ساتھ ان کی صحت مند تفریح کا سامان بھی بہم پہنچاتے ہیں۔ ہفتے میں کم سے کم دو دن دست کاری کے لئے اور ایک دن مل جل کر کوئی تفریحی پروگرام چلانے کے لئے ہو۔

(۶) بالغوں کی تعلیم کی کلاس، عموماً "پنچایتی جگہوں پر چلائی جانی چاہئیے، جہاں لوگ آسانی سے آجاسکیں۔

(۷) خواندگی کے بعد کی تعلیم کے مرکزوں کا قیام تحصیل کے ہر گرام پنچایت کے علاقے میں ہر ہزار کی آبادی پر ایک مرکز کے حساب سے ہونا چاہئیے۔ اس طرح ہر گرام پنچایت کے علاقے میں ۴ مرکز قائم کرنے ہوں گے۔

(۸) بالغوں کے خاتمۂ ناخواندگی کے مرکز کتنی تعداد میں قائم کئے جائیں یہ گرام پنچایت کی مقامی ضرورت اور کام کے اوقات کے پیش نظر طے کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر ایک گرام پنچایت کو، جس کی آبادی ۴ ہزار ہوگی، اُسے ناخواندہ بالغوں کو خواندہ بنانے کے لئے مندرجہ ذیل اعداد و شمار کے مطابق خواندگی ۴۳ کلاسیں قائم کرنی ہوں گی۔

● ـــ گرام پنچایت کی کل آبادی	۴۰۰۰
● ـــ ۱۲ سے ۳۰ سال اور ۳۰ سال سے اوپر والوں کی تعداد (اندازاً)	۲۵۴۹

• ـــ ایک کلاس میں سال میں دو سشن کے اندر آنے والے طالب علموں کی تعداد	۸۰
• ـــ اس لئے کلاسوں کی تعداد	۳۳
• ـ ہر کلاس میں دو اُستاد کے حساب سے اُستادوں کی تعداد	۶۶

پروگرام

بالغوں کی تعلیم کے مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کے پیش نظر نصاب تعلیم میں مندرجہ ذیل باتیں شامل کرنا مناسب ہوگا۔

- زبانی بات چیت کے ذریعہ معلم اور طالب علموں کے درمیان اظہار خیال اور طالب علموں کو شخصیت کے اظہار کا موقع۔
- ۔ پڑھنا لکھنا اور معمولی حساب کتاب
- ۔ عام معلومات
- ۔ شہریت کی ابتدائی تعلیم
- ۔ مختصر تاریخی اور اخلاقی کہانیاں
- ۔ مقامی جغرافیہ کا علم
- ۔ کھیتی باڑی، مویشیوں کی نگہداشت اور دوسرے مقامی دھندوں کا علم
- ۔ دست کاری اور تفریح۔

نوٹ :۔ مندرجہ بالا تمام مضامین سے متعلق جو کتابیں تیار کی جائیں، وہ بالغوں کی نفسیات اور ان کی ضرورتوں کے پیش نظر تیار کی جائیں۔ ان کے علاوہ نوخواندوں کی خواندگی کو پکا کرنے کے لئے بالغوں کے لئے مفید کتابیں تیار کرنی ہوں گی۔ اس کے لئے اچھا ہوگا کہ جتنا کالجوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے ریسرچ یونٹ بھی قائم کئے جائیں اور اڈلٹ ایجوکیشن کونسل کو کتابوں کی اشاعت کا کام سونپا جائے

کلاس کے لئے سازوسامان

ایک سنٹر کے لئے کم سے کم مندرجہ ذیل سامانوں کی ضرورت ہوگی۔

- بلیک بورڈ ۲ — لالٹین ۱۰
- پیٹرومیکس ۲ — سلیٹ ۴۰
- پنسل ۴۰ — نقشے ۹

(گاؤں، تھانہ، تحصیل، ضلع، ریاست، ہندوستان، ایشیا اور دنیا کے نقشے)

- گلوب ۱ — پوائنٹر ۲
- چارٹ (سیاسی، سماجی، تاریخی، زراعت، صنعت وغیرہ سے متعلق شہریت اور صحت و صفائی سے متعلق
- بالغوں کی پرائمریں ۴۰ — چھوٹی چٹائی ۴۰
- دریاں بڑی (۱۲×۱۵) ۲ — روزانہ اور ہفتہ وار اخبار ۲
- بڑی گھڑی ۱ — رجسٹر

(حاضری رجسٹر، داخلہ رجسٹر، اسٹاک رجسٹر، حساب بہی، اسکیم رجسٹر، جائزہ رجسٹر، معائنہ رجسٹر، نتیجہ رجسٹر، انعام رجسٹر، روداد رجسٹر، اطلاع رجسٹر [ایک ایک] اور دوسری کاپیاں وغیرہ وغیرہ کم سے کم ۵)

- ریڈیو ۱ — رامائن وغیرہ مذہبی کتابیں ۲
- چند مناسب تصویریں اور ماڈل — بلیٹن بورڈ ۱
- خبر کا بورڈ ۱

خواندگی کے مرکز کا انتظام

(۱) خواندگی کا مرکز قائم کرنے سے پہلے بستی کی زندگی کا سروے کرلینا چاہیے۔

(۲) مرکز کسی ایسی جگہ پر ہونا چاہیے جہاں لوگ بلا تکلف آجا سکیں

(۳) طالب علموں کے بیٹھنے کے لئے معقول جگہ ہو جہاں وہ آسانی سے بیٹھ کر پڑھ سکیں۔

(۴) مرکز کے کام کی ابتدا بھجن کیرتن اور رامائن کے پاٹھ وغیرہ دلچسپ پروگراموں سے ہو۔ یہ پروگرام ضرورت کے مطابق ہفتے بھر تک چل سکتا ہے۔ جب لوگ وہاں آنے جانے لگیں اور مرکز میں دلچسپی لینے لگیں تو ان کا نام رجسٹر میں لکھا جائے اور مرکز کا کام پروگرام کے مطابق روزانہ شروع کیا جائے۔

(۵) کلاس میں اوقات کی تقسیم (کل وقت ۳ گھنٹے)

- مناجات ۵ منٹ
- کلاس کا انتظام اور حاضری وغیرہ ۵ منٹ
- خبروں کا سنانا ۱۰ منٹ
- طالب علموں کا آپس میں تبادلۂ خیال ۵ منٹ
- شہریت اور عام معلومات کے مختلف مضامین پر بات چیت ۳۵ منٹ

(۲) پڑھائی لکھائی اور حساب کتاب ایک گھنٹہ

(۳) مقامی دست کاری اور دستکاری وغیرہ یا ہفتے میں دو دن ایک ایک گھنٹہ

مقامی انتظامی کمیٹی

گاؤں کی سطح پر مرکزوں کا انتظام دیکھنے کے لئے ایک مقامی کمیٹی کی تنظیم کی جائے جس میں ۵ یا ۷ ممبر ہوں، گاؤں میں چلنے والے مرکزوں کا ایک اُستاد اس کمیٹی کا سکریٹری ہوگا۔ اس طرح کی کمیٹیوں کی تنظیم پنچایت کی سطح پر بھی ہونا ضروری ہے۔

ہر مہینے میں ایک گاؤں کے سب مرکزوں کے طالب علموں کا ایک جلسہ ہونا چاہیئے جس میں تفریحی پروگراموں کے علاوہ مختلف مسائل پر لوگوں کا آپس میں تبادلہ خیال وغیرہ بھی رکھا جائے تاکہ لوگ ان مسائل کے بارے میں کسی سوچے سمجھے فیصلے پر پہنچ سکیں۔

نگرانی اور کام کی جانچ

تمام مرکزوں کے کاموں کی معقول نگرانی اور جانچ کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ مرکز کے نگرانوں کی ٹریننگ جنتا کالجوں میں ہونی چاہیئے۔ طالب علموں کے کاموں اور ان کی معلومات کی جانچ کے لیئے ایک جانچ کمیٹی مقرر کی جائے، کامیاب طلبا کو ہر سیشن کے آخر میں انعامات اور سرٹیفکٹ وغیرہ دے کر ان کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے۔ جب سارا گاؤں خواندہ بن جائے تو ایک بڑا سا جلسہ بلا کر اس گاؤں کے سو فی صدی خواندہ اور نمونے کا گاؤں ہونے کا اعلان کیا جائے پورے بلاک میں گاؤں پنچایت کی سطح پر خواندگی کی مہم میں جو گاؤں سب سے آگے ہو اُسے [illegible] بھی عوام کا تعاون حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

کتب خانہ بھی، کمیونٹی سنٹر بھی

ہر گاؤں پنچایت میں (ہر ہزار آبادی پر ایک کے حساب سے) پوسٹ لٹریسی کے چار سنٹر ہونے چاہئیں۔ ان سنٹروں میں پانچویں جماعت تک کی تعلیم کا انتظام ہو۔ اس سنٹر کی تنظیم اس طرح کی جانی چاہئے کہ یہ سنٹر گاؤں کا کتب خانہ اور کمیونٹی سنٹر بھی بن جائے۔ اس طرح کے ہر سنٹر میں چار استاد ہوں۔ ان کا انتخاب ان استادوں میں سے کیا جائے جو خاتمۂ ناخواندگی کے مرکزوں میں کام کر چکے ہوں۔ اس سے خواندگی کا کام کرنے والوں میں ترقی کے خیال سے کام کو بہتر بنانے کا حوصلہ پیدا ہوگا۔

اشتراک وتعاون کا مسئلہ: سرکاری سطح پر

(الف) بالغوں کی تعلیم کے اس ہمہ گیر پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ محکمۂ تعلیم کے مختلف سکشنوں اور افسروں کا تعاون حاصل کرنے کے علاوہ عوامی بہبود کا کام کرنے والے دوسرے محکموں جیسے زراعت، صحت، تعلقات عامہ، کوآپریٹیو اور پنچایت کے محکموں کا تعاون بھی حاصل کیا جائے۔

عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ بیشتر لوگ مختلف سرکاری محکموں اور ان کے فلاحی کاموں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ تعلیم یافتہ آدمی اور سماجی کارکنوں کو اکثر ان کے کام کے اس پہلو کی خبر نہیں ہوتی۔ اس لئے بالغوں کی تعلیم کے میدان میں کام کرنے والے سبھی اداروں کے پاس ان مختلف سرکاری محکموں اور ان کے مختلف النوع کاموں کی مفصل فہرست ہونی ضروری ہے۔ اسی طرح ہر محکمے کے افسروں کو بھی حکومت کی طرف سے یہ ہدایت ہونی چاہئے کہ وہ بالغوں کی خواندگی کے پروگراموں میں دلچسپی لیں اور ان کاموں میں پورا پورا تعاون دیں۔

اشتراک وتعاون: عوامی سطح پر

بالغوں کی تعلیم کے پروگرام میں عوام کا تعاون حاصل کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔ عوامی خواندگی کی اس سے پہلے جتنی بھی مہمیں چلائی گئیں، ان کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں عوام کا تعاون پوری طرح حاصل نہیں کیا گیا تھا۔ کسی بھی علاقے میں خواندگی کی مہم چلانے کے لئے، سروے کرنے، مرکز قائم کرنے، کارکنوں کو چننے اور کام کی جانچ وغیرہ جو بھی کام کئے جائیں، ان سب میں اس گاؤں، گاؤں پنچایت اور بلاک کے عوامی نمائندوں کی رائے

اور عام آدمیوں کا تعاون حاصل کرنا چاہئے۔ اس کام کے لئے میں "سماج سکشا اور سماجک ادھین کی پددھتیاں" نامی کتاب کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا، جس میں اس کے بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ ہدایتیں دی گئی ہیں۔

ٹریننگ کا انتظام

بالغوں کی تعلیم کے اس منصوبے کے ماتحت کام کرنے والے تمام سطح کے کارکنوں کو تعلیم بالغان اور کتب خانے کی تنظیم کی اچھی طرح ٹریننگ دینے کا انتظام کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کو اس منصوبے کی کامیابی کی بنیاد سمجھنا چاہئے۔ ٹریننگ کے لئے سرکاری جنتا کالجوں کے نام بدل کر "رورل ٹریننگ کالج" رکھ دینا چاہئے۔ اس ٹریننگ کالج میں ایک مہینے کا مختصر ٹریننگ کورس، تین مہینے کا سرٹیفکیٹ ٹریننگ کورس اور ایک سال کا ڈپلوما ٹریننگ کورس چلانے کا اہتمام کیا جائے۔ نصاب اس طرح کا بنایا جائے کہ ان ٹریننگ کورسوں کے ماتحت بالغوں کی خواندگی کے طریقے، زراعت، صحت وصفائی، کوآپریٹیو، گرام پنچایت، کتب خانے وغیرہ سبھی کی معلومات شامل ہوں۔ ضرورت کے مطابق ٹریننگ کالجوں کا اسٹاف بھی بڑھایا جا سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان ٹریننگ کالجوں میں ریسرچ، ایکسٹنشن، جنتا اسکول وغیرہ کے شعبے بھی قائم کئے جائیں۔ سماجی زندگی کے نظری اور عملی پہلوؤں کے تفصیلی مطالعے کا انتظام بھی ان ٹریننگ کالجوں میں کیا جائے تاکہ ان ٹریننگ کالجوں سے تربیت پا کر نکلنے والوں کی خدمات سے ابتدائی اور سکنڈری اسکولوں میں بھی فائدہ اٹھایا جا سکے۔

شری سیتا پرساد
پرنسپل جنتا کالج رام باغ (جن جیون۔ بہار)

THE MONTHLY TALIM-O-TARAQQI.

May 1965.

ماہنامہ تعلیم و ترقی

جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

—— بالغوں کی تعلیم جمہوریت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

—— بالغوں کی تعلیم کے مرکز قائم کیجیے اور جہالت کے خلاف اس مقدس جہاد میں پڑھے لکھے لوگوں کو شرکت کی دعوت دیجئے۔

—— رسالہ تعلیم و ترقی اس نیک مہم میں آپ کا ہر قدم پر ساتھ دے گا۔

—— اس کا سالانہ چندہ صرف چار روپے ہے اور اردو اور ہندی میں الگ الگ شائع ہوتا ہے۔

—— ہر سال تعلیم بالغان کے ایک نہ ایک موضوع پر اس کا ایک اسپیشل نمبر شائع ہوتا ہے جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

—— اگر آپ مستقل خریدار رہیں گے تو آپ کو یہ ضخیم شمارۂ خصوصی بھی سالانہ چندے ہی میں ملے گا۔

منیجر۔

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq

Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI.

تعلیم و ترقی

(سوشل ایجوکیشن کا رسالہ)

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ نگر، نئی دہلی

اور بالخصوص ایک ایسے ملک میں جو ترقی کے مرحلوں سے گذر رہا ہو، اس کے کسی طبقے یا کسی ادارے کا یہ سوچنا کہ فلاں کام (جو وہ ادارہ بحُسن و خوبی انجام دے سکتا ہو) اس کے دائرۂ عمل سے باہر ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا جب کہ ترقی کی مہم کا تقاضا یہ ہو کہ جب تک پوری قوم مل کر زور نہیں لگائے گی، یہ مہم سر نہ ہوگی ۔ ہم ایک طرف تو سماج میں تبدیلی بروئے کار لانے کا دم بھرتے ہیں ــــــ اور جس میں یونیورسٹیوں کے علما بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں ــــــ اور دوسری طرف اعلیٰ تعلیم کے اداروں کو سماجی زندگی کی ہلچل سے الگ تھلگ صوفیوں اور سادھوؤں کی خانقاہیں بنا کر رکھتے ہیں تو کون صائب الرائے شخص ہے جو اس صورتِ حال پر تضاد کا حکم نہیں لگائے گا اور افکار و اعمال میں تضاد کا ہونا، کون نہیں جانتا، سماج کے حق میں زہر کا حکم رکھتا ہے ۔

یہ تو ہوئی اڈلٹ ایجوکیشن میں یونیورسٹیوں کے کردار کی منطقی بحث. ہندوستان کے مخصوص حالات کی روشنی میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام میں یونیورسٹیوں کی شرکت سے ایک بڑی قومی ضرورت بھی پوری ہوگی ۔

یہ بات کون نہیں جانتا کہ ہمارے ملک کی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تعلیم یافتہ طبقے کی خواہ وہ قومی زندگی میں کسی حیثیت سے شریک ہو، کوتاہ علمی اور فرض ناشناسی ہے ۔ اس اجمال کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے ۔ یہی کوتاہ علمی اور فرض ناشناسی قومی زندگی کے دوسرے نہایت اہم شعبوں کو بھی گھن لگا رہی ہے ۔ اس تشویشناک صورتِ حال کا ایک حل یہ پیش کیا جاتا ہے ــــــ اور جو ہمارے نزدیک صحیح بھی ہے ــــــ کہ تعلیم یافتہ طبقے کی تعلیم کا بھی کوئی بندوبست کیا جانا چاہئے. تعلیم یافتہ طبقے کی تعلیم کے بندوبست کی شکل اڈلٹ ایجوکیشن کے علاوہ اور کچھ اور دوسری کیا ہو سکتی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا پڑھے لکھے طبقے کے افراد اڈلٹ یا سوشل ایجوکیشن کے موجودہ سنٹروں کی قیادت یا اُستادی کو تسلیم کریں گے؟ اور دوسری طرف یہ بھی کہ کیا ہمارے موجودہ سنٹر اتنی استعداد رکھتے ہیں کہ وہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے افراد کو متاثر کر لیں گے ؟ ان سوالوں کا جواب، اب تک کا تجربہ بتاتا ہے، قطعاً نفی میں ہے۔ تو پھر کیا ہو؟

اس "تو پھر کیا ہو؟" کا جواب سوائے اس کے کہ پڑھے لکھے لوگوں کی تعلیم کے لئے یونیورسٹیاں آگے بڑھیں، اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا. یونیورسٹیوں کے اساتذہ اپنے اپنے فن کے امام ہوتے ہیں، اور بڑے سے بڑا پڑھا لکھا شخص بھی (جسے "تعلیم" کی ضرورت ہو) یونیورسٹی ریڈر یا پروفیسر حتیٰ کہ تجربہ کار یونیورسٹی لیکچرر کی

اڈلٹ ایجوکیشن میں یونیورسٹیوں کا کردار

ہم ان صفحات میں ایک عرصے سے اڈلٹ ایجوکیشن میں یونیورسٹی کے کردار کے باب میں کبھی مختلف مفکروں کے مضامین کے ذریعے اور کبھی اپنے اداریوں کی شکل میں اظہار خیال کرتے رہے ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ اب خود ایک یونیورسٹی اور اڈلٹ ایجوکیشن کی کل ہند نمایندہ جماعت انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے مشترک اہتمام میں عنقریب ایک کانفرنس اسی موضوع پر غور و بحث کے لئے منعقد ہونے والی ہے۔ (کانفرنس کا مقام انعقاد پہلے حیدرآباد تجویز ہوا تھا مگر اب معلوم ہوا ہے کہ بھوپال طے ہوا ہے) کانفرنس میں ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کو شرکت کی دعوت دی گئی ہے اور اُمید کی جاتی ہے کہ وائس چانسلر صاحبان یا ان کے نمایندے زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس کانفرنس کی رونق بڑھائیں گے۔

ہم ایک بار پھر یاد دلا دینا چاہتے ہیں کہ ترقی یافتہ (اور اب تو بہت سے ترقی پذیر) ملکوں کی یونیورسٹیوں میں قریب قریب بلا استثنا اڈلٹ ایجوکیشن کے ڈپارٹمنٹ قائم ہیں اور بعض ملکوں میں تو، جن میں امریکہ پیش پیش ہے اڈلٹ ایجوکیشن کے یونیورسٹی ڈپارٹمنٹوں کی طرف سے بالغوں کی اعلیٰ تعلیم کے علاوہ بہت سے ایسے کام بھی ہوتے ہیں جو اڈلٹ ایجوکیشن کے معمولی سنٹر اور محکمے انجام دیتے ہیں۔ کام کے اس پہلو کے پیچھے ان یونیورسٹیوں کا یہ نظریہ کارفرما ہے کہ کسی کام کے شروع کرنے کی اصل بنیاد کمیونٹی کی ضرورت ہونی چاہئے اور کسی جماعت یا ادارے کو یہ سمجھ کر اُس ضرورت کی طرف سے پیٹھ نہیں پھیر لینا چاہئے کہ یہ اس کا منصب نہیں ہے۔ اگر وہ ادارہ یا جماعت وہ ضرورت پوری کرسکتی ہے یا اس کے پورے ہونے میں مدد دے سکتی ہے تو اُسے یہ کام یقیناً کرنا چاہئے اس لئے کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا جب اعلیٰ تعلیم اور اس کے ادارے ایک مخصوص اور متمول طبقے کی جاگیریں تھیں اور جس طرح وہ طبقے عوام کے تقاضوں اور ضرورتوں کی طرف سے بے خبر رہتے تھے، اسی طرح ان کی یہ جاگیریں بھی ان ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنا اپنے دائرۂ عمل سے الگ سمجھتی تھیں۔

اور بالخصوص ایک ایسے ملک میں جو ترقی کے مرحلوں سے گذر رہا ہو اس کے کسی طبقے یا کسی ادارے کا یہ سوچنا کہ فلاں کام (جو وہ ادارہ بحُسن و خوبی انجام دے سکتا ہو) اس کے دائرۂ عمل سے باہر ہے کچھ سمجھ میں بھی نہیں آتا جب کہ ترقی کی مہم کا تقاضا یہ ہو کہ جب تک پوری قوم مل کر زور نہیں لگائے گی، یہ مہم سر نہ ہو گی۔ ہم ایک طرف تو سماج میں تبدیلی بروئے کار لانے کا دم بھرتے ہیں ـــــ اور جس میں یونیورسٹیوں کے علما بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں ـــــ اور دوسری طرف اعلیٰ تعلیم کے اداروں کو سماجی زندگی کی ہلچل سے الگ تھلگ صوفیوں اور سادھوؤں کی خانقاہیں بنا کر رکھتے ہیں تو کون صائب الرائے شخص ہے جو اس صورتِ حال پر تضاد کا حکم نہیں لگائے گا اور افکار و اعمال میں تضاد کا ہونا، کون نہیں جانتا، سماج کے حق میں زہر کا حکم رکھتا ہے۔ یہ تو ہوئی اڈلٹ ایجوکیشن میں یونیورسٹیوں کے کردار کی منطقی بحث۔ ہندوستان کے مخصوص حالات کی روشنی میں غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام میں یونیورسٹیوں کی شرکت سے ایک بڑی قومی ضرورت بھی پوری ہو گی۔

یہ بات کون نہیں جانتا کہ ہمارے ملک کی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تعلیم یافتہ طبقے کی خواہ وہ قومی زندگی میں کسی حیثیت سے شریک ہو، کوتاہ علمی اور فرض ناشناسی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی کوتاہ علمی اور فرض ناشناسی قومی زندگی کے دوسرے نہایت اہم شعبوں کو بھی گھن لگا رہی ہے۔ اس تشویشناک صورتِ حال کا ایک حل یہ پیش کیا جاتا ہے ـــــ اور جو ہمارے نزدیک صحیح بھی ہے ـــــ کہ تعلیم یافتہ طبقے کی تعلیم کا بھی کوئی بندوبست کیا جانا چاہئے۔ تعلیم یافتہ طبقے کی تعلیم کے بندوبست کی شکل اڈلٹ ایجوکیشن کے علاوہ اور کچھ اور دوسری کیا ہو سکتی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا پڑھے لکھے طبقے کے افراد اڈلٹ یا سوسل ایجوکیشن کے موجودہ سنٹروں کی قیادت یا اُستادی کو تسلیم کر لیں گے؟ اور دوسری طرف یہ بھی کہ کیا ہمارے موجودہ سنٹر اتنی استعداد رکھتے ہیں کہ وہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے افراد کو متاثر کر لیں گے؟ ان سوالوں کا جواب، اب تک کا تجربہ بتاتا ہے، قطعاً نفی میں ہے۔ تو پھر کیا ہو؟

اس "تو پھر کیا ہو؟" کا جواب سوائے اس کے کہ پڑھے لکھے لوگوں کی تعلیم کے لئے یونیورسٹیاں آگے بڑھیں، اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یونیورسٹیوں کے اساتذہ اپنے اپنے فن کے امام ہوتے ہیں، اور بڑے سے بڑا پڑھا لکھا شخص بھی (جسے "تعلیم" کی ضرورت ہو) یونیورسٹی ریڈر یا پروفیسر حتیٰ کہ تجربہ کار یونیورسٹی لیکچرر کی

بات کو آسانی سے سُنی ان سُنی نہیں کرسکتا۔

اڈلٹ ایجوکیشن میں یونیورسٹی کے کردار پر غور و بحث کرنے والی اس مجوزہ کانفرنس کے انعقاد کی اطلاع سے ہمیں بہت خوشی ہے اور امید ہے کہ بالغوں کی تعلیم کی تحریک میں اس سے ایک نئے موثر کا آغاز ہوگا جو اُسے کامیابی کی راہ پر ڈال دے گا۔ ہماری نیک تمنائیں اس کانفرنس کے ساتھ ہیں۔

خواندگی، تبدیلی کے ایک ذریعے کی حیثیت سے

زیر نظر مقالہ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر ل اسسٹنٹ ڈائرکٹر ڈاکٹر ایچ۔ پی سکسینہ نے اڈلٹ ایجوکیشن کی آبو کانفرنس میں پڑھا تھا، اور اس کے بعد یہ انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے مئی ۱۹۶۵ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس مقالے میں فاضل ڈاکٹر نے خواندگی اور معاشی ترقی کے باہمی رشتے سے متعلق مختلف سماجیاتی تجزیوں کا خلاصہ پیش کیا ہے اور ان کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ خواندگی کیوں اور کس طرح تبدیلی کو بروئے کار لانے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

اس اعتبار سے یہ مقالہ بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اُسے ہم جوں کا توں انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے شکریے کے ساتھ ناظرین کی دلچسپی کے لئے پیش کر رہے ہیں۔

—— ایڈیٹر

تعارف

ترقی پذیر ملکوں میں لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خواندگی سماجی اور معاشی ترقی کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ہندوستان میں خواندگی کے پروگرام کا رُخ خاص طور سے اس کی توسیع کی طرف تو رہا ہے لیکن اُسے لوگوں تک پہنچانے کے کیا گُر اور طریقے ہوتے ہیں؟ اس سوال کی طرف اس کی توجہ بہت کم رہی ہے۔

اس مقالے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ سماجی معاشی ترقی اور خواندگی کے درمیان جو رشتہ ہے، اس کے بارے میں کچھ مواد پیش کیا جائے۔ اس مقصد تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ سماجی تبدیلی کے عمل کا مختصراً تجزیہ کیا جائے۔

اس لئے کہ اگر خواندگی کے پروگرام کو کارآمد طور پر تبدیلی کے عمل سے جوڑنا ہے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ پہلے تبدیلی کے عمل کو ٹھیک طریقے سے سمجھ لیا جائے اور اسی اعتبار سے اس کا ایک مناسب سلسلۂ درسیات مرتب کیا جائے، مختلف راہوں کا پتہ لگایا جائے، مناسب طریقہ ہائے تعلیم وضع کئے جائیں اور معقول سامان تعلیم تیار کیا جائے۔ اسی کے ساتھ خواندگی کے پروگرام کی تنظیم سے متعلق تحقیق، اور تجربہ کی بھی کچھ تجاویز پیش کی گئی ہیں تاکہ ہندوستان میں آج سماجی تبدیلی کی جو تحریک جاری ہے اُس میں یہ پروگرام مؤثر طور پر کام دے سکے۔

پس منظر

ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ (جنوبی امریکہ) کے سب ترقی پذیر ملکوں میں دوسری جنگ عظیم کے بعد کے زمانے کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ ان کے یہاں عوام کے معیار زندگی کو ہر اعتبار سے بڑھانے کا بڑا شدید جذبہ پایا جاتا ہے تاکہ وہ دوڑ کر ترقی کی اُس بلند سطح پر پہنچ جائیں جہاں آج مغربی ممالک اور شمالی امریکہ پہنچے ہوئے ہیں۔ اور ترقی کی ان کوششوں کو ترقی پذیر ملکوں ہی میں نہیں، بلکہ صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ ملکوں میں بھی اتنی اہمیت حاصل ہو گئی ہے کہ سماجی علوم کے علماء نے اپنی تحقیقوں اور مطالعے کو ان عملوں کی تحلیل و تجزیہ کی طرف موڑ دیا ہے جو سماجی تبدیلی سے تعلق رکھتے ہیں۔

سماجی تبدیلی کے تجزئے میں ایک طویل عرصے سے یہ رجحان چلا آیا ہے کہ تبدیلی کو بروے کار لانے میں جن محرکات نے کام کیا ہے ان میں سے ایسے کسی ایک محرک کا پتہ لگایا جائے اور اس کی کارفرمائی کا اندازہ کیا جائے جو سب سے الگ معلوم ہو۔ اب تازہ ترین رجحان یہ ہے کہ ترقی و تبدیلی کے عمل کے مختلف مرحلوں پر جن جن محرکات نے کام کیا ہو، ان سب کے مشترک عمل کا مطالعہ کیا جائے۔ اسی سے مربوط تجزیے کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ مختلف علوم سماجی تبدیلی کو بروئے کار لانے میں ایک دوسرے سے مل کر کیا اثر ڈالتے ہیں۔ مثال کے طور پر معاشیات اور سیاسیات کے علماء ان سماجی محرکات کو بڑی اہمیت دینے لگے ہیں جو معاشی اور سیاسی اداروں کے ڈیولپمنٹ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح معاشی اور سیاسی محرکات کی بھی ان کے نزدیک بڑی اہمیت ہے۔

ہندوستان میں آج جو معاشی سماجی ڈیولپمنٹ ہو رہا ہے اس کے بارے میں بڑی آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ تبدیلیوں کا ایک وسیع اور ایک دوسرے سے مربوط عمل ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کا سماج جو نسبتاً ایک غیر ترقی یافتہ سماج ہے، ایک ایسے سماج کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا جس کی بنیاد زیادہ سے زیادہ

جدید سائنس اور ٹکنالوجی کے اوپر ہو گی اور ان تبدیلیوں کے پیچھے بہت بڑی تعداد میں ایسی حقیقتوں کی کارفرمائی ہے جو ایک دوسرے کی کمی کو سہارا دے کر پورا کرتی ہیں۔

ہندوستان میں ایک طویل عرصے سے اس بات کا مطالبہ ہو رہا ہے کہ تعلیم کو عام کیا جائے تاکہ اس کے ذریعے سماجی، معاشی ترقی ممکن ہو سکے۔ ۱۹۱۱ء میں گوکھلے نے مرکزی مجلس قانون ساز میں ایک بل پیش کیا تھا جس کا منشا یہ تھا کہ مقامی حکومتوں کو لڑکوں اور کچھ آگے چل کر لڑکیوں کے لئے جبری تعلیم نافذ کرنے کا قانونی اختیار حاصل ہو۔ یہ بل تو مسترد کر دیا گیا تھا۔ مگر اس کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ اس سے جبری لازمی تعلیم کے حق میں ایک رائے عامہ پیدا ہو گئی۔ جب ۱۹۲۱ء میں دو ایوانی قانون سازی اور ۱۹۳۷ء میں صوبائی خود مختاری کے قانون نافذ ہوئے تو اس وقت تعلیم کے مطالبے میں اتنی شدت پیدا ہو گئی تھی کہ اتنی اس سے پہلے کبھی نہیں تھی اور اس پُرجوش مطالبے کو صرف اس وجہ سے شکست ہوئی کہ ۳۰ء اور ۴۰ء کے درمیانی زمانے میں ملک میں زبردست معاشی سنکٹ پیدا ہو گیا تھا اور دوسری طرف جنگِ آزادی زور پکڑ گئی تھی جو ۱۹۴۲ء کی "ہندوستان چھوڑو" کی تحریک کی شکل میں نمودار ہوئی۔ پھر ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کو سیاسی آزادی ملی تو عوام کو باضابطہ طور پر تعلیم دینے کے لئے گویا زمین تیار تھی۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ عوامی پیمانے پر تعلیم پھیلانے کے جوش کا رُخ صرف ابتدائی تعلیم ہی کو وسعت دینے کی طرف نہیں تھا، بلکہ اُسی جوش و خروش کے زمانے میں ایک دلچسپ ڈیولپ منٹ بالغوں کی خواندگی کی شکل میں نمودار ہوا اور یہی بالغوں کی خواندگی اور تعلیم اس وقت اس مقالے کا اصل موضوع ہے۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد کے زمانے میں سماجیات کے علماء نے اس بات کی متعدد تجرباتی اور تجزیاتی تحقیقیں کی ہیں کہ سماجی معاشی ترقی اور تعلیم کے درمیان کیا رشتہ ہے اور ان تحقیقوں سے عوامی تعلیم کی سماجی بنیاد کو تقویت حاصل ہوئی ہے۔

خواندگی اور سماجی معاشی ترقی کا باہمی رشتہ

سماجیات کے علماء نے صنعتیت اور خواندگی کے درمیان بہت اعلیٰ پیمانے کا ربط پایا ہے۔ ہلڈا ہرفس گولڈن ایک مانے ہوئے عالمِ سماجیات ہیں۔ انھوں نے غیر زرعی پیشوں میں معقول آمدنی کرنے والے مزدوروں کی تعلیم کے پیمانے سے جب صنعتیت کی پیمائش کی تو اُنھیں معلوم ہوا کہ صنعتیت اور خواندگی کے باہمی ربط کا اوسط ۸۷ فیصدی ہے۔ اور جب یہ ربط فی کس آمدنی کے پیمانے سے ناپا گیا تو اس کا اوسط ۸۴ فیصدی نکلا۔ خواندگی اور صنعتیت کا یہ

ربط "لین دین" کی نوعیت کا ہوتا ہے۔ یعنی خواندگی سے صنعتیت میں آسانی پیدا ہوتی ہے اور اس کے بدلے میں صنعتیت ایسے حالات پیدا کردیتی ہے جن سے عوامی خواندگی کی رفتار میں تیزی پیدا ہوجاتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان بڑی احتیاط کے ساتھ توازن قائم کیا جانا چاہیے۔ اگر صنعتیت کی رفتار سست ہوتی ہے تو اس سے مایوسی اور بددلی پھیلتی ہے، اسی طرح اگر خواندگی پیچھے رہ جاتی ہے تو صنعتیت کی رفتار دھیمی پڑجاتی ہے۔ سماجیات کے بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہندوستان پہلے سے جس قدر صنعتی ہے اُس حد تک خواندہ نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ خواندگی کے لئے جو کچھ کوشش کی گئی ہے یا کی جارہی ہے، اُس کی رفتار کو تیز کردیا جائے اور اس تیز رفتاری کا رُخ ناخواندگی کے خاتمے کی طرف ہو۔

سماجیات کا ایک اور ماہر لرنر ہے۔ اس نے خواندگی اور جدیدیت (Modernization) کے باہمی رشتے کے تجزیہ و تحلیل میں بڑا نمایاں کام کیا ہے۔ اُس نے مشرق وسطیٰ کے تقریباً عربی ملکوں کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ جدیدیت کے چار اہم مظاہر یعنی شہرانیت (Urbanization) خواندگی، زندگی کی جدوجہد میں شرکت اور ملکی سیاست میں حصہ لینے کا جذبہ ان کا جدیدیت کی تعمیر میں بڑا زبردست حصہ ہوتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ شہرانیت کا اوسط ۶۱ فیصدی ہے، خواندگی کا ۹۱ فیصدی، زندگی کی جدوجہد میں شرکت کا ۸۴ فیصدی اور ملکی سیاست سے وابستگی کا اوسط ۸۲ فیصدی ہے۔ جدیدیت کی تعمیر میں ان غیر معمولی اعداد کا مطلب اس نے یہ نکالا ہے کہ ان چاروں مظاہر کا ایک ساتھ واقع ہونا ضروری ہے۔

لرنر نے شہرانیت کے رجحان اور خواندگی کے باہمی تناسب کا حساب لگایا تو اُسے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا تناسب کم سے کم ۷ اور ۱۰ فیصدی کے درمیان بیٹھتا ہے یعنی اوسطاً ۱۰ فیصدی سے زیادہ جس وقت شہرانیت کا رجحان اس کم سے کم تناسب سے آگے نکل جاتا ہے اُس وقت خواندگی کی شرح میں یکساں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ شہرانیت کے رجحان کا اوسط ۲۵ فیصدی تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ حد لرنر کے نزدیک شہرانیت کے رجحان کے اوسط کی آخری حد ہے جس کے بعد خواندگی کی شرح اس رجحان کے ساتھ ساتھ بڑھنے کے بجائے اپنے طور پر آزادانہ بڑھتی رہتی ہے۔

جدیدیت کے مختلف مرحلوں سے متعلق لرنر نے ایک تاریخی حیثیت کا قانون وضع کرلیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس کا یہ قانون دنیا کے ہر حصے پر صادق آتا ہے۔ اس قانون کے مطابق شہرانیت کا رجحان خواندگی کا ذوق پیدا کرتا ہے، خواندگی کا ذوق پیدا ہونے سے وسائل معیشت کی راہیں کھلتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ سیاسی اور معاشی سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے لگتے ہیں۔ اس طرح لرنر کی تحقیقوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ جدیدیت کی تعمیر میں خواندگی

کی کتنی زبردست اہمیت ہے۔

خواندگی کی اہمیت اور حرفِ تنبیہہ

سطور بالا میں جن تحقیقوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے عوامی خواندگی کے مقدمے کو تقویت ملتی ہے۔ چنانچہ اب یہ ایک پختہ عقیدہ بن گیا ہے کہ خواندگی ایک نہایت قوی محرک ہے جس کے زور سے سماجی معاشی درجے میں نہایت تیزی کے ساتھ بلندی بروئے کار لائی جا سکتی ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ تاکید و تنبیہ بھی ہے کہ تعلیم کے مواد اور معیار کا خیال رکھے بغیر خواندگی کے لئے اندھا دھند سہولتیں فراہم کر دینے سے ترقی کے عملوں میں اس سے کوئی مدد نہیں ملتی ۔ خواندگی، اس میں کوئی شک نہیں، ترقی کے لئے ضروری چیز ہے لیکن صرف خواندگی ہی کی حد تک خواندگی کافی نہیں ہے۔

سماج کے سماجی معاشی ڈیولیپ منٹ میں خواندگی اسی وقت کام دے سکتی ہے جب یہ ایک تعلیمی نظام کی بنیاد فراہم کرے ـــــ ایسا تعلیمی نظام جس کا رشتہ سماجی تبدیلی کے عملوں سے مؤثر اور نتیجہ بخش طور پر قائم ہو۔

ترقی پذیر سماجوں میں تبدیلی کا عمل

گزشتہ پندرہ بیس سال کے دوران میں سماجیات کے متعدد علماء نے ترقی پذیر سماجوں میں واقع ہونے والے تبدیلی کے عملوں کا خاصی بڑی مقدار میں تجزیہ کیا ہے۔ اگرچہ اپنے تجزیئے میں یہ علماء زیادہ تر اپنے انفرادی نظامِ علم کے تصورات سے متاثر تھے، پھر بھی ان تجزیوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ سماجی معاشی ڈیولیپ منٹ میں معاشی، سیاسی، سماجی اور تمدنی ـــــ سب حقیقتیں ایک دوسرے سے مل کر کام کرتی ہیں۔

روسٹو ایک دوسرا ماہر سماجیات ہے۔ اس نے جدیدیت کے عمل کے پانچ مرحلے قرار دیئے ہیں۔ قدیم روایاتی سماج، ترقیاتی پرواز کی اولین شرطیں، پرواز، پختگی پیدا کرنے کی مہم، اور آخری منزل یعنی عوامی پیمانے پر زندگی کا اعلیٰ معیار۔ ان پانچ مراحل میں سے دوسرا مرحلہ یعنی ترقیاتی پرواز کی اولین شرطیں ایسا ہے جو ہندوستان کے موجودہ حالات سے خاص طور پر میل کھاتا ہے۔ اس مرحلے کی خصوصیتیں ہیں زیادہ سے زیادہ بچت اور سرمائے کا لگایا جانا،

زیادہ سے زیادہ کارخانے اور صنعتی مرکز قائم کرنا، آدمیوں کی قوت کی جتنی اور جیسی ضرورت ہو اس کے اعتبار سے ٹریننگ کا بندوبست کرنا۔ زرعی دولت آفرینی کے زیادہ سے زیادہ موقعے نکالنا، اور ذرائع نقل و حمل اور وسائل رسل و رسائل کی فراہمی کے لئے زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگانا۔ اسی ضمن میں روسٹو نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ معاشی سرگرمیوں کے اوپر سماجی حقیقتیں کس طرح اور کس حد تک اثر انداز ہوتی ہیں۔ اُس کے نزدیک معاشی ترقی کی راہ میں جو چیزیں رکاوٹ ڈالتی ہیں، ان میں سے اہم باتیں یہ ہیں: مادی ترقی کی آرزو کی کمی، مستقبل کے بارے میں سوچنے اور خواب دیکھنے کی معمولی اور برائے نام صلاحیت، ایسا سماجی نظام جس میں مساوات اور عدل پسندی کا عنصر مفقود ہو، اور ایک ایسا سیاسی نظام جو سچی قوم پرستی اور حب الوطنی کے جذبات و احساسات بیدار نہیں کرتا۔

بچانن اور الیس نے چند غیر معاشی حقیقتوں کی ایک فہرست مرتب کی ہے جو معاشی ڈیولپمنٹ کی راہ میں مزاحمت کرتی ہیں۔ ان میں سے اہم حقیقتیں یہ ہیں: خاندانی اور قبیلہ جاتی نظامِ تعلقات جس کے ماتحت انفرادیت اور انفرادی آزادی کا موقع نہیں ہوتا، درجہ وار عہدوں اور مرتبوں کا طریقۂ کار جس میں کوئی شخص ذمے داری اپنے اوپر نہیں لیتا بلکہ دوسرے کے اوپر ڈال دیتا ہے، ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنے کی عادت، ایک ایسا تعلیمی نظام جو روزمرہ کی زندگی کے مسائل سے بے تعلق ہو، بے ہمتی اور پست حوصلگی، قومی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر برادریوں اور دوسرے انفرادی گروہوں سے وفاداری کا خیال، قانون اور بقائے امن، حکومت میں روایات کی پابندی، اور تھکا دینے والا طول طویل نظامِ عدل۔

آمنڈ ایک اور ماہر سماجیات ہے جو اپنے ایک تجزیئے کی رپورٹ میں ترقی پذیر سماجوں میں سیاسی عملوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سیاسی اداروں کو اپنے فرائض اس طرح انجام دینے چاہئیں کہ پبلک میں ڈیولپمنٹ کے عملوں سے سرد مہری کا جذبہ راہ نہ پائے، سماج دشمن عناصر غالب نہ ہوں، طاقت چند طبقات میں مرکوز نہ ہونے پائے، کام میں ضرورت سے زیادہ اصول پرستی اور تصوریت کو دخل نہ ہو، ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے والی سیاسی پارٹیوں کی تعداد زیادہ نہ بڑھنے پائے، عاملہ بے اثر نہ ہونے پائے، اقربا نوازی اور سیاسی مرتبے سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا چلن نہ ہونے پائے وغیرہ ——— تاکہ سماج جدیدیت کی تعمیر کے مختلف عوامل پر چل کر سکون کے ساتھ ترقی کی راہیں طے کرتا رہے۔

سماجیاتی اعتبار سے سماج کے روایاتی اور جدید اقدار کے درمیان جو فرق ہے اُسے پارسن کے قائم کئے ہوئے چار متبادل نمونوں سے واضح کیا جا سکتا ہے: خصوصیت پسندی ——— عالمگیریت، انتشار ——— اجتماع،

ذمے داری سے فرار ـــــ ذمے داری قبول کرکے کارنامہ انجام دینا۔ جذباتیت ـــــ عقلیت پسندی:
ایک ترقی پذیر سماج کو ان چاروں پہلوؤں پر نظر رکھ کر آگے بڑھنا ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سماجی اقدار اور اداروں کی حیثیت اور سماجی تعلقات کی نوعیت کا انحصار بہت بڑی حد تک معاشی سیاسی اور تمدنی حقیقتوں ہی کے اوپر ہوگا۔

مختصراً یہ بات آسانی کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ کسی سماج کا پورے طور پر ترقی کرنے سے قاصر رہنا ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جس میں زندگی کے بہت سے سماجی، معاشی، سیاسی، اور تمدنی پہلو باہم ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور ایک دوسرے کے پابند ہوتے ہیں۔ مزید براں جدیدیت کی کامیابی اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ مختلف سماجی ادارے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک ساتھ کام کریں۔

ایک ترقی کرتے ہوئے سماج میں ڈیولپ منٹ سے متعلق جو مسائل اُٹھتے ہیں، ان سے نمٹنے میں تعلیم کو بڑا زبردست کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔ معاشی ترقی کی رفتار جن مسائل کی وجہ سے رُک جاتی ہے، ان کا حل نکالنے میں تعلیم سے مدد مل سکتی ہے۔ تعلیم سماجیت کا رنگ پیدا کرنے اور بات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس لئے اس کی اس خصوصیت سے سیاسی اداروں کی نشوونما میں اس سے بہت کام لیا جا سکتا ہے۔ ڈیولپمنٹ کے دوران میں بہت سے سماجی عمل ایسے ہوتے ہیں جو تعلیمی اداروں کی سرگرمیوں کے ذریعے وجود پذیر ہوتے ہیں۔

(مسلسل)

اڈلٹ ایجوکیشن اور معاشی ترقی

چودہویں نیشنل سیمینار کے

عنوانات بحث کا ابتدائی خاکہ

مذکورہ بالا موضوع پر بحث کرنے کی غرض سے انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا نیشنل سیمینار جو اسی مہینے میں منعقد ہونے والا تھا، بعض مجبوریوں کی وجہ سے ملتوی ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے ورکنگ پیپر کا ابتدائی مسودہ مرتب ہو گیا ہے جو ناظرین کی معلومات کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔

یہ ورکنگ پیپر ابھی زیر بحث منزل میں ہے اور اس کے بارے میں تنقیدیں، رائیں، اضافے اور ترمیمیں ابھی ایسوسی ایشن کے دفتر میں بھیجی جا سکتی ہیں۔

—— ایڈیٹر

تمہید

اڈلٹ ایجوکیشن کی اصطلاح میں وہ تمام کوششیں اور سرگرمیاں شامل ہیں جو شعوری طور پر مرتب کئے ہوئے منصوبوں کے ماتحت بالغوں کے لئے منعقد کی جاتی ہیں، جنھیں بالغ انسان کی حیثیت سے زندگی کی ذمہ داریاں سنبھالنی ہوتی ہیں۔ اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کا مقصد ہے لوگوں کو معلومات بہم پہنچانا، زندگی کے آداب و اطوار کی تربیت دینا، معاملات میں رائے قائم کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا اور ان کے اندر وہ ہنرمندی پیدا کرنا جو بالغوں کو اپنی زندگی کے مسائل سلجھانے کے لئے تیار کرنے میں مدد دیتی ہے۔ مختصر یہ کہ اڈلٹ ایجوکیشن زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈھ

نکالنے کے لئے ایک تعلیمی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

زندگی کے مسائل کا تعلق ہمیشہ ماحول سے ہوتا ہے۔ یہ مسائل نہ صرف مختلف علاقوں میں مختلف ہوتے ہیں بلکہ زمانے کے اختلاف سے بھی ان میں فرق آجاتا ہے۔ اڈلٹ ایجوکیشن اسی وقت کار آمد بن سکتی ہے جب کہ اُسے زندگی اور وقت کے مسائل کی ٹھوس بنیادوں پر کھڑا کیا جائے یعنی ایسے مسائل کے مطالعے کی بنیاد پر جو کسی ملک کی تاریخ کے کسی خاص دور میں افراد اور ماحول کے باہمی تعلق کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کی تنظیم اس طرح کرنی ہوگی کہ اس کا رشتہ لازمی طور پر ان تمام پروگراموں کے ساتھ قائم ہو جائے جو عوام کی زندگی کے معیار کو کافی حد تک بلند کرنے کے لئے اس وقت ملک میں چل رہے ہیں۔ آج ملک میں غریبی جتنی بھیانک شکل اختیار کر چکی ہے، اس کے پیش نظر اقتصادی ترقی کے پروگراموں کی اہمیت سب سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ تجربے سے یہ بات بہر حال ثابت ہو چکی ہے کہ اقتصادی ترقی کا زندگی کے سماجی اور تہذیبی پہلوؤں کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے اور غربت سے چھٹکارا محض اقتصادی ترقی کے مجرد پروگراموں کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ اقتصادی ترقی کے پروگرام اسی وقت موثر ہو سکتے ہیں جب کہ ان پروگراموں کے ساتھ انسانی وسائل کو چمکانے یعنی لوگوں کی کارکردگی کو بڑھانے میں بہت نمایاں کام انجام دیا جائے۔

اس سیمنار کا بنیادی مقصد اڈلٹ ایجوکیشن اور اقتصادی ترقی کے عمل کے باہمی تعلق کا مطالعہ کرنا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس بحث و مباحثے کی روشنی میں، اس نکتے کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہوگی کہ اڈلٹ ایجوکیشن آج کے ہندوستان کی سب سے اہم ضرورت کو پورا کرنے میں کس حد تک مددگار بن سکتی ہے، اس لئے کہ آج ہندوستان کی سب سے اہم ضرورت ہے عوام کو غربت کی چکی سے چھٹکارا دلانا، جس کے پاٹوں کے بیچ وہ آج بری طرح پس رہے ہیں۔

اس ورکنگ پیپر میں بحث و مباحثے کے لئے سوالات کی ایک فہرست دے دی گئی ہے۔ مباحثے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے ہر سوال کے ساتھ ایک مختصر نوٹ بھی دے دیا گیا ہے۔ یہ سوالات اور نوٹ تین باب میں تقسیم ہے۔

(زیر بحث سوالات اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے)

زیر بحث سوالات

پہلا باب

ہندوستان میں اقتصادی ترقی کے نمایاں پہلو

سوال نمبر۱: ہندوستان میں ہمہ گیر اقتصادی ترقی کے نمایاں پہلو کیا کیا ہیں؟

(نوٹ: پلاننگ کمیشن نے جو پنج سالہ پلان شائع کئے ہیں، ان میں اقتصادی ترقی کے مقصد و منہاج کی وضاحت نہایت مناسب انداز میں کردی گئی ہے۔ پلان میں جو پالیسی، طریق کار، انتظامی ڈھانچہ اور بعد کو کرنے کے کاموں کی ترتیب وغیرہ دی گئی ہے اس پر تو اختلاف رائے ہوسکتا ہے مگر اس میں اقتصادی ترقی کے جو اغراض و مقاصد پیش کئے گئے ہیں، ان سے مشکل ہی سے اختلاف کی گنجائش نکل سکتی ہے) اس ضمن میں مندرجہ ذیل بیان پر غور کیا جاسکتا ہے

ہندوستان کی ہمہ گیر اقتصادی ترقی کا مقصد یہ ہے کہ سائنس، ٹیکنالوجی اور علم کے میدان میں جو نت نئی وسعتیں پیدا ہوتی جارہی ہیں ان کو عوام کی زندگی کو بہتر اور خوشحال بنانے کے لئے استعمال کیا جائے اور لوگوں کو پورے طور پر روزگار فراہم کئے جائیں تاکہ انھیں انسانی عظمت اور ہندوستانی تہذیب کی روشن روایات اور پسندیدہ اصولوں کے مطابق اپنی شخصیت کے تخلیقی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کا موقع ملے۔)

سوال نمبر۲: آج ہندوستان میں اقتصادی ترقی کے کام کن خاص حصوں میں تقسیم ہیں؟

(نوٹ: آج ہندوستان میں اقتصادی ترقی کے جو خاص خاص پروگرام جاری ہیں ان کی گروپ بندی مختلف طریقوں سے کی جاسکتی ہے۔ تقسیم کا ایک خاکہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ گروپ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تقسیم نہایت مناسب ہے۔ یعنی گروپ کی تعداد نہ تو بہت زیادہ ہے اور نہ بہت کم۔ اس گروپ بندی سے

یہ سمجھنے میں آسانی ہو گی کہ ہر گروپ کے ماتحت کام کی نوعیت اور ان کے سب سے نمایاں پہلو کیا ہیں تاکہ ان پر خاص طور سے توجہ دی جا سکے۔

(i) گاؤوں کی ترقی :

اس میں زراعت، مویشیوں کی نگہداشت اور افزائش نسل، کمیونٹی ڈیویلپ منٹ، ایکسٹنشن پیکیج پروگرام، گاؤں کی صنعتیں اور گاؤں کی کوآپریٹیو سوسائٹیاں وغیرہ بھی شامل ہیں۔

(ii) صنعتوں کی ترقی :

اس میں بھاری صنعتیں، چھوٹے پیمانے کی صنعتیں، دست کاریاں اور شہروں کی کوآپریٹیو سوسائٹیاں وغیرہ شامل ہیں۔

(iii) سوسائٹی کے پسماندہ طبقے کی اقتصادی ترقی :

اس میں پسماندہ ذاتیں، پست اقوام، قبائلی اور بے روزگار لوگ شامل ہیں۔

(iv) عوامی صحت اور فیملی پلاننگ

سوال نمبر ۳ : اقتصادی ترقی کی راہ میں کیا کیا مراحل پیش آتے ہیں ؟

(نوٹ :۔ اقتصادی ترقی کے تمام عمل کو مختلف مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی منصوبہ بندی، عمل درآمد اور تجربوں سے سیکھنے کا مرحلہ۔ سیمنار ان مختلف مراحل کی نشان دہی کر کے ان کی خصوصیات اور باہمی تعلقات کی تشریح اس طرح کر سکتا ہے کہ اس سے اس تمام عمل میں اڈلٹ ایجوکیشن کے کردار کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔)

سوال نمبر ۴ :۔ اقتصادی ترقی کی راہ میں کون کون سی چیزیں رکاوٹ بن رہی ہیں ؟

(نوٹ :۔ اس وقت ہندوستان کو اقتصادی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے میں بہت سے مسائل کا سامنا

کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کی ترقی کی رفتار اتنی تیز نہیں رہی جتنی تیز کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اُسے ہونا چاہیئے تھا۔ سیمنار ان مسائل کے بارے میں سوچ بچار کر سکتا ہے اور یہ تجزیہ کر سکتا ہے کہ انتظامی نقص، وسائل کی کمی اور انسانی وسائل کا فقدان اس کی راہ میں کس درجہ حائل ہے۔ ان مشکلات پر حقیقی صورت حال اور ان دشواریوں کے پس منظر میں غور کرنا چاہیئے جو آج کے اقتصادی نظام کے ماتحت مختلف شعبوں میں کارفرما ہیں۔

اس طرح کے مسائل کا جب ہم شمار کرنے بیٹھیں گے تو ان کو لاتعداد پائیں گے۔ اس لئے اچھا یہ ہے کہ اس مباحثے کو ہم محض ان مسائل تک محدود رکھیں جن کو حل کرنے میں اڈلٹ ایجوکیشن سے مناسب مدد ملنے کی بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے۔

دوسرا باب

اقتصادی ترقی کے عمل میں انسانی وسائل کی اہمیت اور اڈلٹ ایجوکیشن

سوال نمبر ۵:۔ انسانی وسائل سے کیا مراد ہے؟

(نوٹ:۔ انسانی وسائل سے مراد ہے لوگوں کے حوصلوں اور امنگوں، کام کے عادات و خصائل اور عمل و ردِ عمل سے متعلق ذہنی اور نفسیاتی خصوصیات، مختلف کاموں کے لئے جس طرح کے لوگوں کی ضرورت ہو ان کی فراہمی اور ٹریننگ۔ سیمنار انسانی وسائل کے اہم پہلوؤں کی نشان دہی کر کے ان پر بحث مباحثہ کر سکتا ہے۔)

سوال نمبر ۶:۔ انسانی وسائل کی کارکردگی بڑھانے میں اڈلٹ ایجوکیشن کیا کردار ادا کر سکتی ہے؟

(نوٹ:۔ اڈلٹ ایجوکیشن اس سلسلے میں جو کردار ادا کر سکتی ہے ان کا مطالعہ مندرجہ ذیل کاموں میں تقسیم کر کے کیا جا سکتا ہے۔

[redacted]

(i) وہ لوگ جو اقتصادی ترقی کے عمل میں حصّہ لے رہے ہیں، ان کی معلومات میں اضافہ کرنا
(ii) ان کاموں میں حصّہ لینے والوں میں صحیح اندازِ فکر پیدا کرنا
(iii) جو کام وہ کر رہے ہیں اس سلسلے میں نئے نئے ہنر سکھا کر ان کی کارکردگی میں اضافہ کرنا۔

سیمنار مندرجہ بالا پہلوؤں میں سے ہر ایک کے کردار اور ان کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے سلسلے میں بات چیت کر سکتا ہے)

تیسرا باب

اقتصادی ترقّی کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کی تنظیم اور طریق کار

سوال نمبر۷:۔ (الف) اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام میں وہ کیا تبدیلیاں لائی جائیں جن سے کہ وہ اقتصادی ترقی کے حق میں زیادہ مفید ثابت ہو سکے؟

(ب) اقتصادی ترقّی کے نقطۂ نظر سے اڈلٹ ایجوکیشن کا پروگرام ترتیب دینے کی راہ میں کیا دشواریاں حائل ہیں؟

(ج) ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے جا سکتے ہیں؟

(نوٹ)۔ اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کا زراعتی اور صنعتی پیداوار کے پروگرام سے گہرا رشتہ قائم کیا جانا چاہئیے، اتنا گہرا کہ یہ زراعتی اور صنعتی پیداوار کے ترقیاتی پروگرام کے احاطے کے اندر سے ہے۔ سیمنار یہ غور کر سکتا ہے کہ اس غرض سے اڈلٹ ایجوکیشن کے کام کے نہج، اس کے نصاب، طریق کار، طریقۂ تعلیم، انتظامی ڈھیر اور مالی امداد وغیرہ میں کیا تبدیلیاں لانی ہوں گی؟

سیمنار ان پہلوؤں پر غور کرسکتا ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کو اقتصادی ترقی کی ضروریات کے مطابق ڈھالنے میں تنظیمی، مالی اور دوسری کیا دشواریاں حائل ہوسکتی ہیں۔

اگر ان دشواریوں کو دور کرنا ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ اس سلسلے میں تفصیل کے ساتھ سوچ بچار کر عمل کی ایک راہ متعین کرلی جائے۔ اس سلسلے میں سرکاری محکموں، انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن جیسے رضاکار اداروں، مختلف سطح کے فیلڈ کے کارکنوں، اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں کام کرنے والے دوسرے مختلف طرح کے لوگوں کے لئے عمل کی راہ متعین کرنی ہوگی۔ سیمنار یہ سوچ بچار بھی کرسکتا ہے کہ متعلقہ افراد اور ادارے کس طرح مطلوبہ تبدیلی پیدا کرسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے کام کی نوعیت کیا ہو۔ وہ کام کو کس طرح شروع کریں اور چلائیں کہ وہ آئندہ بھی جاری رہ سکے، ان کے کام کی محاذبندی کی کیا شکل ہو)۔

سیمنار اس سلسلے میں خاص طور سے ان پائلٹ پروجیکٹوں کا تجربہ کرسکتا ہے جو یونیسکو اور مرکزی وزارت تعلیم کے مشترک اہتمام میں منعقد ہونے والے دہلی ورکشاپ نے ستمبر ۱۹۶۴ء میں ترتیب دیئے تھے۔

عوامی تعلیم اقتصادی ترقی کی بنیاد ہے

زیرِ نظر مضمون محترمہ مسز الوا میردل کے ایک مقالے سے لیا گیا ہے جو موصوفہ نے تیسرے پنج سالہ پلان کے مجوزہ خاکے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تیسرے پنج سالہ پلان کا خاکہ عوام کی رائے اور خیالات حاصل کرنے کی غرض سے شائع کیا گیا تھا اور موصوفہ نئی دہلی میں سویڈن کی سفیر تھیں۔

محترمہ میردل کا یہ مضمون محض اسی حیثیت سے اہمیت نہیں رکھتا کہ وہ تعلیم کے بل پر ترقی پائے ہوئے ایک ملک کی سفیر تھیں، بلکہ اس سے زیادہ اس لئے کہ وہ سماجیات کی ایک مسلم الثبوت عالمہ ہیں اور سفارت کے عہدے سے پہلے یونسیکو کے سوشل سائنس ڈپارٹمنٹ کی ڈائرکٹر تھیں

——— ایڈیٹر

اقتصادی ترقی میں تعلیم کا جو منصب ہے، اسے جتنا بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا جائے کم ہے۔ مگر تعلیم کے خرچ کو اس کے صحیح پس منظر میں نہیں دیکھا جاتا اور بہت سے لوگ اس کے بالکل برعکس سوچتے نظر آتے ہیں۔ ترقی کے اقتصادی پہلوؤں پر نظر رکھنے والے تعلیم کے اصل فائدے کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کسی بھی ملک کی اقتصادی ترقی کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے ہی یہ لوگ اس بات کے قائل ہو جائیں گے کہ وہ ملک جنھوں نے شعوری طور پر کوشش کر کے اپنے یہاں تعلیم کو فروغ دیا ہے، وہی ملک اقتصادی ترقی کے اعتبار سے بھی آگے بڑھ سکے ہیں اور انھیں ملکوں کو صنعت، زراعت اور تجارت کے میدان میں نمایاں ترقی حاصل ہوئی ہے۔

آج دنیا کے بہت سے ملکوں میں تعلیم اور اقتصادی ترقی کی سطح کے درمیان ایک خاص طرح کا تناسب نظر آتا ہے۔ آج اقتصادی ترقی کے اعتبار سے وہی ملک ترقی یافتہ ہیں جو تعلیم کے میدان میں بھی آگے آگے ہیں۔ تمام باتوں کو چھوڑ کر اگر قومی آمدنی اور خواندگی کے اوسط کا تقابلی مقابلہ کیا جائے تو ہمیں ان کے اعداد و شمار میں تناسب کے اعتبار سے حیرت انگیز حد تک یکسانیت نظر آتی ہے۔ خیر یہ تو رہی آج دنیا کے مختلف ملکوں میں تعلیم اور اقتصادی ترقی کی موجودہ کیفیت۔ اگر ہم ہر ملک کی رفتارِ ترقی کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ بات صاف نظر آئے گی کہ کسی ملک میں تعلیم کی

سطح جوں جوں اونچی ہوتی جاتی ہے، اسی رفتار سے وہاں اقتصادی ترقی کی رفتار بھی تیز ہوتی جاتی ہے۔

تعلیم اور اقتصادی ترقی کے تناسب کے درمیان جو یہ ربط دکھائی دیتا ہے، اس سے اب تو کوئی انکار نہیں کرتا، مگر اس تناسب کو دیکھ کر بہت سے لوگ اس سے مختلف نتیجہ نکالتے ہیں ــــ یہ حالت اس لئے بھی پیش آتی ہے کہ آج کئی ایک ملک زندگی کے تمام میدانوں میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں تعلیم اور اقتصادی ترقی کے اس باہمی تعلق سے وہ لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ملک جوں جوں اقتصادی اعتبار سے ترقی کرے گا تعلیم پر خرچ کرنے کی اس کی قوت بھی بڑھتی جائے گی، حالانکہ یہ دعویٰ بالکل غلط اور یک طرفہ ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق تعلیم کی بنیادی حیثیت خرچ ہی خرچ والے کام کی قرار پاتی ہے اگرچہ کچھ امتیازی حیثیت لئے ہوئے۔

میں تعلیم اور اقتصادی ترقی کے باہم تعلق کی اس نوعیت سے انکار تو نہیں کروں گی مگر اس سے بالکل مختلف نقطۂ نظر کی حمایت میں بھی کچھ کہنا ضرور چاہوں گی۔ میرا دعویٰ ہے کہ تعلیم کی ترقی اقتصادی ترقی کی راہ کھولتی ہے دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ انسانی وسائل کو ترقی دینا، اقتصادی ترقی کی لازمی شرط ہے۔ اور انسانی وسائل کی ترقی بغیر تعلیم کے ممکن نہیں ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اقتصادی ترقی تعلیم پر کئے جانے والے اخراجات پر منحصر ہوتی ہے۔

اس خیال کی وضاحت بہت آسانی سے ہو جائے گی اگر ہم کسی ملک کی اقتصادی ترقی اور تعلیم کے فروغ کا تقابلی مطالعہ کریں۔ اسکینڈی نیویا کے ملک (سویڈن، ڈنمارک اور ناروے)، جرمنی، امریکہ اور سوویت روس اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ ان ملکوں میں کس طرح ایک با مقصد مہم بنا کر تعلیم حاصل کرنے کے لئے عوام کے جوش و خروش نے اقتصادی ترقی کو پر لگا دیا۔ میں یہاں اپنے ملک کی مثال پیش کروں گی۔ سویڈن میں آج جو خوشحالی اور فلاحی ترقی کی سرگرمیاں دکھائی دیتی ہیں اس میں اگر کوئی راز مضمر ہے تو وہ یہ ہے کہ ہمارا ملک صنعتی انقلاب کے دور میں داخل ہونے سے پچیسوں سال پہلے پوری طرح خواندہ بن چکا تھا اور پرائمری اسکولوں میں جبری تعلیم کا انتظام کیا جا چکا تھا۔ ۱۸۴۲ء میں جب لازمی اور جبری اسکولی تعلیم کا قانون پاس ہوا اس وقت سویڈن ایک غریب اور نادار ملک تھا۔ یہ اس زمانے کے باکمال رہنماؤں کی بالغ نظری تھی کہ انھوں نے اس وقت تعلیم کو اس کا صحیح مقام دے کر ملک کی ترقی کے لئے راہیں کھول دیں۔

ڈنمارک کی مثال اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔ اس ملک کو قدرت نے زرخیز زمین کے سوا اور کوئی چیز نہیں دی تھی جس کو وہ اپنی اقتصادی ترقی کی بنیاد بنا سکتا لیکن اس ملک کے لوگوں نے اپنے موجودہ وسائل کی بنیاد پر

ایک ترقی یافتہ اور خوشحال سماج بنانے کا راز پالیا۔ انھوں نے یہ بات سمجھ لی کہ وہ ان ساری کمیوں کو انسانی وسائل کو ترقی دے کر پورا کر سکتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے شروع سے ہی عوام کو اچھی تعلیم دینے پر زور دیا۔ ۱۸۱۴ء میں ہی لازمی اور جبری ابتدائی تعلیم کا اہتمام کر دیا گیا اور اس کے بعد ہی سو فی صدی خواندگی کے لئے کوشش شروع کر دی گئی۔ گذشتہ صدی میں امریکہ نے جو بے انتہا ترقی کی ہے اور اس صدی میں سوویت روس جس تیزی سے آگے بڑھا ہے ان کے پیچھے بھی یہی بات کارفرما رہی ہے یعنی انھوں نے سب سے بڑی عقل مندی یہ کی کہ تعلیم پر خوب دل کھول کر پیسہ صرف کیا۔

اقتصادی ترقی کی کسوٹی پر جب کسی نظام تعلیم کو پرکھا جائے تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہاں جلد سے جلد تعلیم کو زیادہ سے زیادہ وسیع بنیادوں پر کھڑا کیا جائے یعنی جتنی جلدی ممکن ہو ہمہ گیر خواندگی کی منزل پر پہنچ جایا جائے۔ یہ کام اسکولوں میں بچوں کی لازمی تعلیم کے ذریعہ بھی کیا جائے اور بالغوں کی خواندگی کی مہیں چلا کر بھی۔ تعلیم کی بنیاد کے استحکام کا ایک فائدہ یہ بھی ہے ـــــ اور جو صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ ہر شہری تک پہنچ کر انھیں ترقی وتبدیلی کا پیغام سنانے اور ان میں ترقی وتبدیلی کی خواہش پیدا کرنے کے لئے ان سے براہِ راست تعلق قائم کیا جا سکتا ہے اور اس طرح ڈیولپ منٹ کے آیندہ جاری رہنے کا یقین ہو سکتا ہے۔

—

امریکہ میں مزدوروں اور کاریگروں کی پیشہ ورانہ تعلیم

امریکہ میں کام دھندھوں کی تعلیم اور مزدوں اور کاریگروں کو پھر سے ٹرننگ دینے کے پروگرام سے ٹیکنیکل ترقی کے اس دور میں زیادہ سے زیادہ ہوشیار اور ماہر کاریگروں کی مانگ پوری کرنے میں بہت مدد مل رہی ہے

کاری گر پھر ہنر سیکھنے جاتے ہیں

امریکہ کے مزدوروں کو دوبارہ اسکول جانا پڑ رہا ہے۔ کلرک اور فیکٹریوں کے مزدور، نورمین اور مستری، پرنٹر اور ٹیلی گرافسٹ ــ سبھی طرح کے کام دھندوں میں لگے ہوئے لوگ نئے نئے ہنر سیکھ رہے ہیں۔

ادھر چند سال میں ٹیکنیکی ترقی کی رفتار اتنی تیز رہی ہے کہ اس سے نہ صرف بے ہنر یا موٹے کام کرنے والے) مزدوروں کی مانگ تقریباً ختم ہو گئی ہے بلکہ اس کی وجہ سے ٹریننگ پائے ہوئے کاری گر بھی نئے نئے ہنر سیکھنے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک حساب کرنے کی بڑی سی مشین حساب کتاب رکھنے والے کئی آدمیوں کا کام اکیلے کر سکتی ہے۔ اس طرح یہ مشین ان لوگوں کی خدمات کو غیر ضروری بنا دیتی ہے۔ مگر حساب کی مشین نئے کاموں کو بھی اپنے ساتھ لاتی ہے، کیونکہ اس کے ڈیزائن تیار کرنے اس کو بنانے اور اس کو چلانے کے لئے ٹیکنکل آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس طرح خودکار فیکٹریوں میں کچھ کاموں کے ختم ہو جانے کے باوجود نئے کام پیدا ہو جاتے ہیں جن کے لئے اونچے درجے کی ہنرمندی کی ضرورت ہوتی ہے۔

صنعتوں اور مزدوروں دونوں نے ان مزدوروں کو دوبارہ تعلیم اور ٹریننگ دینے کے پروگرام میں تعاون دے کر اس نئے چیلنج کا سامنا کیا، جو خودکار مشینوں کی وجہ سے بے کار ہو گئے تھے۔ مگر ۱۹۵۸ء تک نئے ہنر جاننے والوں کی مانگ اتنی بڑھ گئی کہ اسے دیکھتے ہوئے

سرکار نے "قومی تحفظ قانون" پاس کرکے اس طرح کی ٹرینگ کے لئے فنڈ مخصوص کر دیئے ۱۹۶۲ء میں صدر کینڈی نے عوامی قوت کی ترقی اور ٹرینگ کے قانون پر دستخط کر دیئے۔ اس قانون کی رو سے حکومت کو ٹرینگ پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کے لئے آگے آنا پڑا۔

یہ وہ کوشش تھی جو حکومت نے پہلی بار ٹیکنیکل ترقی کے اثرات اور منڈی میں آنے والی تبدیلیوں کے پیشِ نظر پیشوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی غرض سے بے کار مزدوروں کو نئے نئے ہنر سکھانے کے لئے کی تھیں۔ اس قانون کے دو مقصد تھے۔

(۱) ان مزدوروں کو دوبارہ ٹرینگ دینا جو اس کے بغیر کام دھندا تلاش نہیں کر سکتے تھے اور

(۲) غیر سرکاری صنعتوں کے سامنے یہ خیال پیش کرنا کہ بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر مزدوروں کو دوبارہ ٹریننگ دینا کتنا ضروری ہے اور انھیں اس سمت میں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیئے۔

اس نئے قانون کے ماتحت ایڈمنسٹریشن نے نئے پیشوں کے لئے تقریباً ۴ لاکھ مزدوروں کو ٹرینگ دینے کا منصوبہ بنایا۔ یہ بے کار مزدور کلاسوں میں حاضر ہو سکتے تھے اس لیے کہ انھیں روزگار بیمہ پالیسی کی طرف سے اس مدت میں تھوڑی بہت تنخواہ بھی ملتی ہے۔ انھیں اس ٹرینگ کے لئے کوئی فیس وغیرہ نہیں ادا کرنی پڑتی ہے اور تعلیم مکمل کر لینے کے بعد ہر ایک کے لئے کوئی نہ کوئی کام ضرور تلاش کر دیا جاتا ہے۔

امریکہ کے نظامِ تعلیم میں پیشہ ورانہ تعلیم کے اس پروگرام کو خاص مقام حاصل ہے۔ اس تعلیم نے ماہر کاریگروں کی بڑھتی ہوئی مانگ پوری کرنے میں مدد دی ہے۔ پیشہ ورانہ تعلیم شہروں اور قصبوں کے سرکاری اسکولوں میں دی جاتی ہے۔ اس کے دو خاص مقصد ہیں۔

(۱) نوجوانوں کو ایسے بنیادی ہنر سکھانا اور اُن معلومات کو وسعت دینا جس سے کہ وہ روزگار یا پیشے کے کاموں کے لئے پوری طرح تیار ہو سکیں۔ اور

(۲) پہلے سے کام پر لگے ہوئے بالغ مزدوروں کی ہنرمندی میں اضافہ کرنا، جس سے کہ وہ زیادہ مستعدی کے ساتھ اپنا کام کر سکیں۔

۱۹۶۱ء میں ہائی اسکولوں میں پیشہ ورانہ تعلیم کا نصاب لینے والوں کا اوسط ملک کی سطح پر ۱۳ فی صدی تھا۔ اس کے علاوہ بعض نوجوانوں نے سرکاری اسکولوں میں جانا چھوڑ دیا تھا اور جن بالغوں نے مزید ٹرینگ پانے کی ضرورت محسوس کی وہ سب لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس پیشہ ورانہ ٹرینگ کے پروگرام میں شریک ہو گئے۔ اس طرح آج کل تقریباً ۴ لاکھ طالب علم

پیشہ ورانہ ٹریننگ کے اسکولوں میں داخل ہیں۔

یہ اسکول اس طرح کے مختلف پروگرام چلاتے ہیں جن کا مقصد تربیت یافتہ مستریوں، کاریگروں، نوسکھوں اور اسکول چھوڑ دینے والے نوجوانوں کو ٹریننگ دینا ہوتا ہے۔ اس میں انھیں اس طرح کی ٹریننگ دی جاتی ہے جو انھیں نئے نئے سازوسامان کی مدد سے اور نئی ٹیکنیک کے مطابق کام کرنے کے قابل بنا دے۔

امریکہ میں آج کل تقریباً ۷۰ لاکھ آدمی پیشہ ورانہ تعلیم کے ایکسٹینشن پروگرام کی کلاسوں میں داخل ہیں۔ ان کے لئے خودکار مشینوں کو چلانے، عمارت کی تعمیر کرنے، ڈرافٹنگ، الیکٹرونکس، گرافکس، مشینوں اور دھاتوں سے متعلق کام دھندے، ویلڈنگ اور مرمت کے کاموں سے متعلق مختلف طرح کے نصاب رائج ہیں۔

لوگوں کی کارکردگی اور مہارت میں اضافہ کرنے والے کورس کسی بھی وقت دن یا رات میں ایک گھنٹے سے لے کر ۴ گھنٹے تک چلتے ہیں۔ کام کے مقررہ اوقات کے بعد شام کے وقت جو کلاسیں لگتی ہیں ان میں بہت بڑی تعداد میں مزدور اور مستری شامل ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد ہوتا ہے اپنے کام دھندے سے متعلق نئی نئی ٹیکنیک کی جانکاری حاصل کرنا۔

صنعتی میدان میں جو تبدیلیاں ہوئی تھیں ان کے نتیجے کے طور پر ماہر اور ہنرمند مزدوروں کی کمی ہونے کے باوجود بہت بڑی تعداد میں مزدور بے کار ہو گئے تھے۔ یہ اس لئے ہوا کہ اس وقت کی پیشہ ورانہ تعلیم کافی پچھڑی ہوئی تھی۔ اس لئے سنہ ۱۹۶۲ء میں صدر کینیڈی نے ماہرین کی ایک کمیٹی کی تشکیل کی، جس کا کام تھا اس وقت کے رائج پیشہ ورانہ تعلیم کے پروگراموں کا جائزہ لینا اور اس میں اصلاح کی تدبیریں پیش کرنا۔ اس کمیٹی نے پیشہ ورانہ تعلیم کے پروگراموں کا تفصیل سے جائزہ لیا اور اس کی سفارشات کی بنیاد پر پیشہ ورانہ تعلیم کا ایک نیا قانون بنا۔ دسمبر سنہ ۱۹۶۳ء میں صدر جانسن نے اس کی منظوری دے دی۔

جب اٹلی متحد ہوا

سو سال بھی نہیں ہوئے جب کہ اٹلی کئی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں میں تقسیم تھا۔ اور یورپ کے پسماندہ ملکوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں جب یہ ملک متحد ہوا اس وقت اس کے سامنے دو بہت دشوار مسئلے تھے۔ ایک زمانے سے ملک کے اندر غربت اور جہالت دو بڑے دشمن پل رہے تھے جس کے خلاف اس نئے متحد ملک کو جدوجہد کرنی تھی۔

غربت کو دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ملک کو صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ بنایا جائے۔ مگر ایک ایسے ملک میں جہاں آبادی کی اکثریت ناخواندہ ہو صنعتی ترقی کی بنیادیں مضبوط نہیں ہو سکتیں اس لئے ملک کے رہنماؤں نے اقتصادی ترقی کے پروگرام کے ساتھ ملک کے اس دوسرے دشمن کو زیر کرنے کی کوشش بھی شروع کی۔ اس ضمن میں ہم ذیل میں چارلس ڈونر ہیزن کی کتاب تاریخ یورپ سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں

"اٹلی کے سامنے غربی کے بعد دوسرا مسئلہ ناخواندگی کا تھا۔ اس نئے متحد ملک کے شہریوں کی تعلیم کے مسئلے پر فوری طور پر توجہ دینے کی ضرورت تھی۔ اٹلی کی زندگی میں ابھی کچھ دنوں قبل جو سیاسی انقلاب رونما ہوا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ اٹلی کے لوگوں کو ملکی زندگی میں زیادہ ذمہ دارانہ حیثیت سے حصہ لینے کے لئے تیار کیا جائے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ناخواندگی کو دور کرنے کے پروگرام پر توجہ دینا ناگزیر ہو گیا۔ انقلاب سے پہلے کی حکومتوں نے ملک کے شہریوں کی تعلیم کی طرف سے کافی بے توجہی دکھائی تھی، سنہ ۱۸۶۱ء میں ملک میں تقریباً [illegible] فی صدی آبادی ناخواندہ تھی۔ نیپلس اور سسلی کی ریاستوں میں تو ناخواندوں کی آبادی نوے فی صدی سے بھی اوپر تھی۔ پیڈمانٹ اور لیمبارڈی کی ریاستیں جو اٹلی کی دوسری ریاستوں کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ تھیں وہاں ایک تہائی مرد اور نصف سے بھی زیادہ عورتیں الف کا نام تک نہیں جانتی تھیں۔ میزنی جو اٹلی کے اتحاد کی تحریک کا علمبردار تھا اس نے ایک بار کہا تھا کہ "قومی تعلیم کے بغیر اخلاقی سطح پر کسی قوم کا وجود ممکن نہیں ہے۔ تعلیم کا سہارا لئے بغیر ہم کسی قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑ ہی نہیں سکتے ہیں۔ قومی تعلیم کے بغیر جو سب شہریوں کے لئے مشترک ہو، شہری حقوق و فرائض میں برابری کا دستور ایک کھوکھلے اصول سے زیادہ اہمیت

نہیں رکھتا "

"۱۸۷۷ء میں لازمی تعلیم کا قانون پاس ہوا۔ ۱۹۰۴ء میں ایک نئے قانون نے اس کے میدان کو اور وسیع بنایا لیکن چونکہ پرائمری اسکولوں کو چلانے کی ذمہ داری کمیونوں (مقامی پنچایتوں) کے اوپر تھی، اور بیشتر یہ مقامی پنچایتیں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے سے بچتی تھیں، اس لئے عملاً ہمہ گیر تعلیم کا نظام قائم نہیں ہوسکا۔

اٹلی کے متحد ہونے کے بعد سے ہی حق رائے دہندگی اور انتخابی حلقوں میں سدھار کا چرچا چل رہا تھا۔ ۱۸۸۲ء میں انتخابی حلقوں میں سدھار کا ایک قانون پاس ہوگیا۔ اس سے پہلے ووٹ دینے کا حق ۲۵ سال سے اوپر عمر کے ان صاحب جائداد لوگوں تک محدود تھا، جو کم سے کم ۴۰ لیئر سالانہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔ اس طریقے کے مطابق آبادی کے ۲ ½ فی صدی سے بھی کم لوگوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل تھا۔ اُس وقت ناخواندگی کا تناسب اتنا زیادہ تھا کہ تمام بالغوں کو ووٹ کا حق دینا ایک خطرناک بات سمجھی جاتی تھی۔ اس نئے قانون کے پاس ہونے کے بعد جائداد کے ٹیکس کی کم سے کم حد کم کردی گئی۔ ووٹ دینے والوں کا حلقہ بڑھانے کے لئے ایک اور بھی تدبیر کی گئی۔ یہ تدبیر تھی جائداد نہ ہونے کی صورت میں تعلیمی لیاقت کی شرط پر پورا اترنا۔ اس نئے قانون کے مطابق ۲۱ سال سے اوپر عمر والے ان سارے آدمیوں کو ووٹ دینے کا حق دے دیا گیا جنھوں نے پرائمری اسکول تک کی تعلیم حاصل کرلی ہو۔ اس سدھار قانون کا نتیجہ یہ نکلا کہ ووٹ دینے والوں کی تعداد ایک دم تین گنی ہوگئی۔ ان میں سے دو تہائی تعداد ان لوگوں کی تھی جنھوں نے کوشش کرکے اپنی تعلیمی لیاقت کی شرط پوری کی اور اس طرح ووٹ دینے کا حق حاصل کیا۔"

روزنامہ اسٹیٹسمین

اڈلٹ ایجوکیشن

برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ولسن کے بیان کے مطابق کامن ویلتھ کے وزراء اعظم کی کانفرنس کے ایجنڈے میں ناخواندگی کے خلاف مہم کو تیز کرنے کے پلان پر بات چیت کرنا بھی شامل ہے۔ یونیسکو کی ایک کانفرنس کے سامنے ابھی چند سال قبل مسٹر [illegible] نے جو یہ توجہ دلائی تھی کہ دنیا کو اس گھناؤنے چکر سے جلد از جلد نکالنے کی ضرورت ہے جس میں آج وہ بری طرح گھری ہوئی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر اس بات کی ضرورت اور اہمیت اب زیادہ سے زیادہ تسلیم کی جانے لگی ہے۔ موصوف نے اس موقع پر کہا تھا کہ اقتصادی اور سماجی ترقی کا جو مسئلہ اس وقت ہمارے سامنے ہے، اس میں ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم جس طرح کا ڈیولپمنٹ کرنا چاہتے ہیں، وہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ لوگ اچھی طرح تعلیم یافتہ ہوں، اس لئے کہ یہ پڑھے لکھے لوگ ڈیولپمنٹ کے کاموں کو آگے بڑھانے کے لئے بنیاد کا کام دیتے ہیں۔ مگر اس طرح کی تعلیم کا انتظام صرف وہی ملک کر سکتے ہیں جو کافی ترقی یافتہ اور دولت مند ہیں۔

آزادی ملنے کے بعد، ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں کافی حد تک کام کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر اس کے باوجود اس کے اثرات بہت محدود نظر آتے ہیں۔ وزارت تعلیم کی "تازہ ترین سالانہ رپورٹ" میں اس کی خاص وجہ مالی وسائل کی کمی کو قرار دیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مرکزی حکومت اس کام کے لئے "ریاستی حکومتوں کو سو فی صدی رقم فراہم کرنے سے قاصر رہی ہے"۔ چوتھے پنج سالہ پلان میں بھی اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام کے خاطر خواہ طریقے سے پھیلنے کی کچھ بہت امید نظر نہیں آتی۔ وزارت تعلیم کو بہر حال یہ امید ہے کہ اگر اس کام کے لئے رقم مہیا ہو سکی تو "چوتھے پنج سالہ پلان کے آخر تک ناخواندہ آدمیوں کی کل تعداد میں تقریباً پانچ کروڑ کی کمی ہو جائے گی"۔ مغربی بنگال کی اسٹوڈنٹس یونین کی یہ کوشش موجودہ صورت حال میں خاص طور سے بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی کہ اس نے مغربی بنگال سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے مقصد سے ریاست کے مختلف علاقوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے ۳۰ "مرکز" قائم کر دیئے ہیں۔

اس راستے میں فنڈ کی کمی کی وجہ سے ہی رکاوٹ نہیں پڑ رہی ہے اڈلٹ ایجوکیشن کی اسکیم کو اس سے زیادہ نقصان اس بات سے پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے کہ اس کے سامنے کوئی متعین مقصد نہیں ہے۔

بہت سی ریاستوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے جو پروگرام ترتیب دیئے گئے ہیں ان کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ان کو ترتیب دیتے وقت یہ تصور صاف نہیں تھا کہ ان کے ذریعہ طالب علموں کے ذہن پر کس طرح کے اثرات مترتب کرنے ہیں۔ پھر جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ طالب علموں کے شوق ہی کو ختم کر دیتا ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں کسی حد تک ایک متعین اور یقینی پالیسی کا ہونا ضروری ہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام میں مختلف النوع قسم کے بہت سے الگ الگ پروجیکٹ شامل ہوتے ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ان سارے پروگراموں میں قومی سطح پر تال میل قائم کیا جائے، پہلے اور بعد کو کرنے کے کام کی ترتیب اور بنیادی پالیسی کے مطابق ہر ریاست کے کاموں میں ہم آہنگی پیدا کی جائے جس کا مقصد ہوگا تمام سرگرمیوں کو متعین مقاصد کے مطابق ڈھال کر ترقی دینا۔ اڈلٹ ایجوکیشن کا مستقبل بہت شاندار ہے مگر اس سلسلے میں اس وقت جو کوششیں کی جا رہی ہیں، وہ بہت امید افزا نہیں ہیں۔

(یکم جون ۱۹۶۵ء)

یونیورسٹی اور اڈلٹ ایجوکیشن

حیدرآباد میں کانفرنس

"اڈلٹ ایجوکیشن میں یونیورسٹی کے کردار" پر غور کرنے کی غرض سے ۴ سے ۷ جولائی تک حیدرآباد میں ایک کانفرنس ہوگی۔ یہ کانفرنس انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن اور راجستھان یونیورسٹی نے مشترک اہتمام میں مدعو کی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر یا ان کے نمایندے اس کانفرنس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کریں گے۔

اپریل ۱۹۶۵ء میں ماؤنٹ آبو میں اڈلٹ ایجوکیشن کے لیڈروں کی جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس نے طے کیا تھا کہ اڈلٹ ایجوکیشن میں یونیورسٹی کے کردار پر غور و بحث کرنے کی غرض سے ایک کانفرنس بلائی جائے۔ یہ کانفرنس ماؤنٹ آبو کانفرنس کے اسی فیصلے کی تعمیل کے طور پر بلائی جا رہی ہے۔

امید ہے کہ کانفرنس میں ہندوستانی یونیورسٹیوں کے علماء کے علاوہ سڈنی یونیورسٹی (آسٹریلیا) کے پروفیسر ڈی۔ ڈبلیو۔ کراولی، ہانگ کانگ یونیورسٹی کے پروفیسر لیئن ہفس اور ناٹنگھم یونیورسٹی (انگلینڈ) کے پروفیسر ایچ۔ سی۔ ولٹ شر بھی شرکت کریں گے۔

ڈاکٹر جان فرائزن اور شری ایس۔ سی۔ دتا مل کر کانفرنس کے رپورٹر کے فرائض انجام دیں گے۔

خواندگی کے پروگرام کے بارے میں

مرکزی سرکار کو مایوسی

یونائیٹڈ پریس آف انڈیا کی اطلاع ہے کہ حکومت ہند بالغوں کی خواندگی کے پروگرام کی "سست رفتاری"

پر بہت رنجیدہ ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ خواندگی کے فروغ کی موجودہ شرح سے تو سو فیصدی خواندگی کی منزل تک پہنچنے میں ایک صدی سے بھی زیادہ مدت لگ جائے گی۔

حکومت ہند نے ناخواندگی کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اپنے وسائل کے اوپر بھروسہ کرنے کے علاوہ یونیسکو سے بھی امداد طلب کی ہے۔ چنانچہ یونیسکو کے سامنے خواندگی کے ۱۶ پائلٹ پروجیکٹوں کا ایک خاکہ اور دکھا سنا کر تعلیم دینے کے آلات اور کچھ کتابوں (ریڈنگ میٹیریل) کی ایک فہرست پیش کی جا چکی ہے۔ اگر یونیسکو نے یہ فرمائش منظور کرلی تو امداد اگلے سال سے آنی شروع ہو جائے گی۔

مرکزی سرکار نے اس سلسلے میں یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ جامع اور ہمہ گیر پیمانے پر خواندگی کی مہم منظم کرنے میں رضاکار اداروں کی متحدہ کوشش کے بغیر بھی کام نہیں چلے گا۔ اس کے علاوہ حکومت ہند نے جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں کہ نوخواندہ بالغوں کی صلاحیتِ خواندگی کو پختہ کرنے کے لئے کتب خانوں کے انتظام میں اصلاح کی جائے، دکھا سنا کر تعلیم دینے والے وسائل (آڈیو ویژول ایڈس) کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہو تاکہ لوگ مزدور کی حیثیت میں ہوں تو کارخانوں میں اور کسان کی حیثیت میں ہوں تو کھیتوں پر بہتر کارکردگی دکھا سکیں، اور حرف شناسی کی تعلیم کا بندوبست کرنے کے ساتھ ساتھ نوخواندہ بالغوں کے لئے مناسب اور اُن کے حسبِ حال لٹریچر زیادہ سے زیادہ مقدار میں تیار کیا جائے۔

چوتھے پلان کے لئے بالغوں کی خواندگی سے متعلق ریاستوں نے جو منصوبے بنا کر بھیجے ہیں، ان سے مرکزی سرکار مطمئن نہیں ہے۔ اس کی رائے ہے کہ ریاستوں نے منصوبے بناتے وقت یہ محسوس نہیں کیا کہ اس کام کی کتنی اہمیت ہے۔ ریاستوں نے چوتھے پلان کے لئے بالغوں کی خواندگی کے جو نشانے مقرر کئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:-

آندھرا پردیش	پلان کی مدت میں	۳۵	لاکھ	ناخواندہ	بالغوں کو	خواندہ	بنائے گا
آسام	//	//	۳۰	//	//	//	//
بہار	//	//	۲۵	//	//	//	//
گجرات	//	//	۳۵	//	//	//	//
کشمیر	//	//	۱۵	//	//	//	//
کیرالا	//	//	۲۵	//	//	//	//

مدھیہ پردیس	پلان کی مدت میں	۳۵	لاکھ	ناخواندہ بالغوں کو خواندہ	بنائے گا
مہاراشٹر	"	۳۵	لاکھ	"	"
اڑیسہ	"	۳۰	"	"	"
اُتر پردیس	"	۴۰	"	"	"
راجستھان	"	۳۲	"	"	"
مغربی بنگال	"	۳۵	"	"	"

اس کام کے لئے ریاستوں نے جو سرمایہ لگانا طے کیا ہے، وہ بھی بہت محدود ہے۔ چند ریاستوں کی مجوزہ تیں حسب ذیل ہیں:

بہار نے	اس کام کے لئے	۱۶ لاکھ ۸۰ ہزار	روپے	منظور کئے	ہیں۔
گجرات	"	۱۰ لاکھ	"	"	"
اڑیسہ	"	۲۰ لاکھ	"	"	"
راجستھان	"	۶۷ لاکھ	"	"	"

مگر دوسری طرف مدھیہ پردیس اور میسور کی ریاستیں بھی ہیں جنھوں نے اس کام کے لئے ترتیب وار ۳ کروڑ اور ۶ کروڑ روپے کا خرچ منظور کیا ہے۔　　　(پیٹریاٹ مورخہ ۱۵ر جون ۱۹۶۵ء)

اڈلٹ ایجوکیشن کی بین الاقوامی کانفرنس

اڈلٹ ایجوکیشن کی پانچویں بین الاقوامی کانفرنس اس سال ادیس ابابا (ایتھوپیا) میں ۶ر سے ۹ر اگست تک منعقد ہوگی۔ اس کانفرنس کا مرکزی موضوع ہوگا "معلمی کا پیشہ اور دنیا کی خواندگی"۔

اس کانفرنس کی صدارت ورلڈ کانفیڈریشن آف ٹیچنگ پروفیشن (معلمی کے پیشے کے عالمی وفاق) کی اڈلٹ ایجوکیشن کمیٹی کے چیرمین مسٹر کاوا او ہیگن کریں گے۔

ڈاکار (افریقہ) میں تعلیمی ٹیلی وژن کا تجربہ

افریقہ کے ایک ملک سینیگل اور یونیسکو کے مشترک انتظام میں ڈاکار کے مقام پر ایک آزمائشی تعلیمی

ٹیلی وژن اسٹیشن قائم کیا گیا ہے۔ اس اسٹیشن سے، خواندگی، زبانوں کی تعلیم اور سماجی، زراعتی، صحتی مسائل سے متعلق ٹریننگ اور معلومات کے پروگرام نشر کئے جائیں گے۔

یونیسکو نے بالغوں کی تعلیم میں نئے طریقوں اور ٹکنیکوں کا تجربہ کرنے کا ایک پائلٹ پروجیکٹ بنایا ہے یہ ٹیلی وژن اسٹیشن اسی پروجیکٹ کا ایک حصہ ہے۔ یہ پروجیکٹ چند سال کی مدت کا ہے اور اس کا منشا مختلف وسائل تعلیم مثلاً ٹیلی وژن، ریڈیو، فلم، فلم اسٹرپ، پوسٹر، اور مطبوعہ مواد کی افادیت کا اندازہ کرنے میں مدد بہم پہنچانا ہے۔

یہ ٹیلی وژن اسٹیشن دو کام کرے گا۔ اڈلٹ ایجوکیشن میں تعلیم کے نئے طریقوں کی جانچ تو اس کا مقصد ہے ہی، اس کے علاوہ یہ ماہروں کی ٹریننگ کا مرکز بھی ہوگا جہاں سینیگل اور افریقہ کے دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے ماہروں کو دکھا سنا کر تعلیم دینے والے سامانِ تعلیم کی تیاری اور ان کے استعمال کی ٹریننگ دی جائے گی۔

ڈاکٹر کوشی فرانس اور یوگوسلاویہ میں

نیشنل فنڈا منٹل ایجوکیشن سنٹر دہلی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی ۱۷ سے ۲۱ مئی تک فرانس میں رہے جہاں انھیں یونیسکو کے فرانسیسی نیشنل کمیشن کی طرف سے بلایا گیا تھا۔ وہاں ڈاکٹر کوشی ماہرین کی اس کمیٹی کے جلسے میں شریک ہوئے جو نوجوانوں میں اڈلٹ ایجوکیشن اور غیر نصابی سرگرمیوں کے ذریعے بین الاقوامی شعور پیدا کرنے کے کام میں ایک رپورٹ کی تفصیلات طے کرنے کے لئے بنی تھی۔

ڈاکٹر کوشی فرانس سے یوگوسلاویہ تشریف لے گئے جہاں انھیں مزدوروں کی یونیورسٹی (بلگریڈ) کی ورکرز کاؤنسل کی طرف سے دعوت ملی تھی۔ بلگریڈ سے ڈاکٹر کوشی مزدوروں کی دوسری یونیورسٹی جو زاگوب میں واقع ہے، دیکھنے گئے۔ ان دونوں مقامات پر موصوف نے مزدوروں کی یونیورسٹی کی تحریک کا بغور مطالعہ کیا۔

یوگوسلاویہ سے واپسی پر ڈاکٹر کوشی نے انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے ایک نامہ نگار کو بتایا کہ "اگر اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں یوگوسلاویہ کا اشتراک حاصل ہو سکے تو اس سے اڈلٹ ایجوکیشن کی ہندوستانی تحریک کو بڑی بیش بہا چیزیں ہاتھ آجائیں گی۔"

تعلیم و ترقی

(سوشل ایجوکیشن کا رسالہ)

ادارہ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جولائی ۱۹۶۵ء

جلد ۱۶ ——— شمارہ ۷

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر

تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

سالانہ چندہ چار روپے

فی پرچہ ۳۷ پیسے

فون ۴۴۶۴۷

ترتیب

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے یونین پریس اردو بازار دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

جامعہ کا ایک ستارہ ڈوب گیا

(جامعہ کے نئے تعلیمی سال کے آغاز سے دو دن پہلے)

۱۵ رجولائی کو جامعہ والوں کو اچانک ایک دردناک سانحہ پیش آگیا۔ جامعہ کے ایک قدیم کارکن اور حیاتی رکن اختر حسن فاروقی صاحب حرکت قلب بند ہو جانے سے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مرحوم گرمی کی چھٹیوں کے بعد لکھنؤ سے دلی آرہے تھے ٹکٹ خرید لیا گیا تھا سامان اسٹیشن جا چکا تھا۔ گرمی کی شدت تھی مرحوم اسٹیشن جانے سے پہلے ذرا کے ذرا نہانے چلے گئے تھے غسل خانے میں غیر معمولی دیر ہوئی تو گھر والوں نے آواز دی جواب ندارد دروازہ کھٹکھٹایا گیا مگر اختر صاحب ہوں تو سنیں آخر میں مجبور ہو کر جھروکوں میں سے لوگوں نے دیکھا اور سکتے میں آگئے۔ دلی کا یہ مسافر آخرت کا سفر اختیار کر چکا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

اختر فاروقی صاحب ۱۹۲۶ء میں جامعہ تشریف لائے تھے طالب علمی کے زمانے میں آزادی کے پرجوش مجاہد رہ چکے تھے جامعہ میں بھی اسی طرح کا ماحول ملا، یہیں کے ہو رہے۔

جامعہ اُس زمانے میں بڑی کٹھنائیوں میں تھی۔ آجکل کے لوگ تو اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ روپے پیسے کی کمی تھی تنخواہ تو تنخواہ چٹنی روٹی کے بھی لالے تھے۔ باوجود اس کے کچھ سرپھرے تھے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر کام کر رہے تھے۔ مالی پریشانیوں کی وجہ سے ان کے جوش میں، ان کے استقلال میں کام کرنے کے حوصلوں میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔ اختر صاحب بھی انھی میں گھل مل گئے۔ اور اپنے خلوص، محبت، شرافت، ہمدردی، رواداری اور لگاتار کام کرنے کی دھن کی بدولت ساتھیوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔

وہ جامعہ میں فنِ مصوری کے اُستاد تھے اور اُستاد ایسے کہ جن پر شاگرد جان چھڑکتے ہیں وہ لڑکوں کو اپنا شاگرد نہیں جیتی اولاد سمجھتے تھے۔ ان میں خوب گھل مل کر رہتے تھے پُرانے سے پُرانے شاگرد سے اس طرح لپک کے ملتے تھے جیسے کوئی مدتوں کی بچھڑی ہوئی اولاد سے ملتا ہے۔ اپنے عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں سے ملنے جُلنے کا بھی یہی ڈھنگ تھا۔

مرحوم جامعہ کے ہر فرد کی شادی غمی میں اس طرح شریک ہوتے تھے جیسے کوئی اپنا شریک ہوتا ہے۔

مرحوم کو ہنسی خوشی زندگی گذارنے کا ڈھنگ کارسازِ فطرت سے ملا تھا۔ سخت سے سخت پریشانی کے عالم میں بھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی غمگین سے غمگین آدمی بھی اُن کی صحبت میں تھوڑی دیر بھی بیٹھتا تو اپنا رنج و غم بھول جاتا تھا اور کچھ عجیب تازگی محسوس کرتا تھا۔

مرحوم کے مزاج میں بڑی نفاست تھی ان کی ڈرائنگ کلاس دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا تھا۔ یہی حال ان کے گھر کا تھا۔ اور یہی نہیں وہ اپنے ساتھیوں کو بھی سلیقے سے رہنے کا ڈھنگ سکھایا کرتے تھے اور اس معاملے میں اس قدر حساس تھے کہ کسی ساتھی کے گھر کی بے ترتیبی ان سے دیکھی نہیں جاتی تھی اور وہ خود سامانوں کو حُسنِ ترتیب کے ساتھ لگانے لگتے تھے۔

انھوں نے جامعہ برادری میں چالیس سال کچھ اس طرح گذارے کہ اس برادری کا ہر جوان، بچہ اور بوڑھا ان کے اوپر فریفتہ تھا اور دل سے ان کی عزّت کرتا تھا۔ ان کی ذات سے لوگوں کو یہی وہ والہانہ لگاؤ تھا کہ ان کی اچانک موت کی خبر سُن کر سخت دھچکا لگا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے جامعہ کے در و دیوار ہل گئے ہوں۔ فارسی کا ایک شعر ہے جس کا پورا پورا مطلب ہندی کے اس دوہے میں آگیا ہے۔

آپ ہوئے تو جگ ہنسیو
اور آپ دیو ہے رد ئے
ایسی کرنی کر چلو
جو آپ ہنسو جگ روئے

پیدا ہونے کے وقت اختر صاحب مرحوم کا رونا اور سب کا ہنسنا تو شاید بہت کم لوگوں نے دیکھا ہوگا۔ مگر اس دنیا سے جاتے وقت ان کا ہنسنا اور جگ کا رونا رہتی جامعہ تک یاد رہے گا۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

(محمد حسین حسّان)

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس

ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ میں غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن میں یونیورسٹی کے کردار پر غور و بحث کرنے کی غرض سے آل انڈیا پیمانے پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی، اور اس اعتبار سے یہ قدم تحریک میں ایک نئے اور اہم باب کا پیش خیمہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ کانفرنس جیسا کہ ہم گذشتہ شمارے کے انھی صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں، اس مہینے کے پہلے ہفتے میں بھوپال میں منعقد ہوئی تھی۔ اس اجتماع کی صرف اسی اعتبار سے اہمیت نہیں ہے کہ اپنی نوعیت کا یہ پہلا اجتماع تھا، بلکہ اس لحاظ سے بھی ہے کہ اس میں ڈاکٹر دہن سنگھ مہتا، ڈاکٹر سی۔ ڈی۔ دیشمکھ، شری ایچ۔ ایم۔ پٹیل، شری ایس۔ ایس۔ بھنڈارکر اور شری کے۔ جی سیدین جیسے علما شریک تھے۔ اور سب نے متفقہ طور پر یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کی سفارش کی۔

انگلینڈ میں، جسے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کا معلّم اوّل کہا جا سکتا ہے، اس تحریک کا ارتقا بتدریج ہوا تھا اور اس کی بسم اللہ کی تقریب میں علمائے یونیورسٹی کے طبقے سے ایک آدھ ہی ہستیاں شریک تھیں اور ان کے اوپر "خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ" کی مثال صادق آتی تھی، لیکن ہندوستان خوش نصیب ہے کہ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے ایک وکیل کی دعوت پر علما کی ایک بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہو گئی اور اس کی ہم آواز بھی ہے۔ اس بات سے یہ امید بجا طور پر قائم کی جا سکتی ہے کہ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی اہمیت کو اب تسلیم کر لیا جائے گا اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن صرف یہی نہیں کہ کوئی یونیورسٹی اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کی تجویز بھیجے گی تو وہ اس کو منظور کرے گا بلکہ دوسری یونیورسٹیوں کو اس سمت میں مستعدی سے کام کرنے کا حوصلہ بھی دلائے گا۔

ہندوستان کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کو دو مسائل کی طرف خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے — اور یہ مسائل اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ ان کا مناسب حل یونیورسٹیاں ہی نکال سکتی ہیں۔ ایک عوام کی ہمہ گیر ناخواندگی ہے اور دوسرا ہونہار نوجوانوں کی تعلیم کا تسلسل۔

عوام کی ناخواندگی کو جڑ سے ختم کرنے کی تو خیر کبھی کوشش ہی نہیں کی گئی ــــ اور یہ کوتاہی ایسی ہے کہ اس کی سزا و جزا کا فیصلہ تعلیم سے قطع نظر سیاست کی عدالت میں ہونا چاہئیے ــــ لیکن خواندگی کی توسیع کے لیے بھی جو کوششیں کی گئی ہیں وہ بیشتر ناکام رہی ہیں اور ان کے اوپر جو محنت اور سرمایہ صرف ہوا، وہ اکارت گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کے مختلف اسباب پیش کئے جاتے رہے ہیں اور اب تک کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں قیاسات اور داخلی احساسات پر مبنی ہیں۔ ان میں سے کسی کی پشت پر کسی سائنٹفک مطالعے یا ریسرچ کی سند نہیں ہے۔ یہ سائنٹفک ریسرچ صرف اسی مقصد کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اب تک کی ناکامیوں کا جواز ثابت کیا جائے، بلکہ اس سے زیادہ اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ آیندہ جو کوششیں کی جائیں گی وہ اُن خامیوں سے پاک ہوں گی جن کے نتیجے میں ناکامی اور مایوسی کا مُنہ دیکھنا پڑتا ہے۔

اسی طرح خواندگی کی کوششوں کے ناکام ہونے کا ایک سبب ہمارے نزدیک یہ بھی رہا ہے کہ ان کی بنیاد نہ درسیات کے کسی معقول نظام پر تھی نہ اساتذہ کی رہنمائی کے لئے کوئی معلمانہ اصول و آئین موجود تھا۔ جو کوئی غیر سرکاری یا سرکاری ادارہ اس مقصد کے لئے اٹھا، اُس نے اندھا دھند کام شروع کر دیا۔ اور ہر شخص کو بلا اس امتیاز کے کہ اُسے بالغوں کو تعلیم دینے کے کسی معلمانہ اصول اور طریقۂ کار کی واقفیت ہے یا نہیں، پڑھائی کے کام پر لگا دیا۔ کام کے اس طریقے کا نتیجہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کسی زمانے میں پڑھائی چھوڑ کر طالب علم بھاگتا تھا تو اس زمانے میں کام چھوڑ چھوڑ کر اُستاد بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

یونیورسٹیاں اس سلسلے میں تعلیم کے جدید ترین اصولوں کی روشنی میں خواندگی کی مہموں کے لئے تجربے کی کسوٹی پر پرکھ کر ایک نظامِ درسیات (کریکولم) مرتب کر سکتی ہیں، اور اُستادوں کی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ ان کے مستقل پیشہ ورانہ مطالعے کے لئے مطبوعات کے سلسلے شروع کر سکتی ہیں تاکہ توسیعِ خواندگی کی ٹیکنیکل کوششوں میں اور جب موقع آئے تو قومی پیمانے کی مہم کے وقت بھی کام کے ماہرانہ پہلو کی طرف سے اطمینان رہے اور یہ کوششیں بار آور ثابت ہوں۔

ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کا دوسرا اہم مسئلہ ہونہار نوجوانوں کی تعلیم کا تسلسل ہے جنھوں نے حالات سے مجبور ہو کر تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا ہے اور اپنا اور اپنے اہلِ خاندان کا پیٹ پالنے کی غرض سے اپنی طبیعت کے خلاف ایک نہ ایک کام پر لگ گئے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایسے ہونہار نوجوانوں کی گنتی کی جائے تو ان کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں تک پہنچے گی۔ ایسی حالت میں جب کہ قومی تعمیر و ترقی کے سفر میں کام آنے والے ایک ایک ذرے کی اہمیت ہوتی ہے

ہزاروں لاکھوں کارآمد "انسانوں" کی قوت کو حمپکا کراس سے کام لینا بجائے خود ڈیولپمنٹ کا ایک پلان ہے — اور "انسان" بھی وہ جو ابھی شباب کی کوہ شکن منزل سے گذر رہے ہوں۔ان نوجوانوں کی تعلیم کے تسلسل کی کیا شکل کیا ہوگی، اس موضوع پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ یونیورسٹیاں اپنے تجزیہ وتحقیق کی روشنی میں خود اس کی شکلیں نکال سکتی ہیں اور ان کے اوپر تجربہ کرکے ان میں بہتری کی صورتیں پیدا کرسکتی ہیں۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے ان دو کاموں کے علاوہ اور بھی بہت سے میدان ہیں اور ان کی بھی ملک کے بدلتے ہوئے حالات میں بہت زیادہ ضرورت ہے۔ مگر ان سب پر بحث کرنا تو در کنار ان کا ذکر کرنا بھی اس وقت نہ ممکن ہے نہ ضروری ویسے ان کی طرف مختصراً ہی سہی، کانفرنس کے فاضل صدر ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا اپنے خطبۂ صدارت میں، اشارہ کر چکے ہیں۔ مقصود کلام اس وقت صرف اتنی بات ہے کہ کسی ایک یا دو منصوبے کو لے کر کام کی بسم اللہ کیجئے، کام اپنے ارتقا کی راہیں خود نکال لے گا۔

یونیورسٹیاں اور اڈلٹ ایجوکیشن

بھوپال کانفرنس کا خاص مقالہ

ہماری اس کانفرنس کا زیرِ بحث موضوع ہے "یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن"۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن لفظ دو اصطلاحوں سے مل کر بنا ہے جن کے پیچھے دو تصوّر کارفرما ہیں۔ ایک ہے "یونیورسٹی" اور دوسری "اڈلٹ ایجوکیشن" انسانی زندگی کی عظمت اور بنی نوع انسان کی ترقی اور فلاح و بہبود کے معاملے میں یہ دونوں تصوّر کافی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کانفرنس کا مقصد ہے ان دونوں کے باہم تعلق کا مطالعہ کرنا، اور وہ یوں ہی نہیں بلکہ ایک بامقصد انداز میں اور ایک خاص پس منظر میں۔

ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے باکمال حضرات کے اس اجتماع پر میرا یہ سوال کرنا کہ "یونیورسٹی کیا ہے؟" مجھے کچھ زیب نہیں دیتا۔ حالانکہ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ "یونیورسٹیاں ـــ جہاں تک ان کے احاطہ کار، لائحہ عمل، حقوق و اختیارات اور اثر کا تعلق ہے ـــ کافی تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں اور اُتار چڑھاؤ سے گذر رہی ہیں۔ مگر اس موقع پر ان کا ذکر کرنا یا ان کا تجزیہ کرنا بھی بے محل ہوگا۔ یونیورسٹی ایک پیچیدہ ادارہ ہے جس کی مغربی دنیا میں ہزار سال پرانی تاریخ ہے۔ ہندوستان میں اس سے بہت پہلے علم و دانش کے مرکز کی حیثیت سے نالندا، اجّینی اور ٹکشلا وغیرہ میں یونیورسٹیاں موجود تھیں۔ مگر ہماری آج کی یونیورسٹیوں کا ان یونیورسٹیوں سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہندوستان کی موجودہ یونیورسٹیوں کا ڈھانچہ لندن کے نمونے پر تیار ہوا ہے۔ موجودہ زمانے کی یونیورسٹیوں کو علم و دانش کی "تلاش و جستجو میں منہمک" اسے آیندہ کے لئے محفوظ رکھنے اور اسے پھیلانے یعنی درس و تدریس اور تحقیق کے عمل میں مصروف عالموں کی ایک برادری کی حیثیت سے عالمگیر شہرت حاصل ہے۔ سماج میں بھی اس کا بے انتہا اثر قائم ہے۔

ہماری کانفرنس کے زیربحث موضوع کا دوسرا جزہے "اڈلٹ ایجوکیشن"۔ اڈلٹ ایجوکیشن کی اصطلاح بھی تمام دنیا میں رائج ہے اور اسے عالمگیر شرف قبولیت بھی حاصل ہے۔ مگر یہاں اس کی ابتدا اور ارتقا کی کہانی پیش کرنا بھی مفید ثابت ہوگا۔

اڈلٹ ایجوکیشن کی اصطلاح پہلی بار انیسویں صدی میں انگلینڈ میں وضع کی گئی "اڈلٹ ایجوکیشن کی تعریف بہت کثرت سے کی گئی ہے ۔ ۔ ۔ مگر اس کے باوجود اس کام میں لگے ہوئے بہت سے لوگوں کو ان میں سے کوئی بھی تعریف پوری طرح مطمئن نہیں کرپاتی" (رابرٹ بلیکلی)۔ اڈلٹ ایجوکیشن کی ان مختلف النوع تعریفوں میں مختلف سرگرمیوں کی ضرورت اور اہمیت کے اختلافات کی بنیاد پر جو بال کی کھال نکالی گئی ہے ان سے یہ سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ اختلافات کسی اصول کی بنا پر ہیں۔

اڈلٹ ایجوکیشن کی مختلف رسمی اور غیر رسمی سرگرمیاں تعلیمی ادارے (جس میں یونیورسٹیاں بھی شامل ہیں) ——— بااختیار انجمنیں، رضاکار ادارے اور مقامی حکومتیں منظم کرتی ہیں۔ ان کا مقصد ہوتا ہے لوگوں کی ضروریات کے مطابق کام کرنا اور ان کی علم حاصل کرنے کی خواہش کی تکمیل کرنا۔ آدمی جیوں جیوں سیکھتا جاتا ہے اس کی اور زیادہ سیکھنے کی خواہش بڑھتی رہتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے۔

آجکل یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کی اصطلاح کو اکثر غیر معین، محدود یا زائد فاضل قرار دے کر اسے نظرانداز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر اصلیت یہ ہے کہ یہ وہی تصور ہے جس نے مغرب کی دنیا کو امید کا پیغام سنا کر ان کی تہذیب کی تعمیر کی ہے۔ (جان پول) لیمان برائسن کے قول کے مطابق اڈلٹ ایجوکیشن زندگی کے عام کاروبار میں مصروف لوگوں کی ان تمام جدوجہد کا احاطہ کرلیتی ہے جو وہ تعلیمی مقصد کے پیش نظر کرتے ہیں اپنی شخصی، کاروباری اور شہری زندگی میں ترقی اور بہتری کے لئے ایک آدمی جو کچھ بھی شعوری اور بامقصد کوشش کرتا ہے وہ سب کی سب اڈلٹ ایجوکیشن کا لازمی جزو ہیں۔ یعنی اسکولی تعلیم ختم کرنے کے بعد مرد و عورت اپنے علم کو تازہ رکھنے اور اس میں اضافہ کرتے رہنے کے سلسلے میں شعوری طور پر اور منظم طریقے پر جو کوششیں کرتے ہیں دراصل اڈلٹ ایجوکیشن اسی کا نام ہے۔ اڈلٹ ایجوکیشن نے اب تو ایک ہمہ گیر تحریک کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اس میں اب پیشہ ورانہ ٹریننگ، لبرل علوم، سائنسی معلومات، سماج میں ہونے والی تبدیلیوں سے افراد کی وابستگی کی کوششیں اور لوگوں کو نئی نئی تبدیلیوں کو قبول کرنے اور ان کی خوبیوں کو سمجھنے کے لئے دل و دماغ کی تربیت وغیرہ مختلف سرگرمیاں شامل ہوگئی ہیں۔ اب یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اڈلٹ ایجوکیشن نے دوسرے ملکوں کی طرح یہاں بھی اپنا ایک

فلسفہ مرتب کرلیا ہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے مقصد و منہاج اور اس کے احاطۂ کار کے بارے میں میرا اس کانفرنس کا اتنا وقت لینا کچھ بے محل ضرور لگتا ہوگا مگر میرے نزدیک یہ دو وجہوں سے ضروری تھا۔ایک تو یہ کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے حدود کی وسعت پر زور دینا بہت ضروری ہے۔اس کی وسعت ساری زندگی پر حاوی ہے ـــ جو بالغوں کی زندگی کے تمام شعبوں کی ہمہ گیر ترقی اور انسانی برادری کی خواہ وہ قومی برادری ہو یا بین الاقوامی برادری، خوش حالی پر انداز ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ اس ملک میں اڈلٹ ایجوکیشن کی طرف سے ایک اور بدگمانی پھیلی ہوئی ہے اور اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی اس بدگمانی میں مبتلا ہیں ان کے نزدیک اڈلٹ ایجوکیشن کا تصور بس بالغوں کی خواندگی تک محدود ہے۔یہ ہمارے لئے بہت افسوس کی بات ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں جس سے کافی نقصان پہنچا ہے۔ہندوستان جیسے لمبے چوڑے ملک میں عوام میں پھیلی ہوئی ناخواندگی اس میں شک نہیں کہ بہت تشویشناک مسئلہ بنی ہوئی ہے جس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ وسائل یکجا کرکے اس مورچے پر پوری قوت سے کام کیا جائے۔جس سے کہ کم سے کم وقت میں ناخواندگی کو اس ملک سے مٹایا جاسکے۔خوش قسمتی سے ملک کے بیدار مغز رہنما اور قومی زندگی کی ترقی کا منصوبہ بنانے والے لوگ اس مسئلہ کی نزاکت سے باخبر ہیں مگر اڈلٹ ایجوکیشن کا حلقۂ عمل یہیں تک محدود نہیں ہے۔اسے بالغوں کی خواندگی سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔اس بات پر بہت زور دینے کی ضرورت ہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے وسیع اور پریشان کن حد تک غیر معین علاقے کی اوپری حد بندی کرنے کے بعد اب ہمیں اپنی جانی پہچانی دنیا ـــ یونیورسٹی کی دنیا میں آجانا چاہیئے اور یہاں کی فصیلوں سے اڈلٹ ایجوکیشن کو دیکھنا چاہیئے۔یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے ایک مستند ماہر پروفیسر سیرل ہاؤلے کے قول کے مطابق "نئے زمانے کے انسان کے نزدیک ایک آزاد یونیورسٹی کی حیثیت تہذیب و تمدن کے محافظ کی ہوتی ہے۔ان کی حیثیت ایک ایسے قلعے کی ہوتی ہے جہاں آزاد خیالی کی قدریں محفوظ رہتی ہیں، عقلی اور استدلالی حقائق کی تحقیق و جستجو کا عمل جاری رہتا ہے اور ماضی سے حاصل کئے ہوئے علم و دانش کے اندوختے محفوظ رہتے ہیں۔علم کے اس اندوختے اور زندگی کی قدروں سے اور آزاد فضا میں تحقیق و جستجو کے عمل کو جاری رکھنے کے طریق کار سے ان لوگوں کو مستفید کیا جاتا ہے جن کے اندر اس کی تڑپ پہلے سے موجود ہوتی ہے یا یہ تڑپ پیدا کی جاسکتی ہے۔جب اس قلعے پر کوئی حملہ ہوتا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ پورا معاشرہ خطرے میں ہے اور جب یہ قلعہ زیر ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ سماج میں آزاد خیالی کا خاتمہ ہوگیا۔"میں یہاں سیرل ہاؤلے کے کچھ اور قول نقل کرنے کی اپنی زبردست

خواہش کو دبا نہیں سکتا۔ اس سلسلہ کو آگے جاری رکھتے ہوئے مسٹر سیرئل باؤلے فرماتے ہیں کہ "یونیورسٹیوں میں رہنے والے عالموں کی جماعت اب یہ محسوس کرنے لگی ہے کہ اپنے زمانے کے سماج کی کچھ بدترین برائیوں کو دور کرنے یا ان میں سدھار لانے کے سلسلے میں وہ جو کچھ کر سکتے تھے اسے پورا کرنے میں ان سے کوتاہی ہوئی ہے کچھ اس احساس کے ماتحت اور کچھ کر دکھانے کی امید کے زیر اثر ابھی حال میں یونیورسٹیوں کے کچھ علماء نے اپنی ان ذمہ داریوں پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے، جو وقت کے تقاضوں نے ان پر مسلط کی ہیں۔ اور اس سلسلے میں اپنے لئے عمل کی ایک راہ بھی متعین کر لی ہے۔ ان کا سب سے دلیرانہ اقدام ہے سماجی زندگی میں براہ راست طریقے سے داخل ہونا یعنی سماج کے ذمہ دار اور بالغ مردوں اور عورتوں کو تعلیم کے کبھی نہ ختم ہونے والے عمل کے ذریعہ اس قابل بنانے کا فیصلہ جس سے کہ وہ اپنی شخصی اور سماجی زندگی کے مسائل کو بہتر طریقے سے حل کر سکیں۔

یونیورسٹی کا نیا منصب :-

عالموں کی ایک برادری کی حیثیت سے یونیورسٹیوں کا پرانا تصور اب فرسودہ ہو چکا ہے۔ دنیا سے الگ تھلگ اس گوشۂ عافیت میں اب لوگوں کا دم گھٹنے لگا ہے۔ صدیوں سے علماء یونیورسٹیوں کے بس دو منصب تسلیم کرتے رہے ہیں۔ ایک درس و تدریس اور دوسرے تحقیق کا کام۔ مگر آج مغرب کی بہت سی مشہور یونیورسٹیوں نے اپنی فہرست میں ایک اور منصب کا اضافہ کر لیا ہے۔ اور وہ منصب ہے سوسائٹی کی خدمت کا کام — یعنی اپنی چہار دیواری سے باہر کی دنیا کو ان علوم سے مستفید کرنا اور زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں ان سے کام لینا۔

نئے اور پرانے تصور میں کشمکش :-

اس ضمن میں بہر حال یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یونیورسٹیاں اس نتیجے پر آسانی سے نہیں پہنچی ہیں۔ شروع میں اس خیال کی کافی شدت سے مخالفت کی گئی۔ گذشتہ صدی میں بہت سی مشہور یونیورسٹیوں کے عالموں نے اس خیال کی بہت مذمت کی۔ وہ اس منصب کو یونیورسٹی کے شایان شان نہیں تصور کرتے تھے۔ ابراہیم فلیکزنر یونیورسٹی کو سماجی خدمت کے کاموں کا مرکز بنانے کے خیال کا کٹر مخالف تھا۔ یونیورسٹی کا ایک دوسرا عالم تھرسٹین ویبلن یونیورسٹی کی ایکس ٹنشن کی تعلیم (یونیورسٹی کا اپنی چہار دیواری سے باہر نکل کر علم کی روشنی پھیلانے کا کام) کو "بڈھے پڑھوں کی حویلی" کہہ کر مذاق اڑاتا تھا۔

گذشتہ صدی کے وسط میں برطانیہ کی یونیورسٹیوں کے لئے ایک رائل کمیشن مقرر ہوا تھا۔ اس کمیشن نے اس خیال کو کہ یونیورسٹیوں کو اپنی چہار دیواری سے باہر اعلیٰ تعلیم کی سہولتیں بہم پہنچانی چاہئیں، جس سے کہ اس تشویشناک صورت حال سے نجات پائی جا سکے جو بالغوں میں تعلیم کی پست حالی کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہیں قبل از وقت اور ناقابل عمل قرار دیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یونیورسٹیاں شروع میں بند خانقاہوں کی طرح تھیں۔ وہ علم و دانش کے ایک محفوظ قلع کی طرح تھیں جن کے آس پاس کی بستی سے دوستانہ تعلقات نہیں ہوتے تھے۔ یونیورسٹی ایکس ٹنشن کی تحریک اس پرانے تصور کے سامنے ایک بہت بڑا چیلنج تھی۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ علم کی توسیع و اشاعت کا دائرہ پھیلتا ہی چلا جائے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس دائرے کے اندر آتے جائیں۔ اور ان تمام دائروں کے مرکز میں یونیورسٹی کے کھلے ہوئے دماغ والے عالموں کی ایک جماعت ہو۔ مگر یونیورسٹی کے تصور میں اتنی نمایاں اور اہم تبدیلی کس طرح آئی؟ تعلیم کے نقطۂ نظر سے اس انقلابی تصور کی کارفرمائی کس طرح ہوئی اس کی کہانی ذرا پیچیدہ ہے۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے مختلف نام:۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کے ارتقا کی کہانی پیش کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کو مختلف ملکوں میں مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ کہیں اسے یونیورسٹی ایکس ٹنشن کا نام دیا گیا ہے، تو کہیں ایکسٹرا میورل سرگرمیوں کا تو کہیں تسلسلی تعلیم کا۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی اصطلاح ان سب کا احاطہ کرلیتی ہے۔

یونیورسٹی ایکس ٹنشن کی ابتدا:۔

انگلینڈ میں یونیورسٹی ایکس ٹنشن کی ابتدا موٹے طور پر ۱۸۴۰ء کے آس پاس سے مانی جاتی ہے۔ اس ملک کے بہت سے شہروں میں جلدی ہی یونیورسٹی کا یہ نیا منصب مقبول ہونے لگا کہ یونیورسٹی کو اپنی چہار دیواری سے باہر کے لوگوں کو بھی اپنے حلقۂ عمل میں لینا چاہئے۔ کچھ اسی ضرورت کے احساس کا نتیجہ تھا کہ آکسفورڈ میں رسکن کالج، لندن میں ورکنگ مین کالج اور مانچسٹر میں اودن کالج قائم ہوئے۔ کیمبرج یونیورسٹی نے بہر حال ایکسٹرا میورل سرگرمیوں کے لئے ایک باقاعدہ تنظیم قائم کرنے میں پہل کی۔ یہاں سب سے پہلے ۱۸۷۳ء میں

یونیورسٹی کے مقامی اساتذہ کے سنڈیکیٹ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا۔ یہ ادارہ بہت کچھ میکنکس کے ایک پروفیسر جیمس اسٹورٹ کی کوششوں کا رہین منت تھا جنھوں نے اس کام کے لئے پہلے سے زمین ہموار کر رکھی تھی۔ جیمس اسٹورٹ نے ہی سب سے پہلے ایک گشتی "یونیورسٹی" کا خیال قائم کیا تھا۔ انھیں یہ توقع تھی کہ ان لیکچروں میں روزگار سے لگے ہوئے لوگ شریک ہوں گے۔

صنعتی انقلاب کے اثرات :-

برطانیہ میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کو بالواسطہ طریقے سے ایک اور چیز نے تقویت پہنچائی ہے اور وہ ہے صنعتی انقلاب اور اس کے نتیجے کے طور پر شہراتی زندگی کا پھیلاؤ۔ ان کی وجہ سے جو سماجی اور اقتصادی حالات رونما ہوئے انھوں نے آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کے بہت سے لیڈروں کو جھنجھوڑ ڈالا۔ ان لوگوں نے اس صورتِ حال میں کچھ کرنا اپنے لئے ضروری سمجھا۔ سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے اور چرچ کے کچھ دردمند، مخلص اور اصول پرست اصحاب کی مدد سے انھوں نے ۱۸۸۴ء میں پہلا سٹیلمنٹ (SETTLEMENT) قائم کیا۔ یہ سٹیلمنٹ آرنلڈ ٹوئینبی کی یاد میں قائم کیا گیا تھا، جن کا ایک سال قبل انتقال ہو چکا تھا۔ انھیں کے نام پر اس کا نام "ٹوئینبی ہال" رکھا گیا تھا۔ "ٹوئینبی ہال" کو بجا طور پر مزدوروں کے لئے سٹیلمنٹ قائم کرنے کی اس نئی تحریک کا جنم داتا کہا جاتا ہے۔ بعد میں آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں نے اپنے علیحدہ علیحدہ سیٹلمنٹ قائم کئے۔ رفتہ رفتہ اس نے سماج سدھار کی ایک بااثر تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ اور جلد ہی تمام یورپ اور امریکہ میں یہ تحریک پھیل گئی۔ اکیلے امریکہ میں تقریباً . . سٹیلمنٹ قائم ہو گئے۔ یہ سٹیلمنٹ گو کہ اس سماجی خلا کو پُر کرنے کی غرض سے قائم کئے گئے تھے جو غریب صنعتی مزدوروں اور بااختیار رؤسا کی زندگی میں آ گئی تھی مگر یہی سٹیلمنٹ اڈلٹ ایجوکیشن کے سرگرم مرکز بھی بن گئے۔ کچھ سیٹلمنٹ نے مزدوروں کے لئے مطالعہ کی اتنی سہولتیں مہیا کر دی تھیں کہ وہ ان سے فائدہ اٹھا کر باہر کی یونیورسٹیوں کی ڈگری کے امتحانات بھی دے سکتے تھے۔

ورکرز ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کا کارنامہ :-

اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں انگلینڈ اور ویلس کی یونیورسٹیوں کا سب سے زیادہ ساتھ ایک اور ادارے نے دیا ہے۔ میری مراد مزدوروں کی تعلیمی انجمن (ورکرس ایجوکیشنل ایسوسی ایشن) سے ہے۔ (اس انجمن کا قیام

۱۹۰۳ء میں ہوا تھا) ایک سوشلسٹ مفکر اور چرچ کے سرگرم کارکن اور اصول پرست انسان البرٹ مینس فیلڈ اس کا بانی اور پہلا سکریٹری تھا۔ بالیول کے لوگوں کی مدد سے اس نے یونیورسٹی کے ایکسٹنشن کے کاموں سے اس مزدور پیشہ لوگوں کی انجمن کا تعلق قائم کردیا۔ اس کے بعد کے بیس سال کے اندر یونیورسٹیوں اور ورکرس ایجوکیشنل ایسوسی ایشن نے مل کر انگلینڈ اور ویلس کے لوگوں تک اڈلٹ ایجوکیشن کا پیغام پہنچایا۔ بالغوں کی ٹیوٹوریل کلاسوں کے لئے آکسفورڈ اور دوسری یونیورسٹیوں اور یونیورسٹی کالجوں کی مشترکہ کمیٹیاں بن گئی تھیں۔ بعد میں ٹیوٹوریل کلاسوں کے لئے ایک مشترکہ مرکزی مشاورتی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا، جس نے بہت سرگرمی سے کام سر انجام دیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد:-

پہلی جنگ عظیم کے بعد یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک بہت زور پکڑ گئی۔ اس سلسلے میں مرکزی وزیر بحالیات کی اڈلٹ ایجوکیشن کی کمیٹی کی رپورٹ بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ میں ایک تجویز یہ بھی پیش کی گئی تھی کہ "ہر یونیورسٹی میں کسی مستند عالم کی صدارت میں اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک باقاعدہ شعبہ قائم کیا جائے"۔ برطانیہ (اور اسکاٹ لینڈ) کی بہت سی یونیورسٹیوں نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ باقی یونیورسٹیوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اس میدان میں قدم رکھا۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی خدمات میں معیار اور مقدار دونوں لحاظ سے نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ ورکرس ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کا کام اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکا ہے۔ ان دونوں کے تال میل سے کام برابر بڑھتا جا رہا ہے مگر یونیورسٹی ایکسٹنشن (یا ایکسٹرمیورل) ڈپارٹمنٹ کا کام کافی تیزی سے پھیل رہا ہے جب کہ بہت سی جگہوں پر ورکرس ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کے کاموں کا دائرہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ برطانیہ کی یونیورسٹیوں کے اہتمام میں اس وقت مختلف قسم کے تقریباً . . . ، کورس چل رہے ہیں۔ یہ شاندار ریکارڈ ہمارے لئے بہت بڑا سبق ہے۔

امریکہ میں:-

امریکہ میں بھی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کافی ترقی کر چکی ہے۔ جو تنوع اور رنگارنگی کے اعتبار سے کافی آگے بڑھ چکی ہے۔ اس عظیم الشان ملک کی مٹی میں یہ تحریک پوری طرح رچ بس چکی ہے۔ یہاں یہ خیال کہ

سیکھنے کا عمل ساری زندگی جاری رہتا ہے بہت مقبول ہے۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کے بانی اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان کے مرد مجاہد تھے۔

شمالی امریکہ میں اڈلٹ ایجوکیشن کی ابتدا موٹے طور پر اس وقت سے مانی جا سکتی ہے جب کہ جیمس ٹاؤن میں ۱۶۰۷ء میں نو آباد کاروں کا پہلا قافلہ آکر ٹھہرا۔ بس اسی وقت سے سمجھنا چاہیئے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کی رسمی تعلیم کا بیج اس دھرتی میں بو دیا گیا۔ ۱۷۲۷ء میں بنجامن فرینکلن اور اس کے گیارہ دوستوں نے "جنٹو" کے نام سے اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک انوکھا ادارہ قائم کیا۔ آج بھی یہ ادارہ اپنے اصل نام کے ساتھ موجود ہے۔ یہ بحث و مباحثے کا ایک حلقہ تھا۔ جہاں لوگ اپنی نجی تعلیم کی غرض سے ہر جمعہ کی شام ملا کرتے تھے۔ گرٹین کے قول کے مطابق فرینکلن اڈلٹ ایجوکیشن کا علم بردار کہلانے کا مستحق ہے۔

امریکہ کی آزادی کے بعد ملک میں جو حالات پیدا ہوئے اور جو قوتیں ابھریں، انھوں نے صنعتی انقلاب اور یورپ کی آزاد خیالی کے اثرات کا سہارا پاکر لوگوں کو نئی نئی معلومات حاصل کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔ تاریخ میں اس سے پہلے اس طرح کی مثال نہیں ملتی۔ اب ملک کے شہری خود ملک کے حکمراں بن چکے تھے اور اس حیثیت سے انھیں بالکل نئے کردار کو ادا کرنا تھا اور یہی وہ وقت تھا جب دنیا پر سائنسی دور کی صبح کاذب نمودار ہو رہی تھی۔

یونیورسٹی کو عوام سے قریب لے جانے کا خیال برطانوی ہے جب کہ بستی کو یونیورسٹی کے قریب لانا امریکی خیال ہے، یونیورسٹی ایکس ٹنشن برطانوی اصطلاح ہے۔ جو ۱۸۸۰ء میں اٹلانٹک پار کر کے امریکہ پہنچی۔ جان ہاپکنس یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے سب سے پہلے اس خیال کی توسیع کی۔ ییل یونیورسٹی کے ایک استاد پروفیسر سلی مین نے طبعی سائنس کے موضوع پر عوام کے لئے ہلکے پھلکے لیکچر دینے کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ مگر اس کی حیثیت یونیورسٹی کے ایکس ٹنشن پروگرام سے زیادہ ایک عالم شخص کے فرصت کے مشغلے کی طرح تھی مگر اس بات کا ثبوت بہر حال مل جاتا ہے کہ یونیورسٹی ایکس ٹنشن کا خیال یہاں اس وقت بھی موجود تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تاجروں اور صنعت کاروں کی انجمنیں، تاریخ اور فلسفے کی سوسائٹیاں، لائبریری ایسوسی ایشنیں، ٹیکنکل تعلیم کے ادارے اور دوسری مختلف انجمنیں اپنے اپنے طور پر اڈلٹ ایجوکیشن کا کام کرنے لگیں۔ ان کا کام بیشتر پبلک لیکچروں کی شکل میں ہوتا تھا۔ مگر ان سب سے زیادہ اہم اور مشہور تحریک چوتوکا تحریک تھی۔ اس تحریک کی ابتدا گرمائی کیمپ کی ایک میٹنگ کی شکل میں ہوئی تھی مگر رفتہ رفتہ اس نے ایک عوامی یونیورسٹی (لوک یونیورسٹی) کی شکل اختیار کر لی۔ چوتوکا تحریک کو بجا طور پر "اڈلٹ ایجوکیشن کے افق پر سب سے زیادہ روشن ستارہ کہا گیا ہے"۔ (مسلسل)

خواندگی: تبدیلی کے ایک وسیلے کی حیثیت سے

(دوسری قسط)

مندرجہ بالا مقالے کی پہلی قسط میں فاضل مضمون نگار ڈاکٹر ایچ۔ پی۔ سکسینہ نے سماجیات کے ماہرین کے تجزیات و تحقیقات کی روشنی میں یہ بحث کی تھی کہ کسی سماج میں تبدیلی بروئے کار لانے میں کن کن سماجیاتی عوامل کی کارفرمائی ہوتی ہے اور سماج کن حالات میں اور کس ماحول کے زیر اثر تبدیلی کی طرف بڑھتا ہے۔ اس تمام بحث کا خلاصہ کرتے ہوئے فاضل مصنف نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ تعلیم ـــــــ جس کا پہلا اور نہایت اہم زینہ کارآمد خواندگی ہے ـــــ ـــــ تبدیلی اور معاشی و سماجی ترقی کی پہلی شرط ہے۔

زیر نظر قسط میں فاضل مقالہ نگار نے ہندوستان میں خواندگی کی مختصر تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد خواندگی کو کارآمد بنانے اور اُسے سماجی و معاشی ڈیولپمنٹ سے مربوط کرنے کے سلسلے میں کچھ تجاویز پیش کی ہیں جن کا رُخ زیادہ تر خواندگی کے باب میں ریسرچ اور ایک سائنٹفک نظام درسیات کی طرف ہے اور جو اڈلٹ ایجوکیشن میں یونیورسٹیوں کی شرکت کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتا ہے

ـــــــ ایڈیٹر

ہندوستان میں بالغ خواندگی کے پروگراموں کی تنظیم

ہندوستان میں بالغ خواندگی کے پروگراموں کی تاریخ خاصی لمبی ہے اور اس کا سلسلہ گذشتہ صدی سے جاملتا

ہے، چنانچہ بالغ خواندگی کی تنظیم کے بارے میں ملک کو بہت کافی تجربہ حاصل ہے یہاں بالغوں کو خواندہ بنانے کی غرض سے دستخط کرنا سیکھنے کی مہم سے لے کر طویل عرصے کے کورسوں تک مختلف طرح کے پروگرام چلتے رہے ہیں، اسی طرح روایتی (ابجدی اور ورن مالا) طریقہ تعلیم سے لے کر گلوبل* اور "اکلکٹک میتھڈ" (جو گلوبل اور روایتی طریقہ تعلیم کے میل سے بنا ہے) استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔ تنظیم میں بھی مختلف راہیں جیسے مدرسہ شبینہ، گرمائی کیمپ، اڈلٹ اسکول، اور کم مدت میں کورس کو پورا کرا دینے والے "کنڈینسڈ کورس" وغیرہ ہیں، اختیار کی گئی ہیں۔

مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان تمام کوششوں میں زور کم و بیش اولاً خواندگی کا حلقہ وسیع کرنے اور ثانیاً عوام کو خواندہ بنانے کے گُروں اور طریقوں پر ہی رہا ہے۔ یہ بات شاید ملحوظ نہیں رہی ہے کہ خواندگی کے لئے درسیات کا نظام اور تعلیم کے طریقے اور سامان کی نوعیت کیا ہونی چاہئے کہ اس کے اثر سے خواندگی، سماجی، معاشی ڈیولیپ منٹ کے عوامل کا جزو بن کر اس کا جزوِ لاینفک ثابت ہو۔ شاید یہی بے توجہی اس بات کا سبب بنی ہے کہ ناخواندہ عوام کو اس سے دلچسپی اور وابستگی نہیں پیدا ہو سکی، پڑھے لکھے اور ذہین طبقے نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا اور حکومت اس کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے قاصر رہی۔

میرے اس بیان پر کچھ لوگوں کو اعتراض ہو سکتا ہے اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں بالغ خواندگی کے بہت سے ایسے پروگرام چل چکے ہیں جن کی منزل لکھنا پڑھنا اور معمولی حساب سکھانے کی حد سے آگے رہی ہے اور ان کا مقصد خواندگی کو سماجی زندگی کی ضروریات سے جوڑنا رہا ہے۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ خواندگی کے معاملے میں نقطۂ نظر کا یہی انحراف تھا جو ۱۹۴۷ء میں "سوشل ایجوکیشن" کی اصطلاح ایجاد کرنے کا محرک بنا تھا لیکن یہ معاملہ کہ خواندگی کی تعلیم کو علمی پیشہ ورانہ اور تہذیبی تعلیم سے کس حد تک جوڑا گیا تاکہ وہ ایک ترقی پذیر سماج میں زندگی کے مسائل اور ضروریات کی تسکین کا سامان کر سکے، یہ تجربے کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھنے کا معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں کوئی آخری بات کہنے کا بہترین طریقہ خواندگی کی ان کوششوں کے مواد اور درسیات کا تجزیہ ہوگا جو اس مقالے کے حدودِ بحث سے باہر ہے۔

---

* خواندگی کے گلوبل طریقۂ تعلیم سے وہ طریقہ مراد ہے جس کی رُو سے حروف اور الفاظ سکھانا شروع کرنے کے بجائے پوری بامعنی عبارت یا کہانی یا گیت کا پڑھنا سکھایا جاتا ہے پھر آگے چل کر عبارت یا کہانی کو الفاظ میں اور پھر الفاظ کو حروف میں توڑتے ہیں۔

اسی طرح بالغوں کی خواندگی کے پُرجوش حامی یہ دلیل لا سکتے ہیں کہ خواندگی کی حیثیت ایک بنیادی اوزار کی ہے اور جب تک یہ اوزار نہ مہیا کر دیا جائے اس وقت تک سماجی معاشی ڈیولپ منٹ ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ سب کے سب لوگوں کو خواندہ بنا دینا بجائے خود ایک قابل قدر کام ہے جو انجام دیا جانا چاہئے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اگر عوام ناخواندہ ہوں تو کوئی ترقی اصلی اور پائدار ترقی نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ بات بھی تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ پڑھنے لکھنے اور موٹا جھوٹا حساب کرنے کا گُر سکھا دینا ایسی چیز نہیں ہے جس سے کسی کو دلچسپی پیدا ہو سکے۔ ایک ملک جو ترقی کی طرف بڑھ رہا ہو، اس کی معیشت ایسی حال میں کہ اس کے اوپر بڑے بڑے اخراجات کا بوجھ ہو، اور اس کے نتیجے کے طور پر اس کے سکّے کی قیمت خرید روز بروز گھٹتی جارہی ہو، کسی ایسے پروگرام کی آسانی سے اجازت نہیں دے سکتی جس سے جلد از جلد نفع حاصل ہونے کی امید نہ ہو۔

جو پروگرام خواندگی کی تعلیم بھی دے اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ لیاقت بھی پیدا کرے جو کسی ترقی پذیر سماج میں آئے دن اُٹھنے والے مسائل کا حل ڈھونڈھ نکالنے کے لئے ضروری ہوتی ہے ـــــ وہ تو خالصتہً علمی خواندگی کے بجائے زندگی میں کام آنے والی خواندگی کا ہی پروگرام ہو سکتا ہے۔

زندگی میں زیادہ سے زیادہ کام آنے والی خواندگی کے بارے میں چند تجاویز

اگر بالغ خواندگی کے پروگرام کو سماجی معاشی ڈیولپمنٹ کے عوامل کا ایک کارآمد جزو بنانا مقصود ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں ہر پہلو سے ٹھونک بجا کر پرکھنے کا انداز فکر، ریسرچ اور تحقیق اور تجربیت کا نقطۂ نظر اختیار کیا جائے۔ اس باب میں کام کی چند راہیں ذیل میں تجویز کی جاتی ہیں:

۱۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے چو طرفہ سماجی تبدیلی کی جو منزل ہے، اُسے بروئے کار لانے میں جو قوتیں کام کرتی ہیں؛ اور ان میں تعلیم کا جو کردار ہے، اُسے ذہن میں رکھ کر ان قوتوں کا مطالعہ اور تجزیہ کرنے کے

لئے ایک حوصلہ مندانہ پروگرام بنایا جائے۔ سبب اور نتیجے کے درمیان جو باہمی رشتہ ہے، اس کے پیش نظر ایک طرف خواندگی اور تعلیم کے باہمی رشتے کا اور دوسری طرف معاشی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی عوامل کا نہایت احتیاط اور غور و خوض کے ساتھ تجزیہ کیا جائے۔ اس کی تشریح و تعبیر کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو ان کے عمل اور ردّ عمل کے دوران میں مفروضہ اثرات و نتائج کے خلاف ظہور پذیر ہونے والے اختلافات کے اسباب و علل کا پتہ چلایا جائے۔ تبدیلی کے عوامل کا تجزیہ کرنے میں سماجیات کے علماء نے اکثر و بیشتر اپنے ہی نظام تصور کے مطابق تجزیئے کے طریقۂ کار، اپنے ہی نظریات، اور نتائج کے بارے میں اپنے ہی قائم کئے ہوئے مفروضات سے کام لیا ہے۔ تجزیئے کے اس طریقۂ کار کی اگرچہ اپنی بنیادیں اور مصلحتیں ہیں، اور وہ سمجھ میں آ سکتی ہیں، لیکن اس سے یہ بات تو اُبھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ تعلیمی تجزیہ کاروں کو تعلیم اور سماجیات کے درمیان جو فاصلہ ہے، اُسے کم کرنے کے لئے زیادہ مستعد اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ تعلیمی تجزیہ کاروں کو تبدیلی کے عوامل کی پوری پوری واقفیت ہونی چاہئے اور انہیں سمجھنا چاہئے کہ تعلیم کا ان عوامل سے اور کس طرح انحصار ہے، اور کس طرح وہ ان عوامل کے اوپر اثر انداز ہوتی ہے۔

۲ - تبدیلی کے عوامل کی اس واقفیت سے نظام درسیات کی ترتیب میں کام لیا جانا چاہیے۔ چنانچہ ہندوستان میں آج جو حالات ہیں، ان کے پیش نظر نظامِ درسیات میں اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ آفاقی نقطۂ نظر، عقلیت پسندانہ طریقۂ فکر، محنت سے حاصل کئے ہوئے مرتبے اور مقام کا احترام اور کام کی تنظیم میں تفصیل پسندی ــــــ ان اوصاف و اقدار کی تخلیق و تبلیغ میں تعلیم کی کتنی ضرورت ہے۔ اسی طرح بلند خیالی آرزومندی، پیشہ ورانہ مہارت، صنعت و زراعت میں زیادہ سے زیادہ پیداوار، فیملی پلاننگ، جذباتی یکجہتی، حب الوطنی اور قومیت سے محبت کرنے کی عادت؟ .... بھاری بھاری ٹیکس برداشت کرنے کی قوت اور زیادہ سے زیادہ جرأت اور ہمت سے کام کرنے کا حوصلہ ــــــ یہ وہ باتیں ہیں جن کی ترقی پسند سماجوں کو ضرورت ہوتی ہے، جس پر نظام درسیات کی ترتیب میں زیادہ سے زیادہ زور دیا جانا چاہئے۔ اسی طرح یہ ضرورت ہے کہ تعلیم کے ایسے طریقے ایجاد و اختیار کئے جائیں جن کے اثر سے مذکورہ بالا اوصاف کی تعلیم بالغ خواندگی کے نظامِ درسیات کا ایک موثر اور لازمی جزو بن جائے۔

خواندگی کی تعلیم کی روزانہ جو مدّت مقرر ہو اس میں آدھا گھنٹہ اگر اس کے لئے مخصوص کر لیا جائے کہ مذکورہ بالا فہرست میں سے جس مضمون کی تعلیم دینا مقصود ہو، اس کے اوپر اس مقررہ مدّت میں خوب

بات چیت اور بحث ہو، تو شاید اس طریقۂ کار سے اچھے نتائج نکلیں مگر یہی نہیں، اسی کے ساتھ یہ بھی ہونا چاہیئے کہ ٹیچروں کو تعلیم کے اس مخصوص پہلو پر کام کرنے اور بات چیت اور بحث مباحثے کی رہنمائی کرنے کی ٹریننگ دی جائے اور اس مقصد کے لئے مناسب تعلیمی سامان تیار کیا جائے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ خواندگی کی تعلیم کی مدت کے لئے اسباق اور دوسرے تعلیمی سامانوں پر مشتمل کچھ یونٹ مرتب کرلئے جائیں تاکہ ان کے ذریعے خواندگی کی لیاقت اور صلاحیت کو مذکورہ بالا اوصاف کی تعلیم و تبلیغ سے مربوط کیا جا سکے۔ اس پہلو پر مزید زور دینے کی غرض سے یہ بھی ہونا چاہئے کہ سماجی علوم کے ساتھ ساتھ جو ایک الگ مضمون کی حیثیت سے شریک نصاب ہوں گے ریڈروں حتیٰ کہ حسابی سوالات کی عبارت میں بھی مذکورہ بالا اوصاف و اقدار سے متعلق مناسب مواد شامل ہو۔

یہ اوران کے علاوہ دوسرے پسندیدہ اوصاف خواندگی کے کلاس کی اچھی اور معیاری تنظیم کے ذریعے بھی طلباء کے ذہن نشین کئے جا سکتے ہیں مثلاً ٹیچر کا طلباء کے ساتھ عمدہ اور مثالی سلوک، کلاس روم کی خوش انتظامی اور خوش سلیقگی وغیرہ۔

غرض ابتدائی اور اعلیٰ خواندگی کے پروگراموں میں بالغ طلباء کو ایسی معلومات جن کے اثر سے ان کے اندر پسندیدہ اوصاف اور طرز عمل کی تمنا اور کام کی مہارت اور واقفیت حاصل کرنے کا جذبہ بیدار ہو ـــــ جو معاشی سماجی ڈیویلپ منٹ کے فروغ کے لئے بے حد ضروری ہیں ـــــ بہم پہنچانے کے بہت زیادہ امکانات موجود ہیں۔

ا ز ـ بالغ خواندگی کے پروگرام کو سماجی معاشی ڈیویلپ منٹ کے عوامل سے مربوط کرنے کا ایک اور موثر طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو اُن کی دلچسپیوں، مفادوں اور ضرورتوں کے مطابق الگ الگ حلقوں میں تقسیم کرکے تعلیم دی جائے۔ اس طریقۂ کار کے مطابق مختلف حلقوں کے لئے مخصوص پروگرام منظم کئے جا سکتے ہیں جیسے نوخیز لڑکوں لڑکیوں کے لئے جو پرائمری اسکولوں میں اچھے معیار پر پورے نہیں اُتر پائے تھے (اور غالباً اسی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا) الگ حلقے ہوں، کھیتی باڑی کا عملاً اور پیشے کے طور پر کام کرنے والے کسانوں کے لئے الگ کاریگروں اور دستکاروں کے لئے الگ، چھوٹے موٹے دکانداروں اور تاجروں کے الگ صنعتی مزدوروں کے لئے الگ گھروں میں کام کرنے والے نوکروں کے لئے الگ اور گرہستنوں کے لئے الگ

حلقے وعلیٰ ہذا القیاس۔

۵۔ خواندگی کے پروگرام میں عوامی پیمانے کی مہیں منظم کرنے سے شاید زیادہ اچھے نتیجے برآمد ہوں۔ مہاراشٹر کی "گرام شکشا مہم" سے یہ سبق ملتا ہے کہ ناخواندگی کے خلاف جم کر مورچہ لینے میں کس طرح گروہی محرکات وعوامل اور بستی کے اجتماعی وسائل سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اس مہم میں صرف یہی نہیں کہ 'بینڈ ویگن' کی تکنیک (پوری جماعت کا اس طرح مل کر کام کرنا جیسے گاڑیوں کے ڈبے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں) سے پوری طرح کام لیا گیا، بلکہ یہ بھی ہوا کہ لوگوں میں اپنی جماعت کی عزت اور مفاد کا خیال پیدا ہو گیا جو اگر اسی طرح قائم وبحال رہے تو اس سے سماجی معاشی ڈیولپ منٹ کے اگلے اقدامات میں بھی بھروسے کے ساتھ کام لیا جاسکتا ہے۔

اس مہم کی ایک دوسری خصوصیت کہ بالغوں کی خواندگی کا خرچ ۲۰ روپے فی کس سے گھٹ کر محض ایک روپیہ فی کس آگیا (فی کس مبلغ ۲۰ روپے کا خرچ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر نے تجویز کیا تھا) ملک کی مالی مشکلات کو دیکھتے ہوئے بڑی قابل قدر اور اہم خصوصیت ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ عوامی پیمانے کی مہیں منظم کرنے کے 'طریقہ کار' میں سرے سے کوئی خامی یا نقص نہیں ہے۔ تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ اس قسم کی مہموں کے نتیجے کے طور پر جو خواندگی حاصل ہوتی ہے، وہ اس معیار کی نہیں ہوتی کہ اس سے سماجی معاشی ڈیولپ منٹ میں کام لینے کے لئے اپنے طور پر مزید تعلیم کو جاری رکھا جاسکے۔ دوسرا نقص اس 'طریقہ کار' میں یہ ہے کہ ایسی مہموں میں حصول تعلیم کا جوش جو ابتدا میں خاصا شدید ہوتا ہے، عموماً ناپائدار ثابت ہوتا ہے۔

مگر میرے خیال میں عوامی پیمانے کے طریقہ کار کی اس خامی کو دور بھی کیا جاسکتا ہے اگر اسی کے ساتھ ساتھ اسکولوں کو اس پوری تنظیم کا مرکز (BASE) بنا کر کام کیا جائے اور مرکز بنانے کا یہ تصور گاؤں سے شروع ہو کر قومی سطح تک کارفرما رہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا اور ہونا چاہئے کہ گاؤں سے لے کر قومی سطح تک مہم میں کام کرنے والے عملے کی کارکردگی بڑھ جائے گی کیونکہ یہ مرکز یا اڈے (BASE) مہم کو سہارا دینے والی خدمات منظم کریں گے جیسے کارکنوں کی ٹریننگ ہے، ریسرچ کا کام ہے، گھر گھر جا کر خواندگی کی تبلیغ (ایکس ٹنشن) کا پروگرام ہے، تعلیمی سامان کی تیاری ہے اور زیر تعلیم آبادی کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر کے پڑھانے کا کام ہے وغیرہ۔

۶۔ سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ خواندگی کے پروگرام کے سلسلے میں کارکنوں اور منصوبہ بندی کرنے والوں، دونوں کو یہ بات ذہن میں رکھ کر سوچنا اور کام کرنا ہوگا کہ بالغ خواندگی کے پروگرام کو سماجی معاشی ڈیویلپ منٹ کے عوامل سے مربوط کرنے کا تجربہ کرنا اور اس میں کامیابی حاصل کرنی ہے۔ اس سلسلے میں جو کام ہوگئے ہوں یا ہورہے ہوں ان میں ایک آدھ کی اسٹڈی سے اور چھوٹے پیمانے کے آزمائشی کاموں سے، جو سروے، گزشتہ تجربات اور تنقیدی سوچ بچار سے اخذ کئے ہوئے اصولوں اور نظریات پر مبنی ہوں، بہت بڑی حد تک مل سکتی ہے اور کارآمد خواندگی کے پروگرام کی مضبوط بنیادیں قائم ہوسکتی ہیں۔

نتیجۂ بحث

زیر نظر مقالے میں رہنمائی کرنے والے کوئی ٹھوس اصول نہیں پیش کئے گئے ہیں۔ صرف چند سمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن پر عمل کر تنقیدی سوچ بچار، ریسرچ اور تجربہ شروع کیا جاسکتا ہے

بالغوں کی خواندگی لوگوں میں پسندیدہ اوصاف کی تڑپ اور کام کی مہارت اور صلاحیت پیدا کر کے سماجی معاشی ڈیویلپ منٹ کے پروگرام میں بڑا اہم اور نمایاں کارنامہ انجام دے سکتی ہے۔ اپنے اثر سے لوگوں کو اپنی نجی کوشش سے حصولِ علم اور مسلسل ترقی کی راہ پر ڈال سکتی ہے بشرطیکہ اس سلسلہ میں توجہ ہمہ وقت مواد کی خوبی اور معیار کی بلندی پر رہے۔

آج بالغوں کی خواندگی کے پروگرام کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں سوچ بچار اور تحقیق و ریسرچ کا کام کرنے والوں کی ایک فوج ہو، اور یہ فوج یہی نہیں کہ ریسرچ کے کام کے ڈھنگوں سے اچھی طرح واقف ہو، بلکہ اسی کے ساتھ اس کے اندر سماجیات کے علماء، ماہرینِ تعلیم، درسیات کے پنڈتوں اور تعلیمی سامان تیار کرنے والے ماہروں کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے کی پوری پوری صلاحیت بھی ہو۔ یہ لوگ خون پسینہ ایک کر کے اور دوسرے متعلقہ لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں تو خواندگی کا جو معیار سامنے آئے گا وہ بہتر اور بلند تر ہوگا۔ اور اس وقت خواندگی کی توسیع سے فائدہ حاصل ہوگا اس لئے کہ وہ سماجی معاشی ترقی کے عمل میں کارآمد اور نتیجہ بخش طور پر دخیل اور شریک ہوگی۔ (مقالہ ختم)

برطانیہ کے ویلیج کالج

پروفیسر ڈبلیو۔ ای۔ اسٹائلر انگلینڈ کی ہل یونیورسٹی میں اڈلٹ ایجوکیشن کے شعبے کے ڈائرکٹر ہیں۔ گذشتہ سال موصوف اڈلٹ ایجوکیشن کی سلور جوبلی کانفرنس کے موقع پر فروری کے وسط میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ ہندوستان میں اپنے دو مہینے کے قیام کے دوران آپنے ملک بھر کا دورہ کیا اور ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کا تفصیل سے مطالعہ کیا۔ اس موقع پر آپ نے اپنے مشاہدات کی بنیاد پر ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کے بارے میں ایک مضمون بھی قلمبند کیا تھا، جو ہندوستان کے کئی رسالوں میں چھپ چکا ہے (دیکھئے تعلیم و ترقی، جولائی ۱۹۶۴ء — ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن کی کیفیت")

پروفیسر اسٹائلر نے اپنے مختصر قیام کے دوران ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کا کتنی گہرائی سے مطالعہ کیا، ان کے مندرجہ ذیل بیان سے کسی حد تک اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

"....... ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کی راہ میں رسل و رسائل کی کمی بڑی رکاوٹ ثابت ہوا رہی ہے۔ میں نے اکثر موقعوں پر دیکھا کہ بہت سی باتیں جو مجھے اپنی سیاحت کے دوران میں معلوم ہوئی نہیں، ہندوستانیوں کو میں نے بتایا ہیں۔ خود انہیں ان کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو بہت معمولی"

اپنے مضمون کی آخری چند سطروں میں پروفیسر اسٹائلر نے ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کی سب سے بڑی کمی کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ایک مشورہ بھی دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ

"ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک جامع تصور وضع کرنا چاہیئے جس سے کہ وہ بالغوں کی تعلیم کی ایک "ہمہ گیر سروس" کا درجہ حاصل کرلے اس طرح سوشل ایجوکیشن ہو یا مزدوروں کی تعلیم، یونیورسٹی ایکسٹنشن ہو یا غیر سرکاری اداروں کے تعلیمی کام مرکزی حکومت کے پروگرام ہوں یا ریاستی حکومتوں کی اسکیمیں،

سب اس کے احاطۂ تعریف میں آجاتی ہیں۔ بہ حالت موجودہ ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن الگ الگ کمروں میں بند پڑی ہے۔ یہاں تک کہ ایک کمرے کی خبریں اس کے حدود سے باہر جاتی ہی نہیں یا جاتی بھی ہیں تو یوں ہی برائے نام''۔

چند ماہ پہلے شری ایس۔ سی۔ دتہ کی ایک کتاب اڈلٹ ایجوکیشن میں نئی نئی راہیں NEW DIMENSIONS IN ADULT EDUCATION کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ پروفیسر اسٹاکر نے مذکورہ کتاب کے ایک مضمون ''کمیونٹی اسکول'' پر تبصرہ کرتے ہوئے انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے حالیہ شمارے میں ایک مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون میں موصوف نے ہندوستان میں برطانیہ کے ''ویلیج کالج'' کا تجربہ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ برطانیہ کے ویلیج کالج گاؤوں کی سطح پر تعلیم کی ''ایک ہمہ گیر سروس'' کا تصور پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں پروفیسر اسٹاکر کا مضمون کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے، جس میں برطانیہ کے ویلیج کالج کی تاریخ بیان کرنے کے بعد انھیں ہندوستان کے موجودہ حالات اور ضروریات کے مطابق ڈھال کر تجربہ کرنے کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ویلج کالج

کمیونٹی اسکول

شری ایس۔ سی۔ دتہ نے اپنی کتاب[a] میں ''کمیونٹی اسکول'' یا بستی کے اسکول کے عنوان سے ایک مضمون شامل کیا ہے اس مضمون میں شری دتہ نے یہ بحث کی ہے کہ اگر اسکولوں کو ان توقعات پر پورا اترنا ہے جو بستی کے لوگ ان سے قائم کئے ہوئے ہیں اور اگر انھیں بستی کی زندگی میں اپنی باوقار اور نمایاں حیثیت کو پھر سے بحال کرنا ہے تو انھیں بستی کی زندگی میں پوری طرح رچ بس جانا چاہیے۔ انھیں اپنے یہاں ایسے پروگرام جاری کرنے چاہئیں۔ جو بستی کے لوگوں کی ضروریات اور ان کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انھوں نے اپنے اس مضمون میں یہ اشارہ بھی کیا ہے کہ ہندوستان میں اس وقت وسائل اتنے محدود اور مفقود ہیں کہ ہر گاؤں میں سوشل ایجوکیشن کے کاموں کو کرنے کے لئے علٰحدہ سے کوئی ایجنسی قائم نہیں کی جاسکتی ہے، اس لئے انھوں نے اس مضمون میں تجویز پیش کی ہے کہ گاؤں کے، سکولوں کو ہی بستی کی سماجی سرگرمیو

[a] NEW DIMENSIONS IN ADULT EDUCATION

کا مرکز بن جانا چاہیئے۔ اسکول کے ماسٹروں کو اس فاضل کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لئے ضروری ہوگا کہ انھیں اس کے لئے خاص طرح کی ٹریننگ دی جائے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس مضمون کو لکھتے وقت دتہ صاحب کے پیش نظر صرف ہندوستان کی مخصوص ضرورت اور اس کے محدود وسائل ہی تھے اور شاید اس وقت ان کے ذہن میں دوسرے کسی ملک کی کوئی مثال نہیں تھی۔ بہرحال برطانیہ میں اس طرح کے ادارے کی مثال موجود ہے، اور یہ ادارے ہندوستان کے موجودہ حالات کے حسب حال بھی ہو سکتے ہیں۔

ویلج کالج کی ابتدا:۔

یہ ادارے ہیں برطانیہ کے دیہی کالج یا ویلج کالج (VILLAGE COLLEGE)۔ برطانیہ میں ویلج کالج کا تجربہ سب سے پہلے مسٹر ہنری مارس نے کیا تھا اور اسے جو کچھ بھی کامیابی ملی وہ سب انھیں کے سماجی آدرشوں اور منصوبہ بندی کے معاملات میں ان کی سوجھ بوجھ کی رہین منت ہے۔ مسٹر ہنری مارس کئی سال تک کیمبرج شائر کے محکمۂ تعلیم کے سکریٹری کے عہدے پر فائز رہ چکے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں موصوف نے ایک کتابچہ شائع کیا، جس کا عنوان تھا "ویلج کالج"۔ یہ کتابچہ مصنف کے بقول دیہی علاقوں میں رہنے والوں کو تعلیم اور سماجی زندگی کی سہولتیں فراہم کرنے کا ایک میمورنڈم تھا۔ یہ میمورنڈم کیمبرج شائر کے علاقے کے مخصوص حالات اور ضروریات کے پیش نظر تیار کیا گیا تھا۔

اعلیٰ تعلیم اور دیہی علاقے:۔

اس کتابچے میں ہنری مارس نے یہ بحث کی تھی کہ تعلیم کے میدان میں جو نت نئی راہیں کھلتی رہتی ہیں اور جو نئی نئی سہولتیں فراہم ہوتی رہتی ہیں ان سے شہر والوں کو تو فائدہ پہنچتا ہے۔ مگر دیہی علاقے ان سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ انھوں نے اس کتابچے میں گاؤں کے لئے رائج کی جانے والی زرعی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "یہ تعلیم اتنی ہمہ گیر اور اثر پذیر نہیں ہے کہ وہ دیہی علاقوں کی تعمیر نو میں مددگار بن سکے۔ موصوف نے اس بحث کو آگے جاری رکھتے ہوئے اس کتابچے میں لکھا تھا کہ "دیہی علاقے کی ضروریات اس وقت تک پوری نہیں ہو سکیں گی جب تک کہ گاؤں کے ابتدائی اسکولوں کے نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ لائی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ گاؤں کے پرائمری اور سکنڈری اسکولوں کی سطح پر ایسی تعلیم کا اہتمام کیا جائے جو گاؤں والوں کو دیہی زندگی میں اس طرح کھپا دے کہ وہ صحیح معنوں میں گاؤں کے لئے ایک مکمل انسان بن جائیں۔ اس کے لئے گاؤں میں ایک اس طرح کا ادارہ قائم کیا جانا چاہیئے جو

تکمیل اور اعلیٰ تعلیم کے معاملے میں ۱۹۲۱ء کے تعلیمی قانون کی رو سے حاصل ہونے والی سہولتوں کو گاؤں کی زندگی اور دیہی صنعتوں کی ضرورتوں کے مطابق ڈھال سکے اور اسی کے ساتھ گاؤں کے لوگوں کو سماجی زندگی اور دل بہلاؤ کے مواقع مستقل طریقے پر فراہم کر سکے۔

بستی کی تعلیم اور سماجی سرگرمیوں کا مرکز:۔

مسٹر مارس نے اپنے کتابچے میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ گاؤں کے بچوں، بالغوں اور نوجوانوں کے لئے اس سلسلے کی تمام سہولتوں کا اہتمام کسی ایک ادارے کے ماتحت ہی کیا جانا چاہئیے۔ گاؤں کے اسی ادارے کا نام موصوف نے دیہی کالج یا "ویلج کالج" تجویز کیا تھا۔ ویلج کالج کے اس خاکے میں بچوں کا اسکول بھی شامل تھا اور بالغوں کا کالج بھی۔ بوخرالذکر کے لئے موصوف نے خاص طور سے علٰحدہ سے ایک جگہ مخصوص کر دینے کی تجویز کی تھی جہاں بالغ اپنی مختلف سرگرمیوں میں حصّہ لے سکیں۔ انھوں نے کالج کے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان گاؤں کے گرام بھون' یعنی گاؤں کی اجتماعی سرگرمیوں کے مرکز کے لئے جگہ نکال لینے کی تجویز بھی کی تھی یعنی ایک ہی عمارت جو اسکول بھی ہو بالغوں کی تعلیم کا مرکز بھی اور گاؤں کا گرام بھون بھی۔ انھوں نے اس کتابچے میں یہ امید ظاہر کی تھی کہ اس طرح کے ویلج کالج آج کے گاؤں کے اسکولوں کی طرح الگ تھلگ تعلیمی اداروں کی طرح نہیں ہوں گے جن کا اعلیٰ تعلیم کے اداروں سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ویلج کالج گاؤں کی تعلیم کا رنگ روپ بدل کر رکھ دیں گے۔ پاس پڑوس کے لوگوں کے لئے ایک کمیونٹی سنٹر کی حیثیت سے یہ کالج گاؤں کی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کر لیں گے۔ اس طرح وہ خلا پُر ہو جائے گی جو اس وقت تعلیم اور عام زندگی کے درمیان حائل ہے۔

اسکول چھوڑنے کی آخری عمر ۹۰ سال

مذکورہ کتابچے کے وضاحتی نوٹ کے اندر مسٹر مارس نے اس بات کی اچھی طرح وضاحت کر دی ہے کہ یہ کالج اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک اہم وسیلہ ثابت ہوں گے۔ اس جگہ انھوں نے بلا تکلف یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "میں تو بہت سنجیدگی کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کالجوں میں اسکول چھوڑنے کی آخری عمر ۹۰ سال قرار دے دی جائے۔"

پہلا ویلج کالج

ہنری مارس نے اپنے ویلج کالج کی تعمیر شروع کر دی۔ پہلا ویلج کالج ۱۹۳۰ء میں ساوسٹون میں قائم ہوا۔ اس کے

بعد کے تیس برس میں سات اور کالج قائم ہوئے۔ ان کالجوں کی تعمیر میں مسٹر مارس نے جو سلیقہ دکھایا وہ برطانیہ کے اسکولوں کی عمارت کے لئے ایک نمونہ بن گیا۔

عملہ :۔

شری ایس۔ سی۔ دتّہ نے اپنے مضمون میں اسکول ماسٹروں کی ان نئی ذمّہ داریوں کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا ہے، جو انھیں "کمیونٹی اسکول" کے ماتحت انجام دینی ہوں گی۔ اس موقع پر یہ مناسب ہے کہ میں ویلج کالج کے عملے کے بارے میں بھی چند باتیں بیان کردوں۔ ان ویلج کالجوں میں ایک ہیڈ ماسٹر بھی ہوتا ہے، جسے وارڈن یا "اتالیق" کہا جاتا ہے وارڈن کالج کی تمام سرگرمیوں کے لئے ذمّہ دار ہوتا ہے۔ اسکول کا ایک اچھا اُستاد ہونے کے ساتھ ساتھ اسے اڈلٹ ایجوکیشن اور بستی کی دوسری تمام سرگرمیوں سے دلچسپی ہونی چاہیئے۔ اس کے ماتحت ایک نائب ہیڈ اُستانی ہوتی ہے۔ یہ اُستانی اسکول چلانے میں وارڈن کی مددگار ہوتی ہے۔ بالغوں کی تعلیم اور بستی کی سماجی زندگی سے متعلق دوسری سرگرمیاں انجام دینے کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کے ایک یا دو کارکن ہوتے ہیں جو وارڈن کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔

ابتدا میں ویلج کالجوں کو قومی پیمانے پر کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں تھی۔ مگر ۱۹۴۲ء میں جب گاؤں میں آراضی استعمال اور افادیت کی جانچ کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی، تو اس طرف توجہ مبذول ہوئی۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یہ سفارش کی تھی کہ تمام ملک میں ویلج کالج قائم کئے جائیں۔ کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ "اس طرح کے کالج دراصل زندگی کے تمام مراحل پر "پیدائش سے لے کر بڑھاپے تک" لوگوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ (کالج کے کلب اور کینٹین میں بستی کے بزرگوں کی ہر وقت موجودگی یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ کالج بستی کے بزرگوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں کافی مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔) اس سلسلے میں ٹیم نے اپنے مشاہدوں کی بنیاد پر یہ بھی نوٹ کیا تھا کہ" اس طرح کے کالج کے لئے ضروری ہے کہ ابتدا میں ان کے لئے اچھے لیڈروں کا انتخاب کیا جائے۔ اس طرح کے کالج کو چلانے کے لئے اچھے رہنماؤں کی اتنی ضرورت ہے کہ ان کا چناؤ اچھی طرح جانچ پڑتال کرنے کے بعد کیا جانا چاہیئے۔ ان کالجوں کو ایک بار اگر اچھی طرح شروع کر دیا گیا تو اس کے بعد گاؤں کا اندرونی نظم و نسق اور لیڈر شپ اسے آسانی سے سنبھال سکتی ہے۔"

اس رپورٹ کے شائع ہونے کے بیس سال بعد بھی پورے ملک میں ویلج کالجوں کا جال بچھانے کا خیال دور از کار معلوم ہوتا ہے۔ مگر بہت سے ضلعوں نے کیمبرج شائر کے اس تجربے کو اپنایا ہے اور یہ تحریک اب پھلتی پھولتی نظر آرہی ہے۔ انگلینڈ کے اس حصے میں جہاں اس وقت میں کام کر رہا ہوں وہاں کے ایک ویلج کالج کے لوگوں سے جب اس کالج کا مقصد میں نے دریافت کیا تو مجھے بہت خوشی ہوئی، انھوں نے بتایا کہ اس کالج کا وجود اس علاقے کی

تعلیمی، تہذیبی، روحانی اور تفریحی زندگی کو جلا بخشنے کے لئے ہے۔

برطانیہ کے ویلج کالج اور ہندوستان

ہندوستان والوں کے سامنے ویلج کالج کا تعارف پیش کرنے سے میری مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہندوستان والے آنکھ بند کرکے برطانیہ کے اس نمونے کی نقل اتار لیں۔ برطانیہ ایک امیر ملک ہے جہاں اطلاعات کی نشر و اشاعت اور رسل و رسائل کے بہتر وسائل موجود ہیں، اس لئے برطانیہ کے ویلج کالجوں کا ہندوستان کے ویلج کالج یا کمیونٹی کالجوں سے مختلف ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ ہندوستان میں بہرحال دوسرے ملکوں کی اچھی باتوں سے سبق سیکھنے کا حوصلہ پایا جاتا ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ باہر کے نمونوں کو ہندوستان کے مخصوص مزاج اور روایات کے مطابق ڈھال لیا جائے۔ اس سلسلے میں میسور کے ودیا پیٹھوں کی مثال دی جاسکتی ہے۔ ان ودیا پیٹھوں کی تحریک ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں نے پیدا کی ہے مگر یہاں انھوں نے بالکل ہندوستانی رنگ ڈھنگ اختیار کرلیا ہے۔

ہندوستان میں ایسے لوگ کافی تعداد میں موجود ہوں گے جو شری ایس۔ ایس۔ دتہ کے اس خیال سے متفق ہوں گے کہ ہندوستان کو اس طرح کے اداروں کی بہت ضرورت ہے۔ میں ان لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ برطانیہ کے ویلج کالج کے عملی کاموں کا اور ان خیالات اور محرکات کا مطالعہ کریں جو ان کالجوں کے قیام کے پیچھے کارفرما رہے ہیں۔ تعلیم کا کوئی بھی ادارہ ہو اس کی جڑیں اقدار و نظریات کی ٹھوس زمین میں پیوست ہونی چاہئیں۔ اس سلسلے میں دوسرے ملکوں کے مناسب نمونوں سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان کا صحیح پس منظر میں مطالعہ کیا جائے۔ برطانیہ کے ویلج کالج ہندوستان کے لئے ایک نمونہ ثابت ہوسکتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگوں کو چاہئیے وہ ان کالجوں کی کارکردگی اور طریق کار وغیرہ کا اچھی طرح مطالعہ کریں۔

خواندگی کی تعلیم میں رسم الخط کا مسئلہ

انقلابی روس کی تاریخ سے ایک سبق

بیسویں صدی میں جس ملک نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے وہ سوویت روس ہے۔ ۱۹۱۷ء کے انقلاب سے پہلے اس کا یورپ کے پسماندہ ملکوں میں ہوتا تھا۔ مگر ۱۹۱۷ء کے کمیونسٹ انقلاب کے بعد اس ملک نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جس تیزی سے ترقی کی ہے، اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

عوامی تعلیم کے میدان میں اس نے حیرت انگیز کام کر دکھایا ہے۔ اُس وقت روس کی ۸۰ فی صدی سے زیادہ آبادی ان پڑھ تھی۔ لوگوں کو خواندہ بنانے کے راستے میں سب سے بڑی دشواری زبان کی تھی۔ یورپ اور ایشیا کے دو براعظموں پر پھیلے ہوئے اس ملک میں ۶۰ زبانیں بولنے والی قومیں آباد تھیں۔ نصف سے زیادہ آبادی روسی زبان سے قطعی ناواقف تھی۔ ان دشوار حالات میں روس نے کس طرح ناخواندگی کے مسئلے کو حل کر لیا۔ اس کی ایک جھلک آپ کو مندرجہ ذیل انٹرویو میں مل جائے گی۔ یہ انٹرویو روس کی ایک ریاست تاتارستان کے وزیر تعلیم مرزا محموتو ونے یونسکو کے ایک ماہر کی حیثیت سے الجیریا تشریف لے جانے کے موقع پر یونیسکو کے صدر مقام پر دیا تھا۔

مرزا اسماعیل محموتو و شاید دنیا کے سب سے کم عمر وزیر تعلیم ہیں۔ وہ سات زبانوں کے ماہر ہیں۔ پیرس سے الجزائر روانہ ہونے سے پہلے وزیر موصوف نے انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ "آج سے ۴۵ سال پہلے سوویت روس کی ترقی کا منصوبہ بنانے والوں کے سامنے بھی کم و بیش اسی طرح کے مسائل تھے جن کا آج کے ترقی پذیر ملک سامنا کر رہے ہیں۔ اس وقت سوویت روس کی ۸۰ فی صدی سے زیادہ آبادی ناخواندہ تھی۔ بالکل وہی حالت ہے جو آج ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے بہت سے ملکوں کی ہے۔ سوویت روس میں اس وقت اور بھی دشواری تھی۔ ایک تو پڑھانے والے اساتذہ بہت ہی کم تعداد میں موجود تھے دوسرے اسکولوں کے لئے عمارتیں بھی نہیں تھیں۔

مگران سب سے بڑھ کر دشوار مسئلہ زبان کا تھا۔ سودیت روس کی نصف سے زیادہ آبادی روسی زبان سے نابلد تھی اور ۱۰۰ مختلف زبانیں بولتی تھی، بالکل وہی کیفیت جو آج ہندوستان کے سامنے ہے اُس وقت سارے ملک کے لئے کوئی ایک مشترک زبان نہیں تھی۔

روسی زبان بولنے والے علاقے کے علاوہ جارجیا اور آرمینیا جیسی کچھ دوسری جمہوری ریاست کے علاوہ جن کی تہذیب بہت پرانی تھی اور جن کا اپنا قدیم رسم الخط بھی موجود تھا، دوسرے علاقوں میں خواندگی کو پھیلانے کے راستے میں بہت سی دشواریاں حائل تھیں۔ مسٹر محمودوف نے خود اپنی زبان کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ "میری زبان تاتاری ہے۔ لسانی اعتبار سے اس کا تعلق ترکی نسل کی زبانوں سے ہے۔ ایک ہزار سال سے یہ زبان عربی کے ایک ایسے رسم الخط میں لکھی جارہی تھی جو تاتاری زبان کی صوتی ضرورتوں کے مطابق ڈھل چکا تھا مگر اس رسم الخط میں حروف کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بہت سے حروف کی آوازیں آپس میں اتنی مشابہ تھیں کہ ان کے درمیان فرق کرنا مشکل تھا۔ اس سے زبان کے سیکھنے سکھانے اور اس میں کتابوں کی طباعت میں کافی دشواری ہوتی تھی۔ طباعت کا کام تو خاص طور سے اس کی وجہ سے کافی پیچیدہ ہوگیا تھا

تاتاری، ازبیکی، بشکیری اور کچھ دوسری زبانیں جن کا رسم الخط عربی سے لیا گیا تھا، انھوں نے ۱۹۲۷ء میں خواندگی کی تعلیم کے لئے لاطینی رسم الخط اختیار کرلیا مگر دس سال بعد انھوں نے لاطینی رسم الخط کے بجائے روسی رسم الخط اختیار کرلیا۔ ایک ایسے ملک میں جہاں قومی زبان روسی ہو ان زبانوں کے لاطینی رسم الخط اختیار کرنے کی وجہ سے کچھ غیر ضروری پیچیدگیاں پیدا ہونے لگی تھیں۔ اس دوران سودیت روس کی وہ قومیں جن کا پہلے سے اپنا کوئی رسم الخط موجود نہیں تھا، انھوں نے روسی رسم الخط اختیار کرلیا تھا۔

تاتارستان کے وزیر تعلیم مرزا محمودوف نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ "۱۹۴۰ء تک روس کے طول و عرض میں خواندگی پھیل چکی تھی اور آج ۶۰ قومیں اپنی علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کررہی ہیں

مسٹر محمودوف نے بتایا کہ ان بڑی قوموں کے علاوہ کچھ ایسی قومیں بھی ہیں جن کی آبادی بہت ہی کم ہے۔ انھوں نے روس کے یورپی حصے کے شمال مشرق میں آباد کومی لوگوں کی جن کی آبادی ۵ لاکھ ہے اور وسط مشرق روس کی ادمرت قوم کی مثال پیش کی اور بتایا کہ یہ لوگ ابتدائی تین یا چار سال تک اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد روسی زبان ذریعۂ تعلیم بن جاتی ہے۔ اس مرحلے پر انھیں مادری زبان ایک خاص مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے دوسری قوموں کو ۸ سال تک ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جاتی ہے ان علاقوں میں دوسری زبان کی حیثیت سے روسی زبان پہلے سال سے ہی پڑھائی جاتی ہے (روس میں بچوں کی تعلیم ۷ سال کی عمر سے شروع ہوتی ہے) ۸ سال کی

تعلیم پوری کر لینے کے بعد آدمی روسی زبان پر پوری طرح عبور حاصل کر لیتا ہے ۔ انھیں اعلیٰ تعلیم کے مواقع میسر رہتے ہیں"۔
اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے مسٹر محمود تودنے فرمایا کہ "اس سلسلے میں میں خود اپنی مثال پیش کر سکتا ہوں" انھوں نے کہا کہ "میں نے پرائمری اور سکنڈری اسکولوں کی تعلیم اپنے آبائی وطن تاتارستان میں حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۳۷ء میں ماسکو یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے چلا گیا"۔

"میں ابھی تعلیم مکمل نہیں کر پایا تھا کہ دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی۔ اور دوسرے نوجوانوں کے ساتھ میں بھی فوج میں شامل ہو گیا"۔ جنگ ختم ہونے کے بعد مسٹر محمود تودنے ماسکو یونیورسٹی میں پھر سے داخلہ لیا اور وہاں سے گریجویٹ ہونے کی سند حاصل کی اس کے بعد آپ اپنے آبائی شہر کازن تشریف لے آئے۔ یہ شہر وولگا ندی کے کنارے آباد ہے۔ جس کی آبادی اندازاً ۹ لاکھ ہوگی۔ کازن یونیورسٹی میں آپ عربی کے کلاسیکی ادب کے اُستاد مقرر ہوئے۔

کازن یونیورسٹی سوویت روس کی تین قدیم ترین یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے۔ مسٹر محمود تودنے اس یونیورسٹی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ لینن بھی اس یونیورسٹی میں کچھ دن تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ روس کے مشہور ریاضی دان نکولائی لوباچوسکی اس یونیورسٹی کے ریکٹر رہ چکے ہیں۔ کازن یونیورسٹی کے علاوہ تاتارستان میں اعلیٰ تعلیم کی ۱۳ اور درسگاہیں ہیں جہاں ۵۰ ہزار طالب علم ریاست کی صنعتی اور زراعتی ترقی کے لئے ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔

ہندوستان کی یونیورسٹیاں اور اڈلٹ ایجوکیشن

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے موضوع پر ۵۔۸ جولائی تک بھوپال میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس، جس کا افتتاح مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ شری ڈی۔ پی مصرا نے کیا تھا، راجستھان یونیورسٹی کے اہتمام میں منعقد کی گئی تھی۔ راجستھان یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا نے کانفرنس کے صدر کے فرائض انجام دیئے۔ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے نمائندوں اور وائس چانسلروں کے علاوہ وزارتِ تعلیم، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اور پلاننگ کمیشن کے نمائندوں نے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے مختلف پہلوؤں پر مقالے پڑھے اور بحث مباحثے میں شرکت کی۔
(ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا کے مقالے کا ایک حصہ اور کانفرنس کی خاص تجاویز اسی شمارے میں شریک اشاعت کی جا رہی ہیں)

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس

تجاویز

یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے شعبوں کا قیام

اس کانفرنس کی رائے میں ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں بالغوں کے زیادہ سے زیادہ بڑے طبقے تک خدمات بہم پہنچانے کے وسیع مقصد کے پیش نظر اڈلٹ ایجوکیشن کے شعبے قائم کئے جانے چاہئیں اس سلسلے میں ہر یونیورسٹی کو بہر حال اپنے وسائل اور مقامی ضرورتوں کے پیش نظر اپنے طور پر یہ طے کرنا ہوگا کہ وہ کون سا پروگرام پہلے شروع کریں اور کون سا بعد کو

کانفرنس نے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن سے یہ توقع بھی قائم کی ہے کہ وہ اڈلٹ ایجوکیشن کے شعبے قائم کرنے میں یونیورسٹیوں کو ہر ممکن مدد دے گا۔

انڈین کانفرنس آف یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن

اس کانفرنس کی رائے میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کو فروغ دینا ایک مسلسل اور مستقل عمل ہے۔ ہمارے ملک میں آج جو حالات ہیں اور ہماری جو ضرورتیں ہیں، ان کے پیش نظر یہ کانفرنس "انڈین کانفرنس آف یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن" کے نام سے ایک تنظیم قائم کرنے کی تجویز کرتی ہے۔ اس کانفرنس کے مندرجہ ذیل مقاصد قرار دیئے جا سکتے ہیں:۔

(الف) ہندوستان کی یونیورسٹیوں کو اس بات کے لئے آمادہ کرنا کہ وہ اپنے اہتمام میں اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام شروع کریں اور اس مقصد کے لئے علیحدہ سے ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کی کارروائی کریں۔

(ب) جو یونیورسٹیاں مختلف میدانوں میں اس وقت ایکسٹنشن کے پروگرام چلا رہی ہیں یا اس طرح کے

پروگرام شروع کرنا چاہتی ہیں، ان کے باہم تبادلہ خیال اور بحث مباحثے کے لئے تبادلۂ اطلاعات کے مرکز کی حیثیت سے کام کرنا۔

(ج) یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی حوصلہ افزائی کے سلسلے میں انٹر یونیورسٹی بورڈ اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن سے تعاون کرنا۔

تنظیمی کمیٹی کا قیام:-

کانفرنس اس سلسلے میں ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا کی صدارت میں ایک تنظیمی کمیٹی مقرر کرتی ہے۔ اس کمیٹی کے دوسرے اراکین ہیں ڈاکٹر سی۔ ڈی۔ دیشمکھ، شری ایچ۔ ایم۔ پٹیل، شری ایس۔ ایس۔ بھنڈارکر۔ اور شری جے۔ پی۔ نائک۔ شری ایس۔ سی۔ دتہ اور ڈاکٹر امریک سنگھ اس کمیٹی کے سکریٹری ہوں گے۔ اس تنظیمی کمیٹی کا کام ہوگا "انڈین کانفرنس آف اڈلٹ ایجوکیشن" کے لئے دستور تیار کرنا اور اس دستور پر غور کرنے اور یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کے بارے میں آیندہ کے لئے لائحہ عمل طے کرنے کے لئے ۸ ماہ کے اندر اندر ایک کانفرنس بلانے کی تیاری کرنا۔

یہ کانفرنس انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن سے درخواست کرتی ہے کہ وہ آیندہ کانفرنس کے انعقاد تک اس کمیٹی کے دفتر کے لئے جگہ اور دوسری دفتری سہولتوں وغیرہ کا انتظام کردے۔

Registered No. D. 1126

THE MONTHLY TALIM-O-TARAQQI,

JULY 1965.

ماہنامہ تعلیم و ترقی

جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

● — بالغوں کی تعلیم جمہوریت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

● — بالغوں کی تعلیم کے مرکز قائم کیجئے اور جہالت کے خلاف اِس مقدس جہاد میں پڑھے لکھے لوگوں کو شرکت کی دعوت دیجئے۔

● — رسالہ تعلیم و ترقی اس نیک مہم میں آپ کا ہر قدم پر ساتھ دے گا۔

● — اِس کا سالانہ چندہ صرف چار روپے ہے اور اردو اور ہندی میں الگ الگ شائع ہوتا ہے۔

● — ہر سال تعلیمِ بالغان کے ایک نہ ایک موضوع پر اس کا ایک اسپیشل نمبر شائع ہوتا ہے جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

● — اگر آپ مستقل خریدار رہیں گے تو آپ کو یہ ضخیم شمارۂ خصوصی بھی سالانہ چندے ہی میں ملے گا۔

منیجر

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq

Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI.


تعلیم و ترقی

ادارہ تعلیم وترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم وترقی

جلد ۱۶ شمارہ ۸
اگست ۱۹۶۵ء

بانی :- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارہ تحریر :-
پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر :-
تعلیم وترقی ۔ جامعہ نگر ۔ نئی دہلی ۲۵

قیمت سالانہ چار روپے   فی پرچہ ۳۷ پیسے

فون نمبر :- ۷۴۴۶۴۴

ترتیب

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے یونین پریس جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم وترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

یونیورسٹیاں اور اڈلٹ ایجوکیشن

بھوپال کانفرنس کا خاص مقالہ

(۲)

"یونیورسٹیاں اور اڈلٹ ایجوکیشن" کے عنوان سے ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا کے مقالے کی پہلی قسط گذشتہ مہینے کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ مقالے کے مذکورہ بالا حصے میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے "یونیورسٹی اور اڈلٹ ایجوکیشن" کی اصطلاحوں کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے تصور کے ارتقار کی مختصر کہانی بیان کی تھی اور انگلینڈ اور امریکہ میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کا جائزہ لیا تھا

مقالے کی اس دوسری قسط میں ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا نے امریکہ کے لینڈ گرانٹ کالجوں کا ذکر کرنے کے بعد کناڈا اور اسٹریلیا میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کا جائزہ لیا ہے اور پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت اور افادیت پر بحث کی ہے۔

— ایڈیٹر

امریکہ کے لینڈ گرانٹ کالج

امریکہ کے تعلیمی نظام میں لینڈ گرانٹ کالجوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جیسے امریکی نظامِ تعلیم کے ایک

نادر جواہر پارے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس موقع پر لینڈ گرانٹ کالج کے ۱۸۶۲ء کے ایکٹ کا ذکر نہ کرنا غیر مناسب ہوگا۔ اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کے لئے ان کالجوں نے شاید سب سے زیادہ اہم کام انجام دیا ہے اور امریکہ میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے۔ اس قانون کی رو سے ہر اسٹیٹ کے لئے زراعت اور دستری گیری کا ایک ایک کالج قائم کرنے کے مقصد سے سرکاری زمین میں سے تیس ہزار ایکڑ زمین وقف کر دی گئی۔ ان کالجوں نے آہستہ آہستہ امریکہ کی بڑی بڑی اور مضبوط یونیورسٹیوں کی شکل اختیار کر لی۔

برطانوی یونیورسٹیوں کا نمونہ

امریکہ، کناڈا (اور آسٹریلیا) میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک نے بہت بڑی حد تک برطانوی یونیورسٹیوں سے روشنی حاصل کی ہے۔ امریکہ اور کناڈا کی یونیورسٹیوں کے عالم جب انگلینڈ جاتے تو وہاں کے یونیورسٹی ایکس ٹنشن شعبوں اور ورکرس ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کے کاموں کا اثر قبول کر کے واپس آتے۔ شمالی امریکہ میں اس کی وجہ سے اس تحریک میں ایک نئی جان پیدا ہو گئی۔

۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۲ء کے درمیان وسکن سن منے سوٹا، کیلی فورنیا کی یونیورسٹیوں اور پنسلوینیا کے اسٹیٹ کالج نے ایکس ٹنشن کے پروگرام شروع کر دیئے۔ اس کام کے لئے بہت سی انجمنیں بھی قائم ہو گئیں، جنھوں نے عام لوگوں کی دلچسپی کے لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا۔

ان میں سب سے پہلی اور سب سے زیادہ با اثر انجمن "یونیورسٹی ایکس ٹنشن کی امریکن سوسائٹی" تھی جو ۱۸۹۰ء میں فلاڈلفیا میں قائم ہوئی تھی۔ ۱۸۹۲ء میں شکاگو یونیورسٹی نے اپنے یہاں ایک باقاعدہ ایکس ٹنشن ڈپارٹمنٹ بھی قائم کر دیا۔ اس ڈپارٹمنٹ کے پہلے ڈائرکٹر پروفیسر ریچرڈ ماولٹن تھے، جنھیں برطانوی نظام تعلیم سے اچھی واقفیت تھی۔

اس کے بعد یونیورسٹی ایکس ٹنشن کے میدان میں سناٹا چھا گیا اور یہ خاموشی کہیں ۱۹۰۶ء میں جا کر ٹوٹی۔ اس سال وسکنسن یونیورسٹی نے اپنے ایکس ٹنشن ڈپارٹمنٹ کی از سر نو تنظیم کی۔ اس نئی تنظیم سے پروگرام میں بھی خاصی تبدیلی پیدا ہو گئی پہلے خالص علمی موضوعات پر توجہ دی جاتی تھی اب ریاست کے عملی مسائل جیسے زراعتی، صنعتی، اخلاقی، سماجی اور سیاسی مسائل کی طرف توجہ دی جانے لگی۔

۱۸۶۲ء کے (لینڈ گرانٹ کالجوں سے متعلق) موول ایکٹ نے ریاستوں میں اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لئے ایک ترقی پسند قانون کا سہارا دے دیا۔ ۱۹۱۷ء کے اسمتھ لیور ایکٹ نے اس مقصد کو

اور تقویت پہنچائی۔ ان کے علاوہ اس مقصد کے لئے کچھ اور بھی قانون مرکزی حکومت نے پاس کئے۔

امریکہ میں قومی سطح پر اڈلٹ ایجوکیشن کے تمام پروگراموں میں تال میل قائم کرنے کی پہلی بار کامیاب کوشش ۱۹۲۶ء میں کی گئی۔ اس حیثیت سے امریکہ کو یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ پکی عمر کے کروڑوں مرد اور عورتیں یونیورسٹی کی ان علمی خدمات سے فیضیاب ہو رہے ہیں جو وہ مختلف کورسوں کی شکل میں منظم کرتی ہیں۔ بستی کی تعلیم کی تاریخ میں اتنی شاندار مثال بہت کم جگہ پر ملے گی۔

کناڈا میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن

کناڈا میں اڈلٹ ایجوکیشن کی ابتدا میکنکس انسٹی ٹیوٹ کے قیام سے ہوتی ہے جو برطانیہ کے نمونے پر قائم کیے گئے تھے۔ بستی کی ضروریات کے پیش نظر عام دلچسپی کے موضوعات پر یونیورسٹی کے پروفیسروں کے لیکچر منعقد کرنے کے سلسلے میں تعلیم اور سیاست کے میدان کے رہنما بہت دنوں سے کوششیں کر رہے تھے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ انہی کوششوں کا نتیجہ تھے۔ میکنکس انسٹی ٹیوٹ کی تحریک میں پبلک لائبریریوں کا قیام بھی شامل تھا۔ ۱۸۹۲ء میں کوئنس یونیورسٹی کے پرنسپل نے کیوبک اور انٹریو کے لوگوں کے لئے یونیورسٹی ایکسٹنشن کی خدمات فراہم کرنے کے سلسلے میں ایک میٹنگ بلائی تھی۔ جب میکنکس انسٹی ٹیوٹ ایک ایک کر کے ختم ہونا شروع ہوئے تو یونیورسٹیوں نے بستی کے لوگوں کو اپنی خدمات سے فیضیاب کرنے کے دوسرے وسائل ڈھونڈ نکالے۔ اس بار بھی ان کے سامنے برطانیہ کی یونیورسٹیوں کا نمونہ تھا۔ پبلک لیکچر، گرمائی اسکول، شام کے کالج کتب خانوں کی خدمات، کسان فورم اور ٹورسٹ اسکول تو قائم کئے گئے مگر ان کے علاوہ کوئنس یونیورسٹی میں ڈگری کورسوں کے لیے خط و کتابت کے ذریعہ تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ کناڈا کی یونیورسٹیوں میں، اس میں شک نہیں کہ ان کاموں کی رفتار کافی سست رہی ہے مگر یونیورسٹیوں میں ایکسٹرا میورل سرگرمیاں جاری کرنے کی ضرورت کا احساس یہاں کافی شدت سے موجود رہا ہے۔ ڈاکٹر کوڈی کی قیادت میں سینٹ فرانسیس زاؤیر نے جو کام انجام دیئے وہ بہت قابل قدر ہیں۔ یہاں یونیورسٹیوں نے اپنی بقا اور بہتری کے لئے ہر قدم پر عوام کی مدد کا سہارا لیا ہے۔ کچھ یونیورسٹیوں نے زراعت کے ایکسٹنشن پروگرام پر خاص توجہ دینی شروع کی تو کچھ نے اپنے علاقے کے لوگوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کا مقصد اپنے سامنے رکھا۔ بڑی بڑی یونیورسٹیاں (جیسے ٹورونٹو اور میک گل یونیورسٹیاں ہیں) اپنے ایکسٹنشن پروگرام کے ماتحت خاص طور سے شام کی کلاسوں اور مراسلاتی تعلیم کا اہتمام کرتی ہیں۔

کیا ایکس ٹنشن پروگرام یونیورسٹی کے لئے غیر ضروری ہے:

بہت دن پہلے کی بات نہیں ہے کہ کناڈا کی بہت سی یونیورسٹیاں ایکس ٹنشن پروگرام کو اپنے لئے غیر ضروری تصوّر کرتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ایکس ٹنشن پروگرام اعلیٰ تعلیم کے اداروں کے منصب میں شامل نہیں ہے مگر اب ایسی بات نہیں ہے۔ کناڈا کی یونیورسٹیاں آج اپنا جو قیمتی وقت اور سرمایہ ایکس ٹنشن پروگرام پر صرف کررہی ہیں تو وہ اس لئے کررہی ہیں کہ وہ سچے دل سے یہ چاہتی ہیں کہ یونیورسٹیوں کے عالم اپنے افکار و خیالات اور علم و دانش کا سرمایہ سوسائٹی کی خدمت کے لئے وقف کردیں۔ آج اس ملک کی بیشتر یونیورسٹیاں اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔ اس وقت کناڈا کی ۲۵ یونیورسٹیوں میں ایکس ٹنشن پروگرام کے باقاعدہ شعبے موجود ہیں۔

اسٹریلیا کی یونیورسٹیوں میں:۔

اسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی یونیورسٹیوں نے بھی ایکس ٹنشن پروگرام کے ذریعہ سے علوم کی تعلیم کو عام کرنے کا خیال اپنایا ہے۔ اسٹریلیا کی یونیورسٹیوں نے اس سمت میں حالانکہ ۱۸۹۰ء سے قبل ہی پہل کردی تھی مگر ۱۹۱۴ء تک یہ کام بے ترتیب انداز میں چلتا رہا۔ جو بیشتر یونیورسٹی کے کسی پروفیسر کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہوتا تھا۔ مگر ۱۹۱۴ء کے بعد یعنی ۱۹۱۴ء اور ۱۹۴۵ء کے درمیان یہ تحریک زیادہ موثر انداز میں کھیلی جب کہ اسٹریلیا کی یونیورسٹیوں میں ایکس ٹنشن اور ٹیوٹوریل تعلیم کی تنظیم کے سلسلے میں برطانوی یونیورسٹیوں کا نمونہ اختیار کیا جانے لگا۔ سرمائے کی کمی کی وجہ سے اس کی رفتار تو سست ضرور رہی مگر اس پروگرام کو شروع کرنے اور ملک گیر پیمانے پر پھیلانے کا حوصلہ ہر قدم پر اس تحریک کا رہنما بنا رہا۔ سرمائے اور دوسرے وسائل کی کمی اس پروگرام کی راہ میں بہرحال رکاوٹ بنی اور یہ تحریک ایک عجیب الجھاؤ میں پھنس کر رہ گئی اور یہ الجھاؤ ناقابل عبور رکاوٹ بن گیا۔ ڈِسن کے الفاظ میں اس "پروگرام کو ترقی دینے کے لئے زیادہ رقم کی گنجائش اس لئے نہیں نکالی جاسکتی تھی کہ ترقی کی رفتار بالکل رکی ہوئی تھی اور ترقی کی رفتار کو اس وقت تک بڑھا وا نہیں دیا جاسکتا تھا جب تک کہ اس کے لئے کافی سرمایہ موجود نہ ہو۔"

دو نظریئے:

اس سلسلہ میں دو نظریئے سامنے آئے ایک یہ کہ یونیورسٹی کو اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں بہت کُھل کر کام

کرنا چاہیئے، اس لئے کہ بالغوں کی تعلیم کا مسئلہ کافی اہم ہے۔ ڈاکٹر ڈنکن نے ۱۹۵۴ء کی یونیورسٹی کمیشن کی رپورٹ میں اس نظریئے کی بہت زوردار الفاظ میں حمایت کی ہے۔ دوسرے مکتب خیال والے اڈلٹ ایجوکیشن کے جملہ پروگراموں کے لیئے ایک بااختیار بورڈ یا کونسل کی تشکیل کے حق میں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ان کونسلوں یا بورڈوں کو معقول مالی وسائل فراہم کئے جائیں تو وہ مختلف سطح پر اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام زیادہ موثر انداز میں چلا سکتے ہیں، اس لئے کہ اس طرح کے اداروں کے انتظامی امور میں سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے مقابلے میں زیادہ لچک ہوگی۔ وکٹوریا شہر والوں کی رائے اسی دوسرے خیال کے حق میں تھی۔ وہاں ۱۹۴۵ء میں اڈلٹ ایجوکیشن کی ایک کونسل قائم ہوگئی۔ تسمانیا میں بھی ۱۹۴۷ء میں اس طرح کے ایک بورڈ کی تشکیل ہوگئی۔ ان کونسلوں میں یونیورسٹیوں کو بھی نمایندگی دی گئی تھی مگر ان کے براہ راست اہتمام میں جو ایکس ٹنشن پروگرام اور ٹیوٹوریل کلاسیں چل رہی تھیں وہ ختم کردی گئیں۔ خوش قسمتی سے جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد حکومت نے اڈلٹ ایجوکیشن کے لئے گرانٹ کی رقم کافی بڑھادی اور اس طرح اڈلٹ ایجوکیشن کے یہ پروگرام زیادہ وسیع پیمانے پر شروع ہوگئے جو عوام میں کافی مقبول بھی ہوئے۔

عالمی جنگ کے بعد:

مغربی اسٹریلیا میں پروفیسر الیکزینڈر کی رہنمائی میں یونیورسٹیوں کے اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ نے جنگ کے بعد ہمہ گیر پیمانے پر اڈلٹ ایجوکیشن کے مختلف پروگرام شروع کئے جس میں کتب خانوں کی خدمات کے علاوہ آرٹ، تھیٹر، موسیقی اور فلم وغیرہ پر ایسے مختلف پروگرام شامل تھے جو اسٹریلیا کے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کے لیئے بالکل نئے تھے۔ نیو ساؤتھ ویلس کے علاقے میں اس نے ایک بالکل مختلف شکل اختیار کی۔ وہاں اڈلٹ ایجوکیشن کے جملہ پروگراموں کے لیئے ایک مشترکہ تعلیمی کمیٹی کی تشکیل کی گئی جس میں یونیورسٹیوں کو بھی نمایندگی دی گئی تھی۔ اس کمیٹی کی حیثیت وزیر تعلیم کی ایک مشاورتی کمیٹی کی تھی۔ اس کمیٹی میں مختلف جماعتوں کی نمایندگی کرنے والے رکن اڈلٹ ایجوکیشن کے متعلقہ پہلوؤں کے لیئے ذمہ دار تھے۔ اس کمیٹی کے ماتحت شام کی کلاسیں کافی تیزی سے کھلنے لگیں۔ بعد میں ٹیکنیکل تعلیم بھی اس کے احاطۂ کار میں شامل ہوگئی۔ برطانیہ، کناڈا اور امریکہ میں دو عالمی جنگوں کے دوران اڈلٹ ایجوکیشن کے تصور نے جو الگ الگ شکل اختیار کی ہے اور ان میں جو باہم فرق ہے اس کی جھلک جزوی طور پر اسٹریلیا کی مختلف ریاستوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام میں دیکھنے کو مل جاتی ہے۔

موجودہ کیفیت

آسٹریلیا کی تینوں ریاستوں میں ۱۹۵۰ء سے پہلے یونیورسٹیاں اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں پوری طرح آچکی تھیں۔ اس وقت آسٹریلیا کی ۶ یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے شعبے قائم ہیں جہاں پورے وقت کے اساتذہ اور دوسرے عملے موجود ہیں۔ ملبورن یونیورسٹی میں ایکس ٹنشن پروگرام کے لئے ایک بہت بڑی کمیٹی قائم ہے۔ ایک کے سوا ان میں سے تمام شعبے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے مختلف پہلوؤں پر کام کر رہے ہیں۔ پیشہ ورانہ تعلیم اور کتب خانوں کی خدمات کے خاص کام ہیں۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کا میدان:

آسٹریلیا کی یہ یونیورسٹیاں اپنے کام اور احاطہ کار کے متعلق بہرحال متفق ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں یونیورسٹیوں کا مندرجہ ذیل خاص کام ہے۔

(الف) یونیورسٹی کی سطح پر آرٹ، سماجی علوم اور طبعی علوم پر مختلف کورسوں کا اہتمام کرنا، متعلقہ پیشوں میں لگے ہوئے لوگوں کے لئے بھی اور شوقیہ طور پر اپنی معلومات بڑھانے والے لوگوں کے لئے بھی

(ب) بستی کے بالغ آدمیوں کی دلچسپیوں اور ضروریات کا پتہ لگانا اور اڈلٹ ایجوکیشن کے عملی پروگرام اور طریق کار کے متعلق تجربے اور تحقیق کرنا۔

(ج) اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں جو مختلف ایجنسیاں کام کر رہی ہیں ان کو مشورے اور مدد دینا۔

(د) اڈلٹ ایجوکیشن کے ٹیچروں کی ٹریننگ اور

(ہ) علم کی ایک شاخ کی حیثیت سے اڈلٹ ایجوکیشن کی تعلیم اور ریسرچ کا اہتمام کرنا۔

معیار تعلیم کا مسئلہ

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی پالیسی اور پروگرام سے متعلق ان تمام معاملات میں معیارِ تعلیم کا سوال خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ آسٹریلیا کی یونیورسٹیوں نے اڈلٹ ایجوکیشن کے جو مختلف کورس جاری کر رکھے ہیں وہ اپنے معیار کے اعتبار سے برطانیہ، امریکہ اور کناڈا کی برابری تو نہیں کر سکتے مگر تعلیم کے میدان میں ان کا کارنامہ بھی بے مثل ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن :-

ایکس ٹنشن پروگرام میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے بہت مدد لی جاتی ہے۔ اسٹریلیا کی سات یونیورسٹیوں نے ۱۹۲۶ء میں مختلف موضوعات پر ۸۰۰ کورس چلائے، جس میں ۲۵۰۰۰ آدمیوں نے حصّہ لیا۔ یہ کورس ۵ اور ۱۰ ہفتے کی مدت سے لے کر ۳ سال کی مدت تک پھیلے ہوئے تھے۔۔۔۔ نیو ساؤتھ ویلیس کی یونیورسٹی نے مختلف موضوع پر ریڈیو کورس نشر کرنے میں خصوصی مہارت حاصل کی ہے۔ ۱۹۶۱ء میں جس آن بان کے ساتھ یہ پروگرام شروع کیا گیا تھا اس سے آیندہ بہت حوصلہ افزا امیدیں وابستہ ہیں۔

سماجی زندگی کی تاریخ کا ایک دلکش باب :-

میں نے یہاں چار ملکوں ــــ برطانیہ، امریکہ، کناڈا اور اسٹریلیا ــــ میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے ارتقا کی مختصر تاریخ پیش کی ہے۔ ہمارے موجودہ مقصد کے پیش نظر یہ بہت کافی ہے۔ جاپان کے مراسلاتی کورس اور جرمنی، اسٹریلیا، اٹلی اور دوسرے ملکوں کی یونیورسٹیوں نے اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں جو کام انجام دیئے ہیں ان کا مطالعہ بھی اس سلسلے میں مفید ہو سکتا ہے۔ مگر اب میں سوچتا ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کو اعداد و شمار، تاریخ اور واقعات کی تفصیل اور مستند کتابوں کے اقتباسات میں الجھا کر آپ کو صبر کی آزمائش میں ڈال دیا، جو میرے لئے شاید مناسب نہیں تھا۔ مگر ذاتی طور پر مجھے یہ کہانی بڑی دلکش معلوم ہوتی ہے کہ یونیورسٹی کے عالموں نے یونیورسٹی کی چہار دیواری سے باہر رہنے والوں کی ذہنی پیاس کو کس طرح محسوس کیا اور ان کی اس پیاس کی تسکین کے سامان مہیا کرنے کے لیئے کیا کچھ نہیں کیا۔ سماجی زندگی کی تاریخ کا یہ بہت دلکش باب ہے اور اسی لیئے اس کو بیان کرنے میں میں نے آپ کا اتنا سارا وقت لیا۔

طریق کار کا اختلاف

اس موضوع پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے ارتقا کی یہ کہانی اس کے بنیادی نظریے اور مقصد میں اتحاد کی نشان دہی بھی کرتی ہے اور اس کے پروگرام اور طریق کار کی کثرت اور اختلافات کو اُجاگر بھی کرتی ہے۔ اس بات میں مجھے کسی طرح کا تضاد نظر نہیں آتا ہے۔ تمام جگہ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے بنیادی نظریے میں ایک

یکسانیت دکھائی دیتی ہے جسے تمام دنیا میں ایک عالمگیر شرف قبولیت حاصل ہے۔ مگر الگ الگ ملکوں کی یونیورسٹیوں کے پروگرام اور طریق کار میں فرق ضرور ہے، جو وہ بجا طور پر اپنے مخصوص حالات اور ضروریات کے پیش نظر اختیار کرتی ہیں۔ طریق کار کا یہ اختلافات اس تحریک کی کمزوری کی نہیں بلکہ صحت مندی اور قوت کی علامت ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ یونیورسٹیاں ان بستیوں کی زندگی میں پوری طرح رچ بس نہیں سکتی ہیں جن لوگوں کے درمیان وہ یہ کام کرتی ہیں۔ (مسلسل)

ملک سے ناخواندگی کا جلد از جلد خاتمہ کر دیا جائے

قومی نظامِ تعلیم کے متعلق صدر کانگریس کی رائے

قومی تعلیمی کمیشن کے اراکین سے ملک کی تعلیمی حالت اور قومی نظامِ تعلیم کے متعلق اپنی ایک حالیہ گفتگو کے دوران صدر کانگریس مسٹر کامراج نے فرمایا کہ جس ملک میں ۷۰ فی صدی آبادی ناخواندہ ہو وہاں قومی نظامِ تعلیم کا پروگرام اس نہج پر تیار کرنا چاہیئے کہ ملک سے ناخواندگی کی لعنت جلد سے جلد دور ہو جائے۔

گھنٹی بردار بائسکل کتب خانہ
گشتی کتب خانے کا ایک نیا طریقہ

ذیل کا تعارف لٹریسی ہاؤس لکھنؤ کے ڈپٹی ڈائرکٹر جناب ای۔ سی۔ رتنا کے ایک مضمون کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے جو موصوف نے لٹریسی ہاؤس کے گھنٹی بردار بائسکل کتب خانے کی اسکیم کی رپورٹ کے طور پر لکھا ہے۔

اس رپورٹ کا نمایاں پہلو تو یہ جتلاتا ہے کہ نئی خواندہ پبلک کو ان کے گھروں پر کتابیں پہنچانے کی طرح طرح کی بہت سی تدبیروں میں یہ تدبیر کتنی آسان اور کامیاب ہے، لیکن اس کا مطالعہ اس اعتبار سے بھی بہت مفید ہے کہ اس سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ نئی خواندہ پبلک ہو یا نو خواندہ بالغوں کا طبقہ، اسے کس قسم کی کتابیں پسند آتی ہیں اور بالغوں کی کتابیں لکھنے والے مصنفوں اور ناشروں کو اپنی مطبوعات کی منصوبہ بندی میں اس کا کتنا لحاظ رکھنا چاہیے۔

اس رپورٹ سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بالغ خواندگی کی مہموں کو اپنی کوشش ان پڑھ بالغوں کو صرف پڑھنا لکھنا سکھا دینے یا جگہ جگہ ان کے لئے کتب خانے قائم کر دینے تک محدود نہیں کر دینا چاہیے بلکہ اسی مستعدی سے یہ اہتمام بھی کرنا چاہیے کہ لوگ کتابیں پڑھیں اور کتاب پڑھنے کی انھیں عادت پڑ جائے۔ جبھی بالغ خواندگی کی مہمیں کار آمد اور نفع بخش ثابت ہو سکتی ہیں۔

——— ایڈیٹر

تمہید

لٹریسی ہاؤس کی "بازار کے دن کی گشتی کتب خانے" کی اسکیم اس خیال کی بنیاد پر چلائی گئی تھی کہ لوگ ہفتے کے ہفتے بازار کرنے آتے ہیں۔ اگر بازاروں کے مقامات پر بازار کے دن کتب خانے لگا دیئے جایا کریں تو جہاں لوگ بازار سے اپنی دوسری ضرورت کی چیزیں لیتے ہیں، وہاں وہ اپنے مطلب کی کتابیں بھی لے لیا کریں گے اور ہفتے کے ہفتے پہلی کتابیں لوٹا کر دوسری کتابیں جاری کرا لیا کریں گے۔

یہ خیال بہت اچھا تھا لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ خواندہ طبقے کا خاصہ بڑا حصہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو بازار کرنے پابندی سے ہر ہفتے نہیں آتے" اگرچہ وہ کتابیں پڑھنے کے شوقین ہوتے ہیں یا بنائے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح کیونٹی ڈیولپمنٹ کے بلاکوں کا دیہی کتب خانے قائم کرنے کا تجربہ بھی کچھ بہت کامیاب نہیں رہا۔ اس میں دشواری اس ضابطے سے پیدا ہو جاتی تھی کہ کسی گاؤں میں دیہی کتب خانہ اُسی حالت میں قائم ہو گا جب اس کا آدھا خرچ گاؤں کی پنچایت برداشت کرے۔

منصوبہ

کتب خانے کی سروس کی ان خامیوں کو دیکھ کر لٹریسی ہاؤس نے پڑھنے والے یا پڑھ سکنے والے لوگوں کو اُن کے گھروں پر کتابیں پہنچانے کا ایک اور تجربہ شروع کیا؛ اور اسے "گھنٹی بردار بائسکل کتب خانے" کے نام سے موسوم کیا۔ اس تجربے کے لئے دس گاؤں کا ایک علاقہ منتخب کیا گیا۔ گاؤں کے انتخاب میں یہ شرط رکھی گئی کہ

(۱) گاؤں میں کم سے کم پرائمری اسکول قائم ہو۔ یا

(۲) وہاں خواندگی کی کوئی کلاس جاری ہو۔

کام کا قاعدہ یہ رکھا گیا کہ:

(۱) کتب خانے کا ممبر ہونے کے لئے کوئی فیس زرِ ضمانت نہیں ہو گی۔ ہر ممبر ایک وقت میں ایک کتاب لے سکے گا اور اُسے پندرہ دن تک رکھ سکے گا۔ لیکن اسے اس کی آزادی ہو گی کہ اگر چاہے تو اُسے لائبریرین کے آنے پر اس مدت سے پہلے ہی واپس کر کے دوسری کتاب لے لے۔

(۲) لائبریرین ایک بائیسکل پر ایک بکس میں کتابیں رکھے ہفتے میں ایک بار ہر گاؤں میں مقررہ وقت پر پہنچے گا، اور سابقہ

کتابیں واپس لے گا اور تازہ کتابیں جاری کرے گا۔

(۳) لائبریرین کے ہاتھ میں نیسل کی بنی ہوئی ایک گھنٹی ہوگی جسے زور زور سے بجا کر وہ لوگوں کو اپنے آنے کی اطلاع کرے گا۔

(۴) لائبریرین کے بکس میں ایک وقت میں سو سے ڈیڑھ سو تک کتابیں ہوں گی جن میں زیادہ تعداد نوخواندہ پبلک کے مطلب اور مذاق کی کتابوں کی ہوگی۔

(۵) لائبریرین کا کام ہوگا کہ وہ اپنے پاس مختلف مضامین کی کتابیں کافی تعداد میں رکھے اور اس بات کا دھیان رکھے کہ لوگوں کو اُن کے مطلب اور مذاق کے مطابق نئی نئی کتابیں پہنچتی رہیں۔

ایک سال کا تجربہ اور نتائج

اس مختصر تنظیم اور منصوبہ بندی کے ساتھ گھنٹی بردار بائسکلی کتب خانے کا تجربہ ۱۵ اگست ۱۹۶۳ء کو شروع کیا گیا تجربے کے لئے جن دس گاؤں کا علاقہ منتخب کیا گیا ان کے نام اور تجربے کے صدر گاؤں ماٹی سے ان کے فاصلوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

گاؤں کا نام	ماٹی گاؤں سے فاصلہ
۱۔ ماٹی	۔
۲۔ ظالم کھیڑا	۶ فرلانگ
۳۔ کھٹولا	۴ میل
۴۔ بھدرسہ	۳ "
۵۔ علی نگر	۲ "
۶۔ کمال پور	۱½ "
۷۔ نشکور	۲ "
۸۔ رحیم آباد	۳
۹۔ سردن نگر	۲½ "
۱۰۔ بھکرائن کھیڑا	۱۲ فرلانگ

کتب خانے کے کام کا عام معمول یہ ہے کہ لائبریرین پچاس سے ایک سو پچاس تک کتابوں کا بکس اپنی بائسکل پر لئے جب گاؤں میں پہنچتا ہے تو اپنی بائیسکل کی گھنٹی زور زور سے بجا دیتا ہے اس سے گاؤں کے لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ "کتاب والا" (لائبریرین کو گاؤں کے لوگ اسی خطاب سے موسوم کرتے ہیں) آگیا، چلو اب پرانی کتابیں واپس کرآئیں اور نئی کتابیں لے آئیں"۔ ابتدا میں لائبریرین گاؤں میں کسی ایک مقام پر قیام نہیں کرتا بلکہ اپنی گھنٹی بجاتے ہوئے گھر گھر گھومتا ہے تاکہ گھروں کی خواندہ عورتیں بھی جو پردے اور دوسری سماجی پابندیوں کی وجہ سے گھروں سے نکلتی نہیں ہیں، اپنی اپنی پسند کی کتابیں لے سکیں۔ اس مقصد کے لئے لائبریرین گھر کے یا پاس پڑوس کے بچوں خصوصاً اسکول کے طلبار کی خدمات بھی حاصل کرتا ہے جو چھ سات کتابیں لے کر گھروں کے اندر چلے جاتے ہیں اور عورتیں ان میں سے اپنی پسند کی کتابیں منتخب کر لیتی ہیں۔

شکوک وشبہات

تجربے کی ابتدا میں ان گاؤں کے پردھانوں اور دوسرے با اثر اشخاص سے جن کی تعداد ۱۵ تھی، تعلقات پیدا کئے گئے تھے اور انھیں اس تجربے کی تفصیلات اور مقاصد سے آگاہ کر دیا گیا تھا، مگر اس کے باوجود گاؤں کے کچھ لوگ شبہے میں پڑ گئے تھے۔ انھیں اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر لوگوں نے کتابیں لیں تو حکومت ان کے اوپر کتب خانے کا محصول لگا دے گی۔ یہ افواہ بھی اڑائی گئی کہ لوگ اچھی طرح پڑھنا لکھنا سیکھ جائیں گے تو انھیں زبردستی فوج میں بھرتی کر لیا جائے گا۔

لیکن آہستہ آہستہ جب لوگ "سائیکل سوار کتاب والے" سے مانوس ہو گئے تو یہ شکوک شبہات بھی رفع ہو گئے اور ممبروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔

گاؤں کی تعلیمی کیفیت

(الف) تعلیمی ادارے۔ علاقے کے ان دس گاؤں میں سے چار گاؤں میں پرائمری اسکول قائم ہیں اور باقی چھ گاؤں میں صرف خواندگی کی کلاسیں ہیں۔ خواندگی کی کلاسیں بہرحال پرائمری اسکول والے گاؤں میں بھی جاری ہیں۔ لیکن سوائے ماٹی کے دوسرے کسی گاؤں میں عورتوں یا لڑکیوں کے لئے نہ پرائمری اسکول ہیں نہ خواندگی کی کلاسیں۔

(ب) گاؤں میں خواندگی کا اوسط حسب ذیل نقشے سے ظاہر ہوگا۔

خواندگی کی کیفیت

گاؤں	کل میزان (اوسط)	مردوں میں	عورتوں میں	بچوں میں
۱۔ علی نگر	۹	۱۴	۲	۱۳
۲۔ کھدراسہ	۱۴	۱۶	۴	۲۱
۳۔ کمال پور	۱۲	۱۶	۴	۳۲
۴۔ کھٹولا	۱۸	۲۴	۲	۲۷
۵۔ ماٹی	۲۳	۳۱	۱۰	۲۹
۶۔ نٹکور	۲۲	۲۹	۵	۳۲
۷۔ رحیم آباد	۱۳	۱۳	۲	۲۴
۸۔ سرون نگر	۱۸	۱۸	۴	۳۱
۹۔ ٹھکرائن کھیڑا	۲۱	۳۳	۴	۲۲
۱۰۔ ظالم کھیڑا	۱۴	۱۹	۳	۱۹

اس نقشے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جن گاؤں میں پرائمری اسکول قائم ہیں، وہاں خواندگی زیادہ ہے بہ نسبت ان گاؤں کے جہاں صرف بالغ خواندگی کی کلاسیں جاری ہیں۔

کتب خانے کی رکنیت

اس ایک سال کی مدت میں دس گاؤں کے اس علاقے میں کتب خانے کے کُل ۴۱۰ ممبر عورتیں اور مرد ملا کر بنے ہیں۔ اس تعداد میں ۳۷۱ مرد ہیں اور صرف ۳۹ عورتیں ہیں، گویا کل رکنیت کا ۹۱ فی صدی مرد اور ۹ فی صدی عورتیں ہیں ماٹی گاؤں میں تعداد سب سے زیادہ ہے اس لئے کہ وہاں پرائمری اسکول لڑکے کے لئے بھی قائم ہے اور لڑکیوں کے لئے بھی، بلکہ لڑکیوں کا اسکول لڑکوں کے اسکول کے چھ سال کے بعد قائم ہوا۔ یہاں بالغ خواندگی کی کلاسیں بھی مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ جاری ہیں۔

کتب خانے کی رکنیت سے متعلق سب سے اہم بات یہ ہے کہ ۱۰۴ ممبروں میں سے ۸۴ ممبر جن کا اوسط ۱۲ فی صدی بیٹھتا ہے، وہ لوگ ہیں جنہوں نے بالغ خواندگی کی کلاسوں میں پڑھنا لکھنا سیکھا ہے۔ واضح رہے کہ بیشتر گاؤں میں خواندگی کی کلاسیں ۱۹۶۲ء یا ۱۹۶۱ء میں جاری ہوئی تھیں، صرف ماٹی گاؤں ایسا ہے جہاں خواندگی کی کلاسیں ۱۹۶۰ء میں جاری ہوئی تھیں۔

ممبروں کی تقسیم بہ لحاظ عمر

کتب خانے کے رکارڈوں کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کتب بینی کا سب سے زیادہ شوقین وہ طبقہ ہے جس کی عمر ۱۰ سے ۲۰ سال کے درمیان ہے۔ ۱۰۴ ممبروں میں اس طبقے کی تعداد سب سے زیادہ یعنی ۲۳۱ تھی اور اوسط ۵۶ فی صدی۔ اس کے بعد وہ لوگ آتے ہیں جو ۲۱ سے ۳۰ سال کے درمیان ہیں یعنی ۳۰ فی صدی (اصل تعداد ۱۲۵) پھر ۳۱ سے ۴۰ سال کی عمر کے لوگ ہیں، ان کے بعد ۴۱ سے ۵۰ سال اور سب سے کم ۵۱ سال اور اس سے زیادہ عمر کے لوگ آتے ہیں، ان کی اصل تعداد اور اوسط فی صدی بالترتیب ۴ فی صدی (۱۷) اور ۳ فی صدی (۱۱) ہے۔ قریب قریب یہی حال عورت ممبروں کا بھی ہے ان میں ۹۰ فی صدی (۳۵) وہ عورتیں ہیں جو ۲۱ سے ۳۰ سال کی عمر کے زمرے میں آتی ہیں۔

کتابوں تقسیم بہ لحاظ پیشہ

پیشے کے لحاظ سے کتب خانے کے کاغذات کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ۱۰۴ ممبروں میں کتابیں پڑھنے والوں کی سب سے زیادہ تعداد کھیتی باڑی کا پیشہ کرنے والوں کی ہے اور ان کے بعد طالب علموں کی۔ اوّل الذکر کی تعداد ۲۳۱ اور اوسط فی صدی ۵۶ تھا اور ثانی الذکر کی تعداد ۷۷ اور اوسط فی صدی ۱۹۔

جاری شدہ کتابوں کی تعداد

زیرِ تبصرہ ایک سال میں سب ملا کر ۹ ہزار ۵ سو چھیاسٹھ کتابیں جاری کی گئیں۔ اس تعداد پر حساب پھیلایئے تو معلوم ہوگا کہ ہر ممبر نے سال بھر میں اوسطاً ۲۳ کتابیں پڑھیں ایک نئے تجربے کے لئے جس کے اوپر ابھی صرف ایک سال کی مدت صرف ہوئی ہے یہ اوسط بہت بڑی حد تک اطمینان بخش ہے۔

سب سے زیادہ پسندیدہ مضمون

تجربے کے دوران میں اس بات کا پتہ چلانے کی غرض سے کہ ممبروں کو سب سے زیادہ کس مضمون کی کتابیں پسند ہیں، خاص طور پر یادداشتیں رکھی گئیں۔ ان یادداشتوں کو کھنگالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ مقبول مضمون کہانیوں کا ہے، اس کے بعد ناولوں کا اور تیسرے نمبر پر مذہب کا۔

کتب خانے میں حسب ذیل ۱۶ مضامین کی کتابیں رکھی گئی تھیں۔

۱۔ زراعت اور مویشیوں کی نسل کی اصلاح
۲۔ صحت وصفائی
۳۔ علوم طبعی
۴۔ زبان
۵۔ ناول
۶۔ کہانیاں
۷۔ شعر اور نظم
۸۔ ڈراما
۹۔ سماجی علوم
۱۰۔ منصوبہ بندی اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ
۱۱۔ تاریخ، جغرافیہ اور سفر نامے
۱۲۔ مذہب
۱۳۔ سوانح عمریاں
۱۴۔ علم خانہ داری
۱۵۔ ٹکنیکل کتابیں
۱۶۔ متفرق (عام)

پڑھنے والوں کی پسند کے اعتبار سے کتابوں کی تقسیم کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	نام مضمون	جاری شدہ کتابوں کی تعداد	اوسط فی صدی
۱۔	کہانیاں	۲۰۵۲	۲۱٫۵
۲۔	ناول	۱۹۰۳	۲۰٫۵
۳۔	مذہب	۱۵۱۶	۱۶٫۰
۴۔	زراعت اور مویشیوں کی اصلاح نسل	۵۴۷	۵٫۵
۵۔	منصوبہ بندی اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ	۵۴۵	۵٫۵
۶۔	سوانح عمری	۵۴۲	۵٫۵

نمبر شمار	نام مضمون	جاری شدہ کتابوں کی تعداد	اوسط فی صدی
۷۔	صحت وصفائی	۵۳۵	۵ء۵
۸۔	تاریخ اور جغرافیہ	۵۰۳	۵ء۳
۹	ڈراما	۲۷۲	۲ء۵
۱۰	شعر اور نظم	۲۴۸	۲ء۵
۱۱۔	سماجی علوم	۱۷۸	*
۱۲۔	علم خانہ داری	۱۶۸	*
۱۳۔	متفرق (عام)	۱۵۱	*
۱۴۔	طبعی علوم	۱۴۰	*
۱۵۔	زبان	۱۰۶	*
۱۶۔	ٹیکنیکل کتابیں	۶۰	*

نوخواندہ بالغوں اور عورتوں کی پسند

کتب خانے کے ۱۰۳۱ ممبروں میں جو ۸۴ نوخواندہ اور ۳۹ خاتون اراکین شامل ہیں، ان کی پسند اور انتخاب کا اندازہ کرنے کے لیئے الگ سے یادداشتیں رکھی گئی تھیں۔ ان یادداشتوں کے تجزیئے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ مقبول مضامین اس طبقے میں بھی کہانیاں، ناول اور مذہب ہی ہیں۔ نوخواندہ بالغوں میں کہانیوں کا اوسط ۲۷ء۸ فی صدی، مذہب کا ۱۵ فی صدی، زراعت کا ۱۰ فی صدی اور ناولوں کا ۷ فی صدی تھا۔ عورتوں میں کہانیوں کا اوسط ۴۲ فی صدی، ناولوں کا ۱۳ فی صدی، مذہب کا ۲۱ فی صدی اور علم خانہ داری، منصوبہ بندی اور زراعت کا سات سات فی صدی۔

بجٹ

اس تجربے کے لئے لٹریسی ہاؤس نے جو بجٹ منظور کیا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذکر بھی مختصراً

* سے مراد یہ ہے کہ ان کا اوسط ۲ فی صدی سے کم ہے۔

کردیا جائے:

عملہ	(۱) ۲ لائبریرین ۷۵-۵-۱۲۰/ ای-بی ۱۰-۱۷۰ کے گریڈ میں	۱۸۱۰ روپے
	سائیکل الاؤنس بحساب ۱۰ روپے ماہانہ	۲۴۰ 〃
سامان	(۲) سائیکلیں ۲ عدد	۴۰۰ 〃
	(۳) بکس (کتابوں کے) ۲ عدد	۲۵ 〃
	(۴) کتابیں ۲۰۰۰ نسخے	۲۰۰۰ 〃
	(۵) اسٹیشنری	۴۰۰ 〃
متفرق	(۶) متفرق اور غیر متوقع اخراجات	۵۰۰ 〃
	(۷) جانچ اور جائزہ	۱۰۰۰ 〃
	میزان	۶۳۷۵ 〃

یہ بجٹ یوں تو سروس کے افادے کے لحاظ سے مناسب بلکہ کفایت شعارانہ معلوم ہوتا ہے، لیکن ملک کی معاشی اور مالی حالت پر اور وہ بھی تعلیم کی مد میں، غور کیجئے تو نا قابلِ عمل نظر آئے گا۔ اگر اسی نمونے پر دس دس گاؤں کے یونٹ بنا کر ہندوستان کے پورے پانچ لاکھ گاؤں کے لئے کتب خانے کی سروس قائم کی جائے تو انتظامی اور نگرانی کرنے والے عملے کے خرچ کو نکال کر صرف اس سروس کے اوپر ۳۰ کروڑ روپے سالانہ کا خرچ بیٹھتا ہے۔ کفایت کرتے کرتے خرچ کو نصف بھی کر دیجئے تب بھی ۱۲ سے ۱۵ کروڑ روپے سالانہ۔

تبصرہ

ہندوستانی گاؤں میں تعلیم اور تمدن کی جو کیفیت ہے، اس کے پیشِ نظر اس بائیسکلی گشتی کتب خانے کی سروس بہت غنیمت ہے۔ جہاں تک کتاب پڑھنے کی عادت کا تعلق ہے، وہ تو بڑے بڑے شہروں میں بھی جہاں قدم قدم پر کتب خانے اور ریڈنگ روم میسر ہیں، عام نہیں ہے، گاؤں کا تو ذکر ہی کیا۔ اس چیز کے پیشِ نظر لوگوں تک کتاب پہنچا دینا ہی بہت بڑی خدمت ہے، کتاب پڑھنے کی عادت پیدا کرنا ــــ اگر اس منصوبے میں کامیابی ہو جائے تو اُسے کرامات سمجھنا چاہیئے۔

صورتِ حالات کی اس تلخ حقیقت کو نظر میں رکھیے تو لٹریسی ہاؤس کا یہ تجربہ قابلِ دادو تحسین ہے اور اس سے خلقِ خدا کی تعلیمی و تمدنی خدمت کرنے والے غیر سرکاری اداروں کو سبق لینا چاہیئے۔

رپورٹ اگرچہ ہر اعتبار سے معلومات افزا اور جامع ہے لیکن چند باتوں کی کمی بھی رہ گئی ہے جو بہت کھٹکتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ ہر گاؤں کی اصل آبادی کیا ہے اور اس میں خواندہ یا تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد کتنی ہے تاکہ اندازہ ہوتا کہ اس تجربے اور خدمت کے باب میں لوگوں کی دلچسپی اور اشتراکِ عمل کی کیا کیفیت ہے

لائبریرین کو یہ بھی دیکھتے رہنا چاہیئے تھا کہ کتب خانے کی اس سروس کا بالغ خواندگی کی کلاسوں پر کیا اور کتنا اثر پڑ رہا ہے۔ مثلاً سروس شروع کرنے سے پہلے دیکھ لینا چاہیئے تھا کہ خواندگی کی کلاسوں میں طلبا کی تعداد اور روزانہ حاضری کا کیا اوسط تھا اور سروس شروع کرنے کے بعد ماہ بماہ کیا کیفیت رہی۔ اس سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا کہ جو لوگ پڑھنے سے قاصر ہیں ان میں کتاب پڑھ سکنے کا شوق کتب خانے کی اس سروس سے کس حد تک پیدا ہوا

اسی طرح لائبریرین کی یادداشتوں سے یہ اندازہ بھی ہو سکنا چاہیئے تھا کہ طلبا کی اسکولی تعلیم کے معیار پر اس سروس کا کیا اثر مرتب ہوا، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے لائبریرین کو ہر طالب علم ممبر کا ایک رجسٹر رکھنا پڑتا اور وقتاً فوقتاً اسکولوں میں جا کر ان طلبا کی تعلیمی کیفیت کے بارے میں اساتذہ سے انٹرویو کرنا پڑتا۔

مگر خوشی کی بات ہے کہ لٹریسی ہاؤس نے اس طرح کی تین اور لائبریریاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس سے یہ سروس مزید ۳۰ گاؤں تک پہنچ جائے گی اور مجھے امید ہے کہ ان نئے گاؤں میں ان باتوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔ ایک اور بات ہے جس پر دھیان رکھنے کی ضرورت ہے جا ہے اس کے لئے لٹریسی ہاؤس کو ایک مقررہ شیڈول کے مطابق الگ سے آدمی بھیجنے پڑیں۔ اور وہ یہ کہ اس بات کا اندازہ کیا جائے کہ گاؤں کے پیشہ ور لوگ جو لائبریری سے کتابیں لے کر پڑھتے ہیں اپنے مطالعے سے اپنی معاشی حالت میں کس حد تک بہتری پیدا کر سکتے ہیں اور کر لیتے ہیں اور ان کا مجموعی اثر پورے گاؤں کی سماجی حالت پر کہاں تک پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی ٹیکنیکل یا دھندے کی کتاب کے مطالعے سے وہ کوئی نیا دھندہ شروع کرتے ہیں یا نہیں، سماجی علوم کی کتابوں کے مطالعے سے گاؤں کے مسائل میں مل جل کر غور کرتے ہیں یا نہیں صحت وصفائی کے مطالعے سے ان کی انفرادی اور گاؤں کی مجموعی صحت وصفائی کے معیار میں کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں وغیرہ۔

آخر میں لٹریسی ہاؤس اور اس منصوبے کے انچارج جناب ای۔ سی شا صاحب کو ان کے اس انوکھے اور مفید منصوبے کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

مغرب اور مشرق کو جوڑنے والی
نوجوان رضاکاروں کی ایک ٹیم

اقوام متحدہ نے دنیا کی ترقی اور خوشحالی کا ایک دس سالہ منصوبہ شروع کر رکھا ہے جس کا مقصد ہے دنیا کے بچھڑے ہوئے علاقوں کی ہمہ گیر ترقی کے لئے ڈٹ کر کوشش کرنا۔ اس ڈیولپمنٹ ڈیکیڈ (ترقیاتی دس سال) کے منصوبوں میں کامیابی اسی وقت مل سکتی ہے جب کہ رضاکار اداروں کا تعاون بھی انہیں حاصل ہو۔ اس مقصد سے بین الاقوامی سطح پر رضاکار اداروں کی کوارڈینیٹنگ کونسل نے مارچ ۱۹۶۴ء میں ایک کانفرنس بلائی تھی اس کانفرنس نے جو یونیسکو کے تعاون سے منعقد کی گئی تھی ایک تجویز یہ منظور کی تھی کہ مشرق اور مغرب کی ملکوں کی نوجوانوں کی انجمنیں لمبی مدت کے منصوبوں پر کام کرنے کے لئے رضاکاروں کی خدمات کے باہم تبادلے سے کام کریں۔

مشرق اور مغرب کی نوجوان انجمنوں کے رضاکاروں کی خدمات کے باہم تبادلے کی ایک کہانی یہاں دی جارہی اس کے مصنف پولینڈ کے ایک نوجوان ڈاکٹر ہیں، جنھوں نے الجیریا میں دنیا کے دوسرے ملکوں کے نوجوانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے اپنے تجربات کا ذکر بہت دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ ڈاکٹر بوگدن زابیل نے ستمبر ۱۹۶۴ء سے اپریل ۱۹۶۵ء تک "سروس سیول انٹرنیشنل" کی ایک ٹیم کے ساتھ الجیریا میں سوشل سروس کا کام کیا تھا۔

—— ایڈیٹر

ستمبر ۱۹۷۴ء میں جب ہم اپنے دوست لیسرک وونیز کے ہمراہ الجیریا میں ڈاکٹروں اور نرسوں کی ایک بین الاقوامی ٹیم کے ساتھ کام کرنے کے لیئے پولینڈ سے روانہ ہوئے تو ہمیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ایک بالکل ہی انجان دنیا میں جا رہے ہیں۔

ہم لوگوں کو اس ملک کے بارے میں کچھ تھوڑی بہت واقفیت ضرور تھی اس کی تاریخ اور جغرافیہ کا تھوڑا بہت مطالعہ ہم لوگ کر چکے تھے اور اس ملک کی اقتصادی، سیاسی اور مذہبی مسائل کے بارے میں بھی کچھ معلومات حاصل کر لی تھی، مگر ہمیں یہ بالکل نہیں معلوم تھا کہ ہمیں کن حالات میں اور کن لوگوں کے درمیان کام کرنا ہے۔ ہمیں ان مریضوں کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ کیسے لوگ ہوں گے اور ان کو کس طرح کی دشواریاں درپیش ہوں گی۔ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ "سروس سول انٹرنیشنل" کے کیمپ میں ہمارے ساتھ جو دوسرے لوگ کام کریں گے، وہ کس طبیعت کے لوگ ہوں گے۔

پولینڈ کے گاؤں کے نوجوان منڈل کا ایک سرگرم رکن ہونے کی حیثیت سے میں نے اس کام کو اپنے نوجوان منڈل کا ہی ایک کام تصور کیا تھا۔ اس لئے کہ یہ کام ہمارے علاقے کے نوجوان منڈل نے ہی مجھے سونپا تھا۔ اس احساس سے مجھے بڑی خوشی ہو رہی تھی کہ مجھے افریقہ کے ایک ملک میں کام کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ یہ دکھ بھی تھا کہ میں نے اپنے علاقے میں سماج سیوا کا جو کام شروع کر رکھا تھا اس سے کچھ دن کے لئے کٹ جاؤں گا۔

پولینڈ سے روانہ ہونے کے وقت مجھے اس بات کا احساس نہیں تھا کہ الجیریا میں اپنے ۶ ماہ کے قیام کے دوران مجھے اپنی ڈاکٹری زندگی کے شاید سب سے زیادہ حوصلہ مندانہ تجربے ہوں گے یا یہ کہ اس قیام کے دوران مجھے "سروس سول انٹرنیشنل" کی ٹیم کے ساتھ رات دن کام کرکے بہت کچھ دیکھنے اور سیکھنے کا بھی موقع ملے گا۔ اطلس کے پہاڑوں کے دشوار گذار راستوں کو پار کرنے اور صحارا کے ریگستان کے پاس بسنے والے خانہ بدوشوں کے بکھرے ہوئے خیموں میں اپنے مریضوں کو تلاش کرنے میں نت نئے حالات کا سامنا کرنا اور نئی نئی باتیں سیکھنے کا بے پناہ موقع ملے گا۔

ہماری ٹیم کے ڈاکٹروں اور نرسوں کا کام مغربی الجیریا کے طلمین کے علاقے کے صبیدو ضلع کے لوگوں میں طبی خدمات کا اہتمام کرنا تھا۔ مراقش کی سرحد کے قریب اس لق و دق پہاڑی علاقے کی آبادی تقریباً ۵۰ ہزار نفوس پر مشتمل تھی، اس میں ۹۰ فی صدی خانہ بدوش قبیلے کے لوگ تھے۔ الجیریا کے محکمہ صحت عامہ نے اس ضلع میں پہلے سے آٹھ شفاخانے قائم کر رکھے تھے، جن میں فوری طبی امداد (فرسٹ ایڈ) کا کام کرنے والے ۱۲ آدمی کام کرتے تھے۔ ان کارکنوں کے

پاس اس پیشے کی باقاعدہ کوئی ڈگری وغیرہ نہیں تھی، بس ان کا شوق ہی ان کی سب سے بڑی لیاقت تھی۔ ان لوگوں نے اس سے پہلے ایک ڈاکٹر کے ساتھ کچھ دن کام کر کے کچھ باتیں ضرور سیکھ لی تھیں۔

مگر اب حالات کافی بہتر ہو چکے ہیں۔ اپریل ۱۹۶۵ء میں جب ہم نے صبیدو کو خیرباد کہا تو وہاں ایک تربیت یافتہ ڈاکٹر آنے والا تھا۔

ہماری ٹیم چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ گئی۔ ہر ٹکڑی میں ایک ڈاکٹر اور ایک نرس تھی۔ ہر ٹکڑی ہفتے میں دو دن ضلع کی ڈسپنسری میں کام کرتی تھی۔ جلدی ہی ہم لوگوں نے ایک پہاڑی گاؤں سیدی لاربی میں ایک الگ شفاخانہ بھی قائم کر دیا۔ ہم لوگوں نے ایک شفاخانہ اور بھی قائم کیا، جو ہفتے میں دو دن کھلتا تھا۔ ان کے علاوہ "سروس سول انٹرنیشنل" کے ماتحت بچوں کی نگہداشت کا ایک مرکز بھی چلتا تھا۔

خانہ بدوشوں کے درمیان فرسٹ ایڈ کا کام

جب ہم لوگ یہاں آئے تھے اس وقت سروس سول انٹرنیشنل کی ٹیم پورے ضلع میں پھیل کر کام کر رہی تھی — طلمبین، صبیدو، سیدی لاربی اور انجس کے علاقے میں۔ اپنی کارکردگی کو بڑھانے کی غرض سے ہم نے اپنی ٹیم کا کام بیشتر صبیدو میں مرکوز کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دسمبر تک ہم نے ۲ نوجوانوں کو، جن میں دو لڑکیاں بھی شامل تھیں، ٹریننگ دے کر اس قابل بنا دیا کہ وہ خانہ بدوشوں کی بستیوں میں فرسٹ ایڈ کا کام کرنے والوں کے مددگار کی حیثیت سے کام کر سکیں۔ جنوری تک ہمارا کام اتنا پھیل گیا کہ ہم لوگ پورے ضلعے میں ٹریننگ پروگرام شروع کرنے کے قابل ہو گئے۔ ہم لوگوں نے اپنے کام کی از سر نو تنظیم کی اور کام کی تقسیم اس طرح کی گئی کہ ہم الارج کی ڈسپنسری میں بھی، جہاں ابھی ہم لوگ اپنی خدمات نہیں دے سکے تھے، وقت دینے لگے۔ اس کے علاوہ اب ہم لوگ صبیدو کے درجنوں مریضوں کو روزانہ دیکھ سکتے تھے اور ان کی خبر گیری کر سکتے تھے۔

صحت اور صفائی کی تعلیم کا پروگرام

بستی کے لوگوں میں صحت اور صفائی کی تعلیم کا پروگرام شروع کرنے کے لئے ہم لوگوں نے پندرہویں دن لیکچر اور عملی مظاہرے کا پروگرام شروع کیا۔ یہ کام ہم نے عورتوں کی مقامی انجمن کے تعاون سے شروع کیا تھا۔ ہم نے اپنے اس پروگرام کا نام "صحت کا اسکول" رکھا۔ یہ نام ہم نے اپنے وطن کے دیہاتی نوجوان منڈل کے ایک پروگرام سے

اخذ کیا تھا جہاں اسی نام سے صحت کی تعلیم کا پروگرام ہم لوگوں نے چلا رکھا تھا۔

ہمارے لیکچروں میں صبیدہ کی عورتوں کی پوری آبادی شریک ہونے لگی۔ ہر دفعہ ۲۰۰ سے ۳۰۰ تک عورتیں جمع ہو جاتیں یہ تعداد ہماری توقع سے کوئی دس گنا زیادہ تھی۔ عرب ممالک میں عورتوں کی جو حالت ہے اسے دیکھتے ہوئے ہماری یہ کوشش بہت کامیاب کوشش تھی۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ صحت و صفائی، غذا اور بچوں کی غذا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی لوگوں میں کتنی زبردست خواہش ہوتی ہے۔

ہمارا کام مشکل ضرور تھا مگر سودا مہنگا نہیں تھا۔ ان لوگوں کے درمیان کام کرنے سے پہلے میں نے کبھی یہ محسوس ہی نہیں کیا تھا کہ میں دوسروں کے لئے کبھی اتنا مفید بھی ثابت ہو سکتا ہوں، اس لئے کہ ان لوگوں کو زندگی میں کچھ بھی تو میسر نہیں تھا۔ ہمارے کام کی ان لوگوں نے دل سے قدر کی۔ جہاں ہم جاتے لوگ کھلے دل سے ہمارا خیر مقدم کرتے۔ ہمیں اپنے یہاں بلاتے اور خوب خاطر مدارات کرتے۔ مقامی افسر بھی ہمیں تعاون دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ہم نے طلیمسین میں بہت سے الجیریائی نوجوانوں اور نوجوان کارکنوں سے دوستی پیدا کر لی۔ صبیدہ میں ہمارے گھر کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہوئے تھے خواہ وہ ہمارے مریض ہوں یا دوسرے الجیریائی دوست۔

جہاں تک ہماری ٹیم کا تعلق ہے وہ صحیح معنی میں بین الاقوامی ٹیم تھی۔ اس کے ممبروں میں انگلینڈ، بلجیم، فرانس، مغربی جرمنی، پولینڈ اور الجیریا کے نوجوان رضاکار شامل تھے۔ یہ سب الگ الگ زبانوں کے بولنے والے، الگ الگ مذہب کے ماننے والے اور مختلف نظریۂ حیات کے حامل تھے۔ ہمیں ایک دوسرے سے علاحدہ کرنے والی بہت ساری باتیں تھیں مگر خدمتِ خلق کا جذبہ اور کچھ کرنے کا شوق ہمیں ایک دوسرے سے باندھے ہوئے تھا۔

ایک خاندان کی طرح

ہم میں سے ہر ایک نے پورے انہماک سے کام کیا اور اپنا پورا پورا حق ادا کیا۔ اس سے ایک دوسرے کی عزت کرنے اور میل محبت سے کام کرنے کی فضا پیدا ہوئی۔ ہماری ٹیم بے تکلف دوستوں کی ایک انجمن تھی جو ایک دوسرے پر پوری طرح اعتماد کرتی تھی۔ ہماری رائے میں اختلافات بھی ہو جاتے تھے مگر وہ اسی طرح جیسے ایک خاندان کے اندر ہوتا ہے۔ یہ اختلافات کبھی کبھی بہت شدید ہو جاتے تھے۔ مگر ان کی وجہ سے کسی طرح کی کوئی تلخی نہیں پیدا ہوئی۔ نہ ہم لوگوں میں بہت اچھا دوستانہ سلوک پیدا ہو گیا تھا جس سے کہ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی بنیاد مضبوط سے

مضبوط ہوتی گئی۔ مگر اس سے کبھی یہ نہیں ہوا کہ کسی کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے سیاسی یا کوئی اور نقطۂ نظر کو چھوڑ دے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کی ٹیم جس کے ممبر مختلف ملکوں کے رہنے والے اور مختلف سیاسی اور مذہبی عقائد کی نمایندگی کرنے والے ہوں، بقائے باہم کی جانچ کی اصل کسوٹی قرار دی جا سکتی ہے۔ اس معیار پر طلیمین کا تجربہ بہر حال بہت ہی کامیاب اور حوصلہ افزا ثابت ہوا۔

ہمارے ذہن میں فوراً ایک خیال یہ ابھرتا ہے کہ ہمیں اس طرح کے اشتراک وتعاون کی فضا نہ صرف یہ کہ قائم رکھنی چاہیے بلکہ انھیں بڑھاوا بھی دیتے رہنا چاہیے۔ دنیا میں نوجوانوں کی یوں تو سیکڑوں اور ہزاروں انجمنیں ہیں مگر ان میں سے کچھ انجمنوں کو مشرقی اور مغربی ممالک کے نوجوانوں میں قریبی اور پر خلوص تعلق قائم کرنے میں واقعی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ جہاں اس طرح کے تعلقات قائم ہوگئے ہوں، وہاں انھیں اور زیادہ مضبوط بنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ہمیں کچھ ٹھوس تدبیریں ڈھونڈ لینی چاہئیں۔ یہ سودا خواہ اس کی ہمیں کتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑے کبھی مہنگا نہیں ثابت ہوگا۔

(یونیسکو)

گاؤں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کیلئے ووٹروں کی تعلیم

دہلی ریلوے اسٹیشن سے نریلا جانے والی سڑک پر بڑھتے چلے جائیے سبزی منڈی اور یونیورسٹی کے مشغول بازاروں اور فیشن ایبل بستیوں سے بہت آگے اتنا آگے کہ پکی سڑک کے دونوں طرف پھیلے ہوئے گاؤوں کے پکے مکانوں کے چاروں طرف کچی اور کیچڑ سے اٹی ہوئی گلیاں اور نالیاں نظر آنے لگیں اور کھیت کھریان اور ڈھور ڈنگر کے مناظر آپ کے ذہن سے دلّی جیسے بڑے شہر کی چہل پہل سے بھرپور زندگی کے تصور کو بھی دور کر دیں تو آپ کو ایک قصبہ نما گاؤں ملے گا، پوٹھ خورد۔ اسی پوٹھ خورد میں ادھر چند ہفتے سے "ووٹروں کی تعلیم" کے نام سے ایک دلچسپ تجربہ شروع کیا گیا ہے۔ ووٹروں کی تعلیم کے اس پروگرام کا رسمی افتتاح ابھی کچھ دنوں پہلے ہوا تھا۔ اس مقصد سے رکشابندھن کے دوسرے دن گاؤں والوں کی ایک سبھا ہوئی۔ سڑک کے کنارے بیج گودام کے صحن میں یہ سبھا بلائی گئی تھی، ہلکی پھوار پڑ رہی تھی اور قریب ہی ڈھول اور نگاڑے سے گونجتی ہوئی فضا میں گاؤں کا دنگل ہو رہا تھا۔ اتوار کا دن تھا، اس لئے شہر میں کام کرنے والے تمام لوگ بھی موجود تھے۔

وقت کی پابندی کے خیال سے دنگل کے ختم ہونے سے پہلے ہی سبھا کی کارروائی شروع کر دی گئی مگر اس سبھا سے یہ نہ سمجھئے گا کہ اس کے لئے کوئی وزیر، ممبر پارلیامنٹ یا کوئی بڑا سرکاری افسر بلایا گیا ہوگا جس کے سامنے پروگرام کا خاکہ پیش کر کے اس سے امداد کی یقین دہانی چاہی گئی ہوگی۔ اس جلسے کے صدر ایک سوامی جی تھے۔ گیروا دستر دھارن کئے ہوئے، یہ مہاتما گاؤں والوں کے لئے بالکل انجان نہیں تھے، انھوں نے اس پروگرام کو اخلاقی تعاون دینے کا یقین دلایا۔

جلسے میں گاؤں کے نوجوان، بچے اور بوڑھے سب طرح کے لوگ شریک تھے۔ بولنے والے بھی سب کے سب اسی علاقے کے رہنے والے تھے۔ ان میں اسکول ماسٹر بھی تھے اور پوسٹ آفس میں کام کرنے والے بھی، کسان اور چودھری بھی تھے اور پنڈت اور وید بھی اور جنگ آزادی کی یاد کو تازہ کردینے والے پرانے انقلابی بھی۔

ووٹروں کی تعلیم کے اس پروگرام کے افتتاحی جلسے میں بچے کافی تعداد میں شریک ہوئے تھے، دو ایک بچوں نے اس پروگرام میں حصّہ بھی لیا۔ ان بچوں کے سینے پر بیج لگے ہوئے تھے جن پر "گاندھی" اور "ٹیگور" جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔ لڑکے اس بیج کو پاکر بہت خوش تھے۔ گاؤں کے نوجوانوں نے سارا پروگرام خود ہی ترتیب دیا تھا، جس میں کسی سیاسی یا دوسری پارٹی سے کسی طرح کی مدد نہیں چاہی گئی تھی۔ ان لوگوں کا نعرہ تھا کہ گاؤں کے لوگ اپنی سیاسی طاقت کو سمجھیں اور دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا نہ بنیں۔ یہ پروگرام آیندہ کیا شکل اختیار کرے گا، اس سلسلے میں اس پروگرام کے روح رواں شری شالگ رام پتھک نے جلسے میں بتایا کہ "میرا خاص کام تو یہ تھا کہ میں گاؤں کے نوجوانوں اور دوسرے حوصلہ مند لوگوں کو اس بات کے لیے تیار کردوں اور انھیں ایک جگہ جمع کردوں کہ وہ ان مسئلوں پر سوچیں۔ یہ پروگرام آیندہ کس طرح جاری رہے یہ آپ لوگوں کو سوچنا ہے اگر میری مدد آپ لوگ چاہیں گے تو میں ہر وقت حاضر ہوں"۔

اس سبھا کے دو چار دن بعد ادارۂ تعلیم و ترقی میں سوشل ایجوکیشن کے میدان میں کام کرنے والوں کی ایک بے تکلف صحبت ہوئی جس میں ادارے کے کارکنوں کے علاوہ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے دو عہدہ دار ڈاکٹر ایچ۔ بی سکسینہ اور شری نذیر انصاری بھی شامل تھے، پتھک جی نے اس پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انھوں نے فرمایا کہ "ووٹروں کی تعلیم" کا پروگرام شروع کرنے کا خیال بہت دنوں سے میرے دماغ میں چکر لگا رہا تھا ایک بار میں نریلا سے دہلی آرہا تھا کہ پوٹھ خورد گاؤں میں سڑک کے کنارے مجھے ایک بورڈ دکھائی دیا جس پر لکھا ہوا تھا "آزادی کے سپاہیوں کا آشرم"۔ اس آشرم سے نہ جانے کیوں میں نے دل ہی دل میں بہت سی امیدیں وابستہ کرلیں۔ ایک دو بار میں اس گاؤں میں گیا۔ اپنے ساتھیوں کو بھی بھیجا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ "ووٹروں کی تعلیم" کا جو تجربہ میں کرنا چاہتا ہوں یہاں اس کے لیے کافی موقع ہے۔

نظریاتی بنیاد:-

گاؤں کو نظر انداز کرنے کا رجحان آج عام ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی روک اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ گاؤں

والوں میں سیاسی بیداری ہو۔ انھیں معلوم ہو کہ ملک کی تعمیر و ترقی میں گاؤں کی کتنی اہمیت ہے اور انھیں ان لوگوں سے جو ملک کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں، اس تعمیر و ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے کیا مطالبہ کرنا ہے۔ ٹھک جی نے بتایا کہ "دیہی علاقوں میں ووٹروں کی تعلیم" کا میرے نزدیک یہی بنیادی مقصد ہے۔" ووٹروں کی تعلیم کا نعرہ سب سے پہلے جے پرکاش نرائن نے دیا تھا۔ انھوں نے ۱۹۵۶ء میں جب گاؤں کی تعمیر و ترقی کے کاموں میں لگے ہوئے رضاکار اداروں کا "اوارڈ" کے نام سے ایک متحدہ محاذ بنانے کی تحریک کی حمایت کی تھی اس وقت ان کے ذہن میں یہی بات تھی کہ گاؤں کی تعمیر و ترقی کا اپنا ایک محاذ ہونا چاہیئے جو تعمیر و ترقی کے معاملے میں گاؤں کو نظر انداز کئے جانے کے رجحان کو روک سکے۔ پنچایت راج کی حمایت بھی وہ اسی بنیاد پر کرتے رہے ہیں کہ گاؤں کا اندرونی سنگھٹن کافی مضبوط ہونا چاہیئے اسی پس منظر میں انھوں نے "ووٹروں کی تعلیم" اور "ووٹرس کونسل" کا خیال پیش کیا تھا۔ اس وقت پارلیامنٹ میں تو مخالف گروپ موجود ہے مگر ضرورت ہے کہ عوام میں اس طرح کا مخالف گروپ پیدا کیا جائے یعنی ہر سطح پر مضبوط رائے عامہ کی تشکیل کی جائے۔

سیاسی تعلیم:-

اس سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے ٹھک جی نے فرمایا کہ "بڈھ خورد میں جو پروگرام شروع کیا گیا ہے وہ شہریت کی تعلیم تک ہی محدود نہیں ہوگا۔ میں بلا خوف و خطر کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایسا کام ہے جس کے ڈانڈے سیاست سے جا ملتے ہیں پر بلاشبہ سیاسی تعلیم ہرگز نہیں ہے میں اسے سیاست بازی کی عینک سے نہیں دیکھتا، میں تو اسے عوامی تعلیم کے ایک وسیلے کی حیثیت سے ہی دیکھتا ہوں۔"

ایک دلچسپ مباحثہ

ٹریڈ یونین کی اسپرٹ:-

ووٹروں کی تعلیم کے پروگرام کے بارے میں اس ابتدائی گفتگو کے بعد سوشل ایجوکیشن کے ساتھ اس پروگرام کے تعلق پر بحث چل پڑی تو ٹھک جی بول اٹھے کہ "خواندگی کو ہی آج کل اڈلٹ ایجوکیشن کا بنیادی کام قرار دیا جاتا ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں۔ مگر جب میں دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ لٹریسی کے ہر کام

کے لئے ہم لوگوں نے جو سرکار سے ہی سب کچھ کرنے کی امید قائم کر رکھی ہے وہ غلط ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آج وسائل فراہم کرنے کی ذمہ داری حکومت پر ہے مگر حکومت سے مطالبہ کرنا بھی کسی کی ذمہ داری ہے۔ صرف سرکاری امداد سے لٹریسی پروگرام چلانے کا نتیجہ سو فی صدی خواندگی کی شکل میں نکل ہی نہیں سکتا ہے۔ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ عوامی تعلیم کا پروگرام اسی وقت کامیاب ہوا ہے جب اس کے لئے عوام نے خود مطالبہ کیا ہے۔ مغرب کے ملکوں میں لٹریسی اور عوامی تعلیم کا مطالبہ کرنے میں ٹریڈ یونینیں آگے آگے رہی ہیں ٹریڈ یونین کی اسپرٹ پیدا کئے بغیر یہاں بھی کامیابی ممکن نہیں ہے۔ مختصراً میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ "ووٹروں کی تعلیم" کا میرا یہ پروگرام گاؤں والوں میں ٹریڈ یونین کی اسپرٹ پیدا کرنے کے لئے ہے"

گاؤوں کی تعمیر وترقی کے منصوبے:

یہ اسپرٹ صرف لٹریسی کا ہی مطالبہ نہیں کرے گی بلکہ وہ لٹریسی کی تحریک کو بھی ایک بامعنی شکل دے دے گی معاشی اور سماجی ترقی سے وہ اس کا ناطہ جوڑ دے گی۔ آج شہر والے سیاست کی دنیا پر چھائے ہوئے ہیں، اسی لئے گاؤوں کی تعمیر وترقی کے پروگرام کو وہ اہمیت نہیں مل پا رہی ہے جو اسے ملنی چاہیئے تھی۔ آج گاؤوں میں یہی احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ ملک کی تعمیر وترقی کے منصوبوں میں گاؤوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ یہ کام دیہی علاقے کے ووٹروں کے کرنے کا ہے۔ اس لیے کہ ان کے ہاتھ میں ایک زبردست سیاسی قوت موجود ہے۔ اگر وہ اس قوت کا دانشمندی سے استعمال کریں تو ملک کے تعمیری منصوبوں میں گاؤوں کو نظر انداز کرنے کا رجحان ختم ہو جائے۔ کچھ مثالیں دے کر میں یہ بات صاف کر سکتا ہوں۔

آج جتنی سیمنٹ تیار ہو رہی ہے اس کا بیشتر حصہ شہروں کی تھوڑی سی آبادی میں کھپ جاتا ہے جب کہ گاؤں والوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسی طرح تعلیم کا معاملہ ہے۔ گاؤں کے اسکولوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ٹیچر، اسکول بلڈنگ اور طالب علم اور کلاسوں کا ساز وسامان سب گھٹیا درجے کا۔ یہ سب اور اسی طرح کی دوسری بہت سی باتیں ہیں جن کا مطالبہ گاؤں والوں کو بہت شدت کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ اور یہ سمجھ کر کرنا چاہیئے کہ یہ ان کا حق ہے۔ یہی سیاسی بے داری پیدا کرنا "ووٹروں کی تعلیم" کا مقصد ومدعا ہے۔

تعلیمی پروگرام کے تقاضے

شری نذیر انصاری :۔ "ٹھک جی، یہ تو بتائیے کہ وہ کیا ٹھوس باتیں ہیں، جن کی تعلیم آپ ان ووٹروں کو دینا چاہتے ہیں؟ اس لئے کہ آپ نے اسے تعلیم کا پروگرام سمجھ کر ہی شروع کیا ہے اور تعلیم کے پروگرام کے اپنے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے ایک واضح مقصد اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے طریق کار کا ایک متعین خاکہ ہوتا ہے اور کسی نہ کسی شکل میں موٹے طور پر ایک نصاب بھی ہوتا ہے۔

ٹھک جی :۔ تعلیمی پروگرام میں منصوبہ بندی، طریق کار اور نصاب تعلیم وغیرہ کی جو اصطلاحیں رائج ہیں، ان معنوں میں نہ تو میرے سامنے کوئی منصوبہ ہے اور نہ کوئی نصاب تعلیم۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اگر کوئی نصاب بننا ہے تو گاؤں کے لوگ خود بنائیں، میں ان کے اندر یہ احساس پیدا کر دینا چاہتا ہوں کہ گاؤں کے لوگ خود اپنی سیاسی قوت کو سمجھیں اور سوچ سمجھ کر اس کا استعمال کریں، اگر میں انھیں کوئی بنا بنایا پروگرام دوں گا تو وہ میرے مفروضے کے ہی خلاف ہوگا۔ یہ پروگرام ایک ٹھوس شکل ضرور اختیار کرے گا۔ میرے ذہن میں بھی کچھ باتیں ہیں۔ مگر یہ رفتہ رفتہ ہوگا، گاؤں والوں کی اپنی ضرورت کے احساس کے مطابق۔

شہروں سے نفرت کا جذبہ :۔

نذیر انصاری صاحب :۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پروگرام کی ساری توجہ گاؤں والوں میں شہر سے نفرت پیدا کرنے کی طرف ہے۔

سکسینہ صاحب :۔ جی ہاں اس (APROACH) COOPRATIVE APROACH نہیں کہہ سکتے اسی لئے مجھے ڈر ہے کہ یہ پروگرام شہروں کے خلاف گاؤں والوں کے جذبات کو بھڑکانے کا وسیلہ نہ بن جائے۔

ٹھک جی :۔ کیا حرج ہے! ہم نفرت ہی تو پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر وہ نفرت شہر والوں کے خلاف نہیں ہوگی بلکہ سوروکن کے الفاظ میں شہری تہذیب کے خلاف ہوگی۔ شہری زندگی کی برائیوں کے خلاف ہوگی جسے گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور انسانی زندگی کے لئے پھوڑے کی طرح خطرناک کہا کرتے تھے۔

نذیر انصاری صاحب :۔ مگر اس فرق کو سب لوگوں کو سمجھانا بہت دشوار ہے

ایک خطرہ :۔

سکینہ صاحب : جی ہاں! مگر ایک اور خطرہ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ "دنیا بھر کے گاؤں والو ایک ہو جاؤ" قسم کا نعرہ لگا کر آپ گاؤں والوں میں سر دست جوش تو پیدا کر سکتے ہیں مگر بعد میں اس سے تکلیف بھی ہوگی۔ اس لئے کہ ہم اس طرح ایک خطرے کو بھی دعوت دیتے ہیں۔

بٹھک جی :۔ مگر خطرناک کام کے بغیر گذر بھی نہیں ہے۔

سکینہ صاحب : ۔آزادی کی لڑائی کے زمانے میں ستیہ گرہ کا طریقہ بہت کارگر ثابت ہوا تھا۔ مگر آج اس کا بہت غلط استعمال ہو رہا ہے۔ آپ نے یہ پروگرام جس ڈھنگ پر شروع کیا ہے کہیں آپ کو واپس نہ لوٹنا پڑے۔

بٹھک جی :۔ کسی آندولن کے لئے لوگوں کو تیار کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان میں اس سے مخالف دھار دھارا کی طرف سے نفرت پیدا کی جائے۔ انگریزوں سے نفرت پیدا کئے بغیر جنگ آزادی ایک دن بھی نہیں چل سکتی تھی۔ اسی طرح اس معاملے میں بھی سوال اس کا ہے کہ اس نفرت کا استعمال کس انداز پر کیا جاتا ہے۔ ہم حکومت کے خلاف نفرت نہیں پیدا کرنا چاہتے بلکہ حکومت کے طریقے کے خلاف نفرت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم شہر کے لوگوں کے خلاف نہیں شہری زندگی کی برائیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

ایک دوسرا خطرہ :۔

سکینہ صاحب :۔ مگر شہری زندگی میں کچھ اچھی باتیں بھی تو ہیں۔ خیر اس کو چھوڑیئے۔ مجھے تو ایک اور خطرہ بھی نظر آتا ہے وہ یہ کہ آپ کی اس APROACH میں احتجاجی رنگ غالب ہے۔

بٹھک جی :۔ سو فی صدی ہے۔

سکینہ صاحب :۔ مگر کسی پروگرام میں احتجاجی رنگ جتنا غالب ہوتا ہے اس میں تعمیری اور تخلیقی پہلو اتنا ہی دب جاتا ہے۔

بٹھک جی :۔ اچھا کیا جو آپ نے یہ سوال کر لیا۔ میری اپروچ میں احتجاجی رنگ ضرور ہے۔ مگر اس میں ایک تعمیری پہلو بھی ہے۔ احتجاج کو آگ سے تشبیہ دینا غلط نہ ہوگا۔ ہم نے اس آگ کا استعمال ہانڈی پکانے کے لئے

گیا ہے ورنہ کہ اس صورت میں کہ ہانڈی ہی چولہے سے اڑا دے۔ میں نے گاندھی جی کا نام ان لوگوں کے سامنے بار بار رکھا ہے اور یہ نعرہ دیا ہے۔ لوگوں کو گاندھی جی کے آدرشوں کو سمجھنا چاہیئے اور اپنے منتخب نمایندوں سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ گاندھی جی کا صرف نام نہ لیں بلکہ ان کے پیغام کے مطابق گاؤں کی بہبودی و بہتری کے لئے کام بھی کریں۔

سکینہ صاحب:- شروع میں نذیر انصاری صاحب نے مقصد کی وضاحت کی بات کہی تھی۔ بات سمجھ میں بھی آتی ہے کہ کوئی بھی پروگرام ہو اس کے سامنے کوئی واضح مقصد ضرور ہوتا ہے۔ آپ گاؤں والوں میں سیاسی بیداری پیدا کر کے انھیں گاندھی جی کے آدرشوں کا سبق دینا چاہتے ہیں۔

پاٹھک جی:- نہیں میں نے گاندھی جی کا نام ضرور لیا ہے اور ان کی بتائی ہوئی موٹی موٹی کچھ باتیں بھی گاؤں والوں کے سامنے رکھی ہیں۔ مگر میں نے یہ نام اس لئے لیا ہے کہ گاندھی جی کی حیثیت عوام میں ایک آدرش پرش کی ہے۔ اور اس نام پر لوگوں کو بھروسہ بنا ہوا ہے۔ میں نے ان کا نام لے کر گاؤں والوں میں ایک چنگاری پھینکی ہے کہ وہ اس سے گرمی حاصل کریں۔ ان میں گاؤں کی حالت کو بہتر بنانے کی تڑپ پیدا ہو جائے میرا مقصد کبھی یہ نہیں ہے کہ میں گاؤں والوں کو اور تمام سیاسی دھاروں سے کاٹ کر گاندھی واد کی طرف لے آؤں۔ یہ میرا کام نہیں ہے۔ میں اب یہ کر رہا ہوں کہ ہر مکتبِ خیال کے لوگوں سے مل رہا ہوں۔ ان کی رائے اور حمایت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس گاؤں میں ٹیچروں کی خاصی بڑی تعداد ہے یہ لوگ اپنا ایک اسٹڈی سرکل بنانے جا رہے ہیں۔

گاؤں میں جس دن سبھا ہوئی تھی اس دن دہلی کے محکمۂ تعلیم کے نیکی رام گپتا اور چترویدی جی بھی تماشائی کی حیثیت سے سبھا میں پہنچے تھے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف بیسک ایجوکیشن کے ڈائرکٹر مسٹر مجومدار نے تو گاؤں کے کچھ اسکولوں کو بھی دیکھا۔ اور لوگ بھی دلچسپی لے رہے ہیں۔ سبھا کرنے سے پہلے ایک دن دتہ جی بھی گاؤں میں گئے تھے سب نے کچھ نہ کچھ امیدیں قائم کی ہیں اور کچھ اندیشے بھی ظاہر کئے ہیں۔ کام مشکل ضرور ہے مگر میں مایوس نہیں ہوں۔

نذیر انصاری صاحب: خدا کرے آپ اس میں کامیاب ہوں۔ مگر میرا تجربہ ہے کہ گاؤں میں کسی بھی طرح کا کوئی پروگرام شروع کیا جاتا ہے تو وہ گاؤں کی گندی سیاست کا شکار ہو جاتا ہے۔ آپ کا کام تو اور بھی مشکل ہے اس لئے کہ یہ تو سیاست کی تعلیم سے متعلق ہے۔

سرپنچ کا خواندہ ہونا ضروری

سری نگر میں ۲۴ سے ۲۷ جولائی تک کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور پنچایتی راج کی سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی اور اس کانفرنس کے بعد کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور پنچایتی راج کے ریاستی وزیروں کی کانفرنس ۲۸ اور ۲۹ جولائی کو اسی جگہ منعقد ہوئی۔ وزیروں کی کانفرنس نے کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور پنچایتی راج کی سالانہ کانفرنس کے فیصلوں اور تجویزوں پر غور کیا اور ان کی بنیاد پر اپنی تجویزیں تیار کیں۔

دوسرے فیصلوں کے ساتھ ایک فیصلہ اس سال یہ بھی کیا گیا کہ پنچایتوں کے سرپنچ اور پنچایت سمتی اور ضلع پریشد کے ممبروں اور عہدہ داروں کے لئے اس حد تک خواندگی ضروری قرار دے دی جائے کہ وہ مقامی زبان لکھنا پڑھنا ضرور جانتے ہوں۔ گاؤں پنچایت کے سرپنچوں، اور پنچایت سمتی اور ضلع پریشد کے ممبروں اور عہدہ داروں کی موجودہ ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے یہ شرط بہت ضروری ہے۔ ایک بالکل ہی ناخواندہ آدمی یہ کس طرح سمجھ سکے گا کہ پنچایت کے کاغذ وغیرہ میں کیا باتیں لکھی ہیں، جن پر کہ اسے فیصلہ کرنا ہے یا ان کی پابندی کرنا ہے۔

وزیروں کی کانفرنس نے اس کے علاوہ دستور کی دفعہ نمبر ۴۰ میں جہاں "گاؤں پنچایت" کا ذکر آیا ہے وہاں اس کی اس طرح وضاحت کرنے کے متعلق کہ اس کے ماتحت پنچایت سمتی اور ضلع پریشد بھی شامل ہو جائے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر اس ترمیم کو تسلیم کرنے میں کوئی قانونی دشواری نہ ہو تو صلاح کار کمیٹی کا یہ فیصلہ ریاستی حکومتوں کے پاس غور کرنے کے لئے بھیج دیا جائے۔

انتخابات کے طریق کار اور دوسری انتخابی کارروائیوں کو کانفرنس نے ریاستی حکومتوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ علاقائی ضرورتوں اور حالات کے پیش نظر مناسب فیصلے کریں۔

Registered No D 1126

THE MONTHLY TALIM-[illegible]

AUGUST 196[illegible]

[illegible]

Printed and [illegible]

تعلیم و ترقی

(سوشل ایجوکیشن کا رسالہ)

ادارہ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

ستمبر ۱۹۶۵ء

جلد ۱۶ شمارہ ۹

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر:۔

تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

سالانہ چندہ چار روپے فی پرچہ ۳۷ پیسے

ٹیلیفون ۷۲۴۴۴

ترتیب

رفتارِ کارواں

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے یونین پریس جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

آہ!

اقتدار کی لامرکزی تنظیم (پنچایتی راج)

کے مصنف

شری بلونت رائے مہتا دنیا سے چل بسے

ملک کے اوپر پاکستانی جارحیت اور چینیوں کی شرانگیزی کی مصیبت ہی کیا کم تھی کہ اسی اثنا میں تعمیر و ترقی کا ایک ممتاز معمار بھی اُس سے چھن گیا۔ شری بلونت رائے مہتا جو اقتدار کی مشہور لامرکزی تنظیم یعنی پنچایتی راج کی اسکیم کے مصنف اور گذشتہ دو سال سے گجرات کے وزیرِ اعلیٰ تھے، ۱۹ ستمبر کو ہوائی جہاز کے ایک حادثے کا شکار ہو گئے غالب گمان ہے کہ ان کے جہاز کا یہ حادثہ پاکستانیوں کے ہوائی حملے کا نتیجہ تھا۔ انسان کا تہذیب و تمدن کے اس ترقی یافتہ دور میں اس درجہ درندگی پر اتر آنا کہ سواری کے ایک نہتے ہوائی جہاز کو گولیوں کا نشانہ بنائے، بزدلی، تو کہا جا سکتا ہے، سپاہیانہ فراخ حوصلگی سے اُس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

سورگیہ شری بلونت رائے مہتا کا یوں تو جنگِ آزادی کے اُن جانباز سپاہیوں میں شمار ہوتا تھا جو گاندھی جی اور جواہر لال نہرو کے دوش بدوش آزادی کے لیے لڑے تھے، مگر ہم لوگ جو سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے میدان میں کام کرتے ہیں، ان کے نزدیک سورگیہ بلونت رائے مہتا کی حیثیت خضرِ راہ کی تھی جس نے دیہی ترقی کے بھٹکے ہوئے قافلے کو صحیح راہ پر لگایا۔

ترقی کے پنجسالہ پلانوں کا سلسلہ ۱۹۵۱ء میں شروع ہوا تھا اور تھوڑے ہی عرصے میں ملک کے مختلف پروگراموں کا جال سا بچھ گیا۔ لیکن تین چار سال کے کام کے نتیجے کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کام میں سُست رفتاری اور کارکردگی کی وجہ سے نقصان ہو رہا ہے۔ اس صورتِ حال کو روکنے اور پلان کے پروگراموں میں تیز رفتاری پیدا کرنے کے مقصد سے حکومتِ ہند نے ۱۹۵۶ء کے آخر میں پلان کے تمام پروگراموں کا معائنہ کرانے کے لیے

ایک مخصوص کمیٹی مقرر کی جس کے صدر سابق وزیر داخلہ سورگیہ پنڈت گوند بلبھ پنت تھے۔ اس کمیٹی نے اپنی سہولت کے لیئے پلان کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کی غرض سے علیحدہ علیحدہ کمیٹیاں مقرر کردی تھیں۔ ان میں سے ایک کمیٹی کمیونٹی ڈیولپ منٹ پروگرام سے متعلق تھی جس کے صدر شری بلونت رائے مہتا تھے۔ پنچایتی راج کی اسکیم جسے سیاسی اصطلاح میں اقتدار کی لامرکزی تنظیم کہتے ہیں، سورگیہ شری بلونت رائے مہتا کی رہنمائی میں اسی کمیٹی کے غور و فکر کا نتیجہ تھی۔ اسے مختلف ریاستوں نے اپنے اپنے مخصوص حالات کی روشنی میں معمولی ادل بدل کے ساتھ قانون بنا کر نافذ کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمیونٹی ڈیولپ منٹ کی گاڑی تیزی کے ساتھ آگے کو چل پڑی۔

شری بلونت رائے مہتا اُس وقت پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ اس انقلابی اسکیم کے منظور ہو جانے کے بعد بھی وہ اُسے صحیح روپ دینے کے لیئے برابر کوشش کرتے رہے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اس اسکیم کے ارتقا کا معاملہ اگر صرف سرکار کے اوپر چھوڑ دیا گیا تو شاید اس کی باڑھ سست پڑ جائے اس لیئے انھوں نے اس مقصد کے لیئے ایک خالصتہً غیر سرکاری ادارہ "آل انڈیا پنچایت پریشد" کے نام سے بنایا تاکہ وہ آزادانہ طور پر حکومت کو اس اسکیم کے ڈیولپ منٹ اور ارتقا کے باب میں مشورہ دیتا رہے۔ اس پریشد کے پہلے صدر بھی وہی تھے۔

ادارہ تعلیم و ترقی سورگیہ مہتا صاحب کی پاک روح کو اپنی عقیدت مندی کے پھول پیش کرتا ہے۔ ان کی اور ان کی اہلیہ محترمہ کی (جنھوں نے انھی کے ساتھ حادثے کا شکار ہو کر صحیح معنی میں رفیقۂ حیات ہونے کا بے مثال نمونہ پیش کیا ہے) بے وقت وفات پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور ان کے پس ماندگان کے غم و اندوہ میں ان کا شریک ہے۔

ہم کیا کریں

جنگ بہت بُری چیز ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ لیکن جنگ سر پہ آ ہی جائے —— جیسا کہ موجودہ انڈو پاک جنگ ہے جو ہمارے اوپر تھوپ دی گئی ہے —— تو پھر اس کی طرف سے بے خبر رہنا اور بے خبر رکھنا اس سے بھی بُرا ہے۔

ایک زمانہ وہ تھا جب جنگیں سپاہیوں سپاہیوں میں ہوتی تھیں۔ جنگ آزما بادشاہتوں کے ملکوں کے عوام کا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا؛ اور نہ عام طور پر فوجیں رعایا کی جان و مال کو تباہ کرتی تھیں۔ ایک فوج دوسری فوج کا محاصرہ بھی کرتی تھی تو صرف اس غرض سے کہ محصور فوج کو سامان رسد نہ پہنچ سکے، اور وہ بھوک، پیاس سے تنگ آ کر ہتھیار ڈال دے۔ خود سامانِ رسد، یا سامانِ رسد کے وسائل —— کھیتیاں، کارخانے، وغیرہ —— کو عموماً تباہ و برباد نہیں کیا جاتا تھا۔

زمانۂ حاضرہ کی جنگ کا انداز اس سے بالکل مختلف ہے۔ دست بدست لڑائی تو شاید اب بھی سپاہیوں ہی سپاہیوں میں ہوتی ہے، لیکن اس قسم کی لڑائی کی نوبت بہت کم آتی ہے؛ اور لڑائی میں سارے کا سارا ملک شریک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمن کے ہوائی جہاز اب شہری آبادیوں کے اوپر بھی بم برساتے ہیں اور سامانِ رسد کے وسائل کو تہس نہس کر ڈالتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ پہلے جنگ کا تعلق صرف بادشاہ اور فوج سے ہوتا تھا۔ کوشش یہ ہوتی تھی کہ بادشاہ ہمت ہار بیٹھے، اس کا حوصلہ پست ہو جائے تو جنگ بند ہو جائے گی اور ہمت چھوڑنے والا بادشاہ مغلوب ہو جائے گا۔ اب وہ زمانہ ہے جب بادشاہ کی جگہ جنتا نے لے لی ہے۔ اصول اب بھی وہی ہے کہ بادشاہ حوصلہ ہار بیٹھے تو جنگ ختم۔ اب کے زمانے میں جنتا حوصلہ ہار بیٹھے تو دشمن کامیاب ہے۔ یہی سبب ہے کہ محاذوں کے اوپر آمنے سامنے

لڑنے والی فوجیں پسپا ہوتی رہتی ہیں اور دشمن کے حملوں کے دباؤ سے میدان چھوڑ کر بھاگ بھی کھڑی ہوتی ہیں سپہ سالار پر سپہ سالار شہید ہوتے رہتے ہیں لیکن جنگ ہے کہ اس کے باوجود جاری رہتی ہے اس لئے کہ جنگ کے پیچھے جو اصل شخصیت ہوتی ہے ۔ جنتا ۔ اُس کا حوصلہ بدستور قائم رہتا ہے ۔

حکومت اور سماجی کارکن

جنگ کے زمانے میں حکومت کا فلاحی اور سماج سیوا کا کام بہت کم ہو جاتا ہے اس لیئے کہ اسے اپنی تمام توجہ اور قوت ملک کے بچاؤ اور مورچے کے اوپر دشمن کا مقابلہ کرنے میں صرف ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیئے۔ ملک ہی نہ رہے یا رہے بھی تو آزاد نہ رہے تو جمہور کی فلاح و بہبود اور سماج سیوا کے کام کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے ۔ اُسے تو اگر ملک کی تمام دولت مورچوں پر لڑنے والے جانباز سپاہیوں کی خدمت آرام و آسائش اور ان کی فوجی ضرورتوں کی تکمیل کے لیئے صرف کر دینی پڑے ــــــ عوام خواہ دو وقت کے بجائے ایک ہی وقت اور وہ بھی موٹا جھوٹا کھا کر گذر کریں ــــــ تب بھی اسے پس و پیش نہیں کرنا چاہیئے ۔ موجودہ زمانے کی مشینی جنگ لڑنا ہنسی کھیل بھی تو نہیں ہے! کہتے ہیں ــــــ اور غالباً حقیقت بھی ہے کہ ــــــ جنگ کا خرچ لاکھوں بلکہ کروڑوں روپئے روز کا ہوتا ہے ۔

ایسی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہری ضرورتوں اور سماج سیوا کی تکمیل کا کام کون کرے ؟ اس لیئے کہ یہ بھی کم اہم کام نہیں ہے ۔ کھانے پینے، اوڑھنے پہننے کی تکلیف معمولی تکلیف نہیں ہوتی ۔ اسی کے ساتھ چوری چکاری، خوف و ہراس، افواہوں کے اثر سے بدحواسی اور سراسیمگی، جس مقصد کے لیئے بھوک پیاس کی شدت برداشت کرنی پڑ رہی ہے اس کے بارے میں معلومات کی کمی ــــــ یہ سب بھی ہو تو جنتا جس کا حوصلہ قائم رہنے سے جنگ میں فتح حاصل ہونے کے امکانات کا دار و مدار ہوتا ہے، وہ کیا حوصلہ نہ کھو بیٹھے گی ؟ اور حکومت کو جنتا کی پشت پناہی اور حمایت حاصل نہ ہو تو حکومت قانون اور اقتدار کے بل پر کتنے دن قائم رہے گی اور مورچے پر اُس کا کیا حشر ہوگا !

یہ منصب ــــــ اور واضح رہے کہ یہ منصب محاذِ جنگ کے منصبوں سے کہیں زیادہ اہم ہے ــــــ ہم سماجی کارکنوں کا منصب ہے، اس لئے ہمارے اوپر بالخصوص زمانۂ جنگ میں بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہمارا مرتبہ معلّموں کا مرتبہ ہے اور عوام کی موثر تعلیم زمانۂ جنگ میں جمہور کا حوصلہ اور مورال قائم رکھنے کی سب سے

کارگر تدبیر ہے۔

سیکھنے کے لیئے آمادگی

سیکھنے کے لیئے آمادگی جسے عوامی تعلیم کی اصطلاح میں "موٹیویشن" کہتے ہیں، عوام کے معلّموں کے سامنے سب سے مشکل مسئلہ بنا رہتا ہے اور اس مشکل سے تنگ آکر بالغوں کے بہت سے معلّم اس پیشے ہی سے توبہ کر لیتے ہیں اور بعض اوقات تو تعلیمی ادارے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے جنگ کے زمانے میں سیکھنے کے لیئے آمادگی پیدا کرنے کا مسئلہ بہت آسان بلکہ قریب قریب حل شدہ رہتا ہے۔ آدمی کوئی بات سیکھنے کے لیئے آمادہ سب سے زیادہ دو صورتوں میں ہوتا ہے یا تو اُسے یقین ہو کہ اس بات کے سیکھ لینے سے اُس کو مالی نفع ہوگا یا پھر یہ باور ہو جائے کہ سکھائی جا‌ نے والی بات سیکھ لے گا تو تباہی سے بچ جائے گا نہیں سیکھے گا تو بال بچّوں سمیت موت کے منھ میں چلے جانے کا اندیشہ رہے گا۔ ایک تیسری حالت سیکھنے کے لیئے آمادہ ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ کسی عجوبہ چیز یا نئی صورتِ حال کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا اشتیاق ہو۔ آزاد قوم کی حیثیت سے جنگ میں مبتلا ہونے کا ہندوستان کا یہ پہلا ہی موقع ہے ــــ گووا میں اسپینی سامراج وادیوں کے خلاف لڑائی یا ۱۹۶۲ء میں چینی حملہ آوروں کے خلاف اپنے بچاؤ کی کوشش جنگ کے صحیح مفہوم میں جنگ نہیں تھی۔ اس اعتبار سے یہ بات ماننے میں کوئی تکلف نہ ہونا چاہیئے کہ موجودہ انڈو پاک جنگ ہمارے عوام کے لیئے ایک عجوبہ ہی کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ عوام میں تشویش اور تردّد کے احساس کے ساتھ ساتھ "کیا ہوتا ہے جنگ میں؟ بم کیسے ہوتے ہیں؟ ہوائی جہاز سے کیسے گرائے جاتے ہیں؟ بم گرتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟" کی قسم کے مشتاقانہ جذبات کی بھی آمیزش موجود ہے۔ اور جنگ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیئے لوگوں کو آمادہ کرنے میں اس قسم کی مشتاقانہ تلاش و تجسس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔

جنگ کے ماحول نے لوگوں کو دو دو چار چار اور بعض اوقات دس دس بارہ بارہ کی تعداد میں مل بیٹھنے اور مل بیٹھ کر باتیں اور تبادلۂ خیالات کرنے کے لیئے موقع اور موضوع فراہم کر دیا ہے، اور میرا خیال ہے کہ موقع ملے اور معلومات حاصل کرنے کے امکانات موجود ہوں تو لوگ گھنٹوں بیٹھے باتیں کرتے اور سنتے رہیں گے۔

اخباروں کا اندازہ ہے کہ اُن کی اشاعت میں چھ سے آٹھ فی صدی تک کا اضافہ ہو گیا ہے۔ دلّی کے ایک انگریزی روزنامے نے تو اشاعت کے بڑھ جانے اور اخبار کے کاغذ کی تنگی کی وجہ سے اپنا ہفتہ وار ضمیمہ نکالنا ملتوی کر دیا ہے اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ لوگوں میں اخبار بینی کا شوق بہت بڑھ گیا ہے اور

اخبار پڑھنے اور خبریں سننے کے لیے لوگ بیتاب ہیں۔ غرض یہ وہ ماحول ہے کہ اگر سوشل ایجوکیشن کا کوئی کارکن سائنٹفک ڈھنگ سے اپنے کام کی پلاننگ کرے تو اپنے حلقے کی آبادی کی تعلیم کے لیے موجودہ حالتِ جنگ ہی میں نہیں، بلکہ آیندہ کے لیے مستقل طور پر بھی بڑی مضبوط بنیاد ڈال سکتا ہے۔

پروگراموں کی نوعیت

موجودہ حالتِ جنگ کے لیے تعلیمی پروگراموں کا نقشہ مختصراً حسب ذیل ہو سکتا ہے:

ایک پہلو: شہری بچاؤ

شہری بچاؤ اور امن و امان قائم رکھنے کے لیے حکومت کی طرف سے عام طور پر پولیس کا انتظام رہتا ہے۔ پولیس ہی کے لوگ راتوں کو پہرہ دیتے ہیں، سماج کے بدکردار عناصر سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کا انتظام رکھتے ہیں، اور حادثات کی حالت میں لوگوں کی مدد بھی کرتے ہیں، خاص طور پر بڑے بڑے قصبوں اور شہروں میں پولیس کے علاوہ دوسرے محکمے بھی ہوتے ہیں جیسے فائر بریگیڈ وغیرہ۔ جنگ کے زمانے میں پولیس اور فائر بریگیڈ کے سپاہی بھی کافی تعداد میں مورچوں کے اوپر لڑنے، پہرہ دینے اور آگ بجھانے کی غرض سے بھیج دیئے جاتے ہیں اور آپ بھی دیکھیں گے کہ آپ کے علاقے میں رہنے والے ایسے لوگ اب بہت کم نظر آتے ہوں گے۔ ایسی حالت میں یہ سب کام جنتا کے اپنے کندھوں پر آجاتے ہیں۔ مگر ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی شخص عوام کو اس بات پر آمادہ کرنے والا، اور ان کے آمادہ ہو جانے کے بعد کام میں ان کی رہنمائی کرنے والا موجود ہو۔ لہٰذا علاقے کے سوشل ایجوکیشن ورکر کو حسب ذیل باتوں کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔

(۱) مقامی سرکاری افسروں اور کارکنوں سے مل کر علاقے کے لوگوں کو رات کے وقت دو دو تین تین کی ٹولیوں میں باری باری اپنی بستی کا پہرہ دینے کے لیے آمادہ کرے اور اس کی ایک تنظیم اس طرح قائم کرے کہ پوری بستی کا ایک کمانڈنٹ ہو جس کا حکم بے چون و چرا سب لوگ مانیں۔

(۲) بستی بستی جلسے اور بات چیت کی بیٹھکیں منعقد کر کے لوگوں کو یہ باور کرائے کہ اس آڑے وقت میں اگر لڑائی جھگڑا ہوا تو پولیس کے لوگوں کے نہ ہونے سے جھگڑنے والوں کا اپنا بھی نقصان ہوگا اور دشمن کو بھی اس سے شہ ملے گی۔ دشمن کے حملے سے ملک کے بچاؤ کا کام جو سکون و اطمینان

کے ساتھ ہونا چاہیئے، اس میں خلل پڑے گا اور پورا ملک خطرے میں پھنس جائے گا۔

(۳) پاکستان مسلم ملک ہے۔ اُسی نے ہمارے دیس پر حملہ کیا ہے۔ اس لئے ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم لوگوں کے دل میں شکوہ شکایت کا جذبہ پیدا ہونا کسی حد تک قدرتی بات ہے۔ لیکن قدرتی جذبات کے اوپر قابو حاصل کرنا ہی دراصل تہذیب اور انسانیت ہے ورنہ جانوروں اور انسانوں میں کوئی فرق ہی نہ رہ جائے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ بستی کے مُسلموں اور غیر مُسلموں کی مشترک بیٹھکیں اکثر و بیشتر منعقد ہوتی رہیں اور دونوں کو شہری بچاؤ کی سرگرمیوں میں یکساں طور پر شریک کیا جائے۔ اگر نا سمجھی سے کسی موقعے پر ان میں آپس میں جھڑپ یا تناؤ پیدا ہوجائے تو دونوں کی مشترک بیٹھکیں منعقد کرکے غلط فہمیوں کے دور ہونے کا موقع نکالا جائے اور اس طرح فرقہ وارانہ اتحاد و یگانگت کی فضا بحال رکھی جائے۔

(۴) دشمن کے حملے سے بچاؤ کی صورتیں جو وقتاً فوقتاً حکومتوں کی امورِ داخلہ کی وزارتوں کی طرف سے شائع ہوتی رہتی ہیں، ان کی لوگوں کو مفصل تعلیم دی جائے۔ اس کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں مثلاً

(الف) پڑھے لکھے لوگوں کے لیئے ان باتوں کی معلومات کے پوسٹر آویزاں کرنا جو مستقل لگے رہیں۔

(ب) ان پڑھ لوگوں کی بیٹھکیں منعقد کرکے ان تدبیروں کا عملی مظاہرہ کرنا۔

(ج) گھروں کا گشت لگانا یہ دیکھنے کے لیئے کہ لوگ ان احتیاطی تدبیروں پر کہاں تک عمل کر رہے ہیں

(۵) بستی کے بہت سے جوان اس وقت دشمن سے مورچہ لے رہے ہوں گے۔ لوگوں کو تیار کیا جائے کہ وہ ایک ٹولی بنا کر بستی کے ایک نہ ایک بزرگ کی قیادت میں وقتاً فوقتاً، بلکہ ہر دوسرے تیسرے ان نوجوانوں کے گھروں پر جائیں، وہاں کچھ دیر بیٹھیں، اُن کے ماں باپ، بیویوں اور بچوں کو ڈھارس دلائیں اور انھیں یقین دلائیں کہ پورا ملک اُن کی مدد پر ہے۔ خدانخواستہ اگر اُن کا بیٹا، بھائی، یا شوہر یا باپ لڑائی میں کام بھی آگیا تو اس کو شہادت کا درجہ نصیب ہوگا۔ اور اس کے پس ماندگان کی کفالت حکومت کے ذمے ہوگی۔

ب۔ دوسرا پہلو: تعلیم

بالغوں کو کسی بات کی بھی تعلیم دینا ہو، اس کے لیے موٹیویشن یعنی اُن کا وہ بات سیکھنے کے لیے آمادہ ہونا ضروری ہے۔ موٹیویشن، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، زمانۂ جنگ میں اپنے آپ ہو جاتا ہے۔ ضرورت یہ ہوتی ہے کہ کارکن اس مناسب وقت کے اوپر فائدہ اُٹھانے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرے۔ جنگ کے ماحول سے فائدہ اٹھاکر بالغوں کا معلّم تعلیم کے حسب ذیل پروگرام شروع کرسکتا ہے۔

(۱) کمیونٹی سنٹر

میں پہلے ذکر کر آیا ہوں کہ اِس زمانے میں لوگوں کا آپس میں مل بیٹھنا اور جنگ کے حالات کے بارے میں باتیں اور تبادلۂ خیالات بغیر کسی خاص محنت کے ممکن ہوتا ہے

۔ یہ بات چیت اور تبادلۂ خیالات زیادہ تر غیر منظم ہوتا ہے جیسے برسات کے موسم میں بارش کے اثر سے بہت سا خودرو سبزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ خودساختہ پن ہی سچ پوچھیے تو کمیونٹی سنٹر کی اصل روح ہے۔ سوشل ایجوکیشن کے تمام کارکن جانتے ہوں گے کہ کمیونٹی سنٹروں کا پروگرام ہندوستان میں جیسا چاہیئے کامیاب نہیں ہوا۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ کمیونٹی یعنی بستی کے لوگ خود اپنی مرضی سے سنٹر نہیں قائم کرتے اور نہ اُن کا انتظام و انصرام اُن کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ خارجی ایجنسیوں کا قائم کیا ہوتا ہے جہاں لوگ صرف تماشائی کی حیثیت سے آتے ہیں۔ کمیونٹی سنٹروں کا خیال جہاں سے لیا گیا ہے یعنی برطانیہ، وہاں وہ بستیوں (کمیونٹیوں) کی اپنی ملکیت میں ہوتے ہیں اور ان میں کام کرنے والے کارکن اُنھی کے اپنے مقرر کیے ہوئے ملازم ہوتے ہیں۔ حکومت اُن کو صرف مالی امداد دیتی ہے انھیں یہ خودمختاری حاصل ہے تب کہیں اُن کی یہ حیثیت قائم ہوئی ہے کہ دوسرے ممالک اُن سے سبق لیں۔

اِس وقت چونکہ لوگ اپنے آپ خود اپنی تحریک سے آپس میں مل بیٹھنے کے موقعے ڈھونڈھتے ہوں گے اس لیے بالغوں کے معلّم کو چاہیئے کہ وہ اُن کے اس ذوق و شوق سے کام لے کر اُن کو آپس میں مل بیٹھنے اور بات چیت کرنے کی غرض سے باضابطہ انتظام کرنے کا شوق دلائے۔ اُن کو جتلائے کہ جنگ کے بارے میں باتیں کرنا اُس وقت زیادہ مفید اور کارآمد ہوسکتا ہے جب جنگ کے متعلق دوسری ضروری باتیں بھی معلوم ہوتی رہیں جیسے لڑائی جہاں ہو رہی ہے وہ جگہ اُن کی بستی سے کس طرف کو پڑتی ہے؟ وہ علاقہ کیسا ہے، میدانی، یا پہاڑی یا جنگلاتی؟ ہندوستان اور پاکستان کی سرحدیں کہاں کہاں ملتی ہیں۔ دونوں ملکوں کی فوجوں کی کیا کیفیت ہے؟ وغیرہ، اور یہ باتیں معلوم

کرنے اور سیکھنے کے لیئے ایک باقاعدہ جگہ یا عمارت ہو جائے تو اچھا ہے۔ اس طرح کا انتظام کرنے کے لیئے آپ خود نہ تیار ہو جایئے، لوگ خصوصاً گاؤں کے لوگ چاہیں گے یہی کہ سارا انتظام آپ کردیں۔ اصرار اسی بات پر کیجئے کہ بستی کے پانسات آدمی مل کر خود یہ انتظام کریں۔ آپ بستی کے نوجوان طبقے میں کسی منچلے اور سمجھدار نوجوان کو پہلے سے نظر میں رکھیئے اور لوگ خود کوئی انتظام کرتے ہوئے ہچکچانے لگیں تو آپ اس نوجوان یا دوچار نوجوانوں کو آگے کر دیجئے اور کہیئے کہ "یہ کام یہ لوگ کرلیں گے، معلومات بہم پہنچانے کا کام کچھ عرصے تک میں کردوں گا۔

جغرافیہ اور نقشہ سمجھنا

مجھے توی اُمید ہے کہ لوگ اس طرح کا انتظام کرنے کے لئے بہت جلد تیار ہو جائیں گے۔ اور جب یہ منزل آجائے تو انھی نوجوانوں میں سے کسی ایک کو (جسے سب لوگ منتخب کریں) سکریٹری بنا کر اس کی ٹریننگ شروع کیجئے۔ ابتدا میں جنگی حالات کے بارے میں بات چیت ہی کرنے پر زور دیجئے۔ اور سکریٹری کو آگے کرکے طرح طرح کے نقشے بنوایئے اور اُن کی مدد سے لوگوں کو محاذ جنگ اور سرحدوں کا محل وقوع سمجھایئے۔ اس طرح لوگوں کو نقشہ پڑھنے کی مشق ہو جائے گی جو آیندہ بھی ان کے کام آئے گی۔ نقشوں کے علاوہ جنگ کے آلات اور ہتھیاروں (ٹینک مشین گن، طیارہ شکن توپ، بم، بمبار طیارہ وغیرہ) کی تصویریں بھی ریاست میں ضلعے کے ہیڈکوارٹرز سے حاصل کرکے آویزاں کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کا یہ "جنگی" کمیونٹی سنٹر کتنا آباد رہتا ہے۔ ایک گُر کی بات یہ بھی ہے کہ اگر کسی اور سبب سے سکریٹری کمیونٹی سنٹر نہ کھولے تو آپ خود ہرگز اُسے نہ کھولیں۔ دوسرے دن لوگ شکایت کریں کہ سنٹر نہیں کُھلا تو صاف کہہ دیجئے، سنٹر آپ کا اپنا ہے۔ آپ ہی لوگ نہ کھولیں تو دوسرا اسے کھولنے کے لیئے کون آئے گا؟ یہ بات تو خود آپ کے دیکھنے کی ہے کہ آپ کا یہ کام وقت پر کیوں نہیں ہوتا!" اس طرح سنٹر کے ان کی اپنی چیز ہونے کا ان کے اندر احساس پیدا ہوگا اور یہ احساس پختہ ہوگیا تو سمجھ لیجئے کہ آپ کا کمیونٹی سنٹر کامیاب ہے۔

کمیونٹی سنٹر کی خودمختاری

لوگ جب کمیونٹی سنٹر میں حالاتِ جنگ پر باتیں کرنے اور سمجھنے کے لیئے پابندی سے آنے لگیں۔ جیسا کہ میرا خیال ہے آنے لگیں گے ——— تو پھر تبدریج انھیں دوسرے موضوعات پر آپس میں بات چیت اور غور و فکر کرنے کی دعوت دیجئے۔ میں پہلے "شہری بچاؤ" کے بارے میں کچھ ذکر کر چکا ہوں۔ بستی کے شہری بچاؤ کی تدبیریں سمجھانے کے علاوہ

جو جنگ کے حالات ہی سے متعلق موضوع ہے، بات چیت کا دوسرا موضوع مقرر کیجئے۔ اور اسی طرح آہستہ آہستہ بستی کی سماجی زندگی کی پوری تنظیم کو کمیونٹی سنٹر کی سرگرمیوں کا مرکز اور موضوع بنا دیجئے لیکن یہ بات ہر قدم پر نظر کے سامنے رہے کہ سنٹر آپ کے باہر طرح کے خارجی اثرات سے آزاد رہے اور اس میں بستی کے لوگوں کو اپنی مرضی اور پسند کا ہر صحت مند کام کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل رہے۔

کمیونٹی سنٹر، آپ جانتے ہی ہوں گے، بالغوں کی تعلیم کے ہر پہلو کی تسکین کر سکتا ہے۔ پڑھے لکھے طبقے کی مزید تعلیم، تعلیم کا سلسلہ ختم کر دینے والوں کی تسلسلی تعلیم، ان پڑھ لوگوں کی خواندگی، نوجوان اور دس بارہ سال کے بچوں کی غیر نصابی سرگرمیاں، دھندے اور پیشے کی ٹریننگ، تہذیبی اور تفریحی سرگرمیاں، غرض کیا کچھ نہیں۔ میں نے اس مضمون کا عنوان مقرر کیا ہے "جنگ کے زمانے میں ہم کیا کریں"۔ اگر آپ لوگوں کے مل بیٹھ کر باہمی کرنے کے اشتیاق سے فائدہ اٹھا کر ایک کامیاب کمیونٹی سنٹر بنا لیں تو اس آشوب اور سنکٹ کے زمانے میں آپ کی بستی اس کے ذریعے وہ کام جس کی ہماری حکومت ہم سے امید کرتی ہے، نہایت کامیابی اور خوش اسلوبی سے انجام دے سکتی ہے اور جب ایک مرتبہ کامیابی کی چاٹ پڑ گئی تو کیا عجب ہے آپ کا یہ کمیونٹی سنٹر دوسرے علاقوں کے لئے سبق آموز نمونہ بن جائے۔

بالغوں کی تعلیم میں یونیورسٹیوں کا کردار

بالغوں کی تعلیم میں یونیورسٹیوں کے کردار کے موضوع پر جولائی ۱۹۶۵ء میں جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس نے چار دن کے غور و بحث کے بعد حسب ذیل متفقہ بیان شائع کیا۔ یہ بیان کانفرنس کی پالیسی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس تجویز کے علاوہ ہے جس میں کانفرنس نے صاف لفظوں میں یونیورسٹیوں سے اپنے اپنے یہاں بالغوں کی تعلیم کے شعبے قائم کرنے اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن سے اس کام کے لیئے یونیورسٹیوں کی مالی امداد کرنے کی سفارش کی ہے۔

—— ایڈیٹر

بیسویں صدی نے انسانی تہذیب کی بقا، آبیاری اور تقویت کے لیئے علم کو ایک عظیم اور قوی عنصر کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے۔ اسی صدی میں یہ حقیقت بھی ابھر کر سامنے آگئی ہے کہ فرد کے اندر حصولِ علم کی صلاحیت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اس کے اندر صحت اور توانائی باقی رہتی ہے۔ صدی کی پہلی چوتھائی میں ہمیں معلوم ہوا کہ سیکھنے کا عمل زندگی بھر کا عمل ہے۔ دوسری چوتھائی میں ہم نے دیکھ لیا کہ سیکھنے کے عمل کا زندگی بھر کا عمل ہونا لازمی ہے۔ اب اس تیسری چوتھائی میں ہم کو نظر آرہا ہے کہ ہماری تہذیب اور خود ہمارا وجود باقی ہی اس وقت تک رہے گا جب ہم سیکھنے کے عمل کو زندگی بھر کا عمل بنالیں۔

انسان اور اس کی تہذیب کی بقا اور علم کے درمیان اس رشتے کے احساس نے سماج کے اندر علمی سنستھاؤں کے سامنے ایک نئی حقیقت لا کھڑی کی ہے۔ ان سنستھاؤں میں یونیورسٹیوں کی حیثیت سب سے نمایاں ہے۔ علم کی ایجاد اور علوم عالیہ کی تربیت صدیوں سے یونیورسٹیوں کا منصب رہا ہے۔ دورِ حاضر نے ان کے اس منصب میں

ایک تاکیدی نوٹ بڑھا دیا ہے اور انھیں متنبہ کیا ہے کہ جس ڈھنگ سے وہ اس منصب کو اب تک پورا کرتی رہی ہیں، اس پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ اس نظرِ ثانی کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یونیورسٹیوں کو یہ نظریہ منسوخ کر دینا چاہیئے کہ ان کا تعلق صرف نوخیز اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت سے ہے اور بس۔

اگر زمانے کا مطالبہ یہ ہے کہ سیکھنے کا عمل زندگی بھر کا عمل ہونا چاہیئے تو یونیورسٹیوں کو چاہیئے کہ بالغوں تک پہنچیں اور انھیں اس قابل بنائیں کہ سماج کے اندر انھیں جو طرح طرح کے کردار ادا کرنے ہوتے ہیں، انھیں وہ علم کی روشنی میں یعنی زیادہ خوش اسلوبی اور وسعتِ نظر کے ساتھ ادا کر سکیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سے یونیورسٹی کا یہ نیا تصوّر دنیا بھر میں تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ہندوستانی یونیورسٹیوں سے ہماری پُر زور سفارش ہے کہ وہ اس حقیقتِ حال کو پورے جوش و خروش کے ساتھ تسلیم کریں۔

جہاں دورِ جدید نے علم کو نئی حیثیت بخشی ہے، وہاں اُس نے اس کے معنی و مفہوم کو بھی بدل دیا ہے۔ علم کو اب کسی عالم کے علمی رازہائے سربستہ کی حیثیت سے نہیں دیکھا جاتا۔ اب اسے مزدور کی پیشہ ورانہ مہارت میں بھی ڈھونڈھا جاتا ہے، منیجر کی انتظامی اہلیت میں بھی تلاش کیا جاتا ہے اور خواب دیکھنے والے کے خواب میں بھی اس کی جستجو کی جاتی ہے۔ اور علم کا یہی وہ ہمہ گیر روپ ہے جسے یونیورسٹیوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے مردوں اور عورتوں تک پہنچانا ہے۔

یونیورسٹیوں کے اس منصب کی وضاحت کرنے کی غرض سے بالغوں کو تعلیم دینے کی ذمّے داری کا تجزیہ تعلیمی اسکیم کے حسب ذیل چار پہلوؤں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے علمی تعلیم، پیشہ ورانہ تعلیم، سماجی شعور کی تعلیم اور لبرل ایجوکیشن[1]

علمی تعلیم

موجودہ صنعتی سماج بالغوں کی علمی تعلیم کو ـــــــ وہی تعلیم جس کے اختتام پر نوجوان ڈگریاں اور ڈپلومے

[1] لبرل ایجوکیشن ایک گول مول مگر بہت وسیع اصطلاح ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ وہ تعلیم جو انسان کے دماغ کو جِلا اور وسعت بخشے تاکہ وہ صحت مندانہ آزاد نقطۂ نظر اختیار کر سکے ویسے اس کو علم کے کسی ایک موضوع سے مخصوص بھی نہیں کیا جاتا بلکہ حیاتِ انسانی سے متعلق جملہ علوم اس کے احاطے میں آجاتے ہیں یہاں تک کہ سائنس اور ٹکنالوجی بھی۔ (ایڈیٹر)

حاصل کرتے ہیں ـــــ سماجی عدل اور مفادِ عامّہ کا معاملہ سمجھتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ بالعموم مراسلاتی کورس اور شبینہ کلاسیں ہیں۔ چنانچہ جہاں یہ ضروری ہے کہ نوجوان طبقہ جس کے اوپر روزی کمانے کی ذمّے داری نہ ہو' کالجوں میں باقاعدہ داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرے' وہاں اسی قدر یہ بھی ضروری ہے کہ مراسلاتی کورسوں اور شبینہ کلاسوں کی تنظیم جیسی اب ہے۔ اُس سے اُسے کئی گُنا وسعت دی جائے۔ سچ پوچھیے تو ہم اُس وقت کی راہ دیکھ رہے ہیں جب یونیورسٹیاں اور کالج اپنی اپنی جماعتوں کی تعلیمی خدمت میں دن رات کوشاں رہیں گے' اور بالغوں کی مختلف النوع ضرورتوں کے پیشِ نظر نئے نئے کورس اور اپنے منصب کو پورا کرنے کے نئے نئے طریقے ایجاد کریں گے۔

پیشوں کی تعلیم

علمی تعلیم کے باب میں ہم جو کچھ کہہ آئے ہیں، وہی پیشہ ورانہ تعلیم پر بھی صادق آتا ہے۔ اس میدان میں یونیورسٹیوں کا کام زیادہ تر پیشوں کی تعلیم سے متعلق ہوگا ـــــ پیشے وہ بھی جو موجود ہیں اور نئے نئے پیشے جو صنعتی سماج ایجاد کرے گا۔ اس فیلڈ میں یونیورسٹیوں کے کام کے تین پہلو ہوں گے۔ ادنیٰ درجے کی صلاحیتوں کے ساتھ پیشے میں لگے ہوئے مردوں اور عورتوں کو یہ موقع بہم پہنچانا کہ وہ اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل کر لیں' انھیں نئے نئے کاموں اور اور فنون سے واقف کرانا اور علم اور ٹکنالوجی کے میدان میں آئے دن جو ترقیاں اور نئی نئی ایجادیں ہوتی رہتی ہیں' اُن سے انھیں باخبر اور متعارف کرتے رہنا۔ ان شبینہ کلاسوں اور مراسلاتی کورسوں کے علاوہ (جن کی یونیورسٹی کے اہتمام میں باضابطہ جانچ کی جاتی رہے) یونیورسٹیاں بالغوں کی تعلیم کے لیئے دوسرے وسائل سے بھی کام لے سکتی ہیں جیسے بالغ طالب علموں کو مختلف امتحانات کے لیئے تیار کرنے کی غرض سے کم مدّت کے (کنڈینسڈ) کورس ہیں' اقامتی یا غیر اقامتی ہفتہ وار اور مختصر کورس ہیں، گرمائی انسٹی ٹیوٹ، کانفرنسیں، سیمنار اور ورکشاپ ہیں۔ اس سلسلے میں ہم یونیورسٹیوں کو یاد دلا دیں کہ معلّمی کے پیشے سے متعلق اُن کے اوپر خصوصی ذمّے داری عاید ہوتی ہے۔

سماجی ذمّے داری کی تعلیم

جدید سماج ایک ایسا سماج ہے جس کے اوپر بہ یک وقت بہت سی ذمّے داریاں عائد ہیں۔ ایسے سماج میں عورتوں اور مردوں کے لیئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ سیاسیات کے ماحول میں زندگی گذاریں ـــــ سیاست خواہ مقامی ہو یا علاقائی یا قومی۔ اس میں ایک اور ذمّے داری کا اضافہ ہوگیا ہے' اور وہ ہے

بین الاقوامی شعور کی ضرورتیں اور تقاضے جن سے پیچھا نہیں چھڑایا جاسکتا۔ اب اگر لوگوں کو سیاسیات کے ماحول میں رہنا سہنا ہے۔ تو بہتر یہ ہوگا کہ وہ سمجھ داری کے ساتھ رہیں۔ افراد اور افراد کے گروہوں کو سماجی ذمے داری کی تعلیم دینے کا یہ کام مختلف مصلحتوں کی بنا پر سیاست بازوں یا سیاسی پارٹیوں کے اوپر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ یونیورسٹیوں کے اوپر یہ ایک ایسی ذمے داری ہے کہ اس سے ان کا کنارہ کشی اختیار کرنا سماج اور خود ان کے حق میں خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوگا۔

> پھر یونیورسٹیوں میں رہنے والوں (عورتوں اور مردوں) کو، چاہے وہ اُستاد ہوں یا طالبِ علم یاد رکھنا چاہیئے کہ جو جماعت انھیں وہ مرتبہ عطا کرتی ہے جو کچھ اعتبار سے بہت معزز مرتبہ ہے اس کے لیئے اُن کے اوپر کچھ شخصی حقوق بھی عاید ہوتے ہیں؛ اور انھیں چاہیئے کہ ان حقوق سے عہدہ برآ ہونے کی غرض سے وہ اپنے وقت کا کچھ حصّہ جماعت کے ان افراد کی بہتری کے لیئے نکالیں جو اُن کے مقابلے میں کم نسبتاً کم مرتبہ ہیں۔

اپنا یہ فرض یونیورسٹیاں متعدد طریقے اختیار کرکے پورا کرسکتی ہیں۔ مثلاً جائزے لینا ہے۔ مقامی سرداری کے لئے لوگوں کو تربیت دینا اور تیار کرنا ہے؛ یا کچھ مقرّرہ منصوبے ہیں، جیسے کو اپریٹیو سوسائٹیاں بنوانا یا خواندگی کی کلاسیں منعقد کرنا۔

لبرل ایجوکیشن

مہارتِ خصوصی اور تنظیموں کی کثرت موجودہ صنعتی سماج کی فطری خصوصیت ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ سماج کی اس خصوصیت کے زیرِ اثر انسان جسمانی اور ذہنی دونوں حیثیتوں سے اُکھڑنے اور سب سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے کی ذہنیت کی طرف مائل ہے۔ دونوں کے اندر اس شعور کو بیدار کرنے کے لیئے کہ انسانی زندگی الگ الگ گوشوں میں بٹی ہوئی نہیں بلکہ ایک "کل" ہے، کم سے کم اُن میں سے کچھ لوگوں کو اس بلندی تک پہنچنا چاہیئے جہاں سے انسان ایک ذات واحد اور اس کی منزل مشترک نظر آسکے۔ یہ مقصد لبرل ایجوکیشن کی وساطت سے بہت اچھی طرح حاصل کیا جاسکتا ہے جو انسان کے سامنے اُن کی اپنی اور جس دنیا میں وہ رہتے ہیں، اس کی ایک جیتی جاگتی تصویر کھڑی کردیتی ہے۔ وہ تصویر جو انسان کی صدیوں کی سائنٹفک اور فن کارانہ کوشش کے نتیجے کے طور پر اُبھری ہے۔ یہ سائنٹفک اور فن کارانہ کوشش بہت بڑی حد تک یونیورسٹیوں کے حصّے میں آئی ہے اور انھی کے اوپر

یہ ذمّے داری ہے کہ وہ کم سے کم سماج کے لیڈروں کو لبرل ایجوکیشن کی نعمتیں بہم پہنچائیں وہ سماج جس کے یہاں اب سماجی لیڈری محدود یا مخصوص نہیں ہے بلکہ عام ہو گئی ہے۔

لبرل ایجوکیشن اور سماجی ذمّے داری کی تعلیم، دونوں میں یونیورسٹیوں کو ایسے لوگوں کو لینا چاہیئے جو طبعاً بے تکلف اور ذہنی سطح کے اعتبار سے بلند ہوں اور ان کی رہنمائی چنے ہوئے لوگ کریں۔ یونیورسٹی کی ذمّے داری یہ ہے کہ وہ کسی اثر سے متاثر ہوئے بغیر اپنے بالغ طالب علموں کے گروپوں کا انتخاب کرے۔ ان کی رہنمائی کرنے والے لیڈروں کو تربیت اور ٹریننگ دے، ان کے لیئے ادب کی تخلیق کرے اور گروپ جس کو پڑھنا پسند کرے اس سے متعلق فلمیں اور سیکھنے سکھانے کے دوسرے ساز و سامان تیار کرے۔

بالغوں کی تعلیم سے متعلق وہ سب کام جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، یونیورسٹیاں دوسری تنظیموں اور سنستھاؤں کے تعاون سے انجام دیں گی۔ خاص طور سے پیشوں کی تعلیم کے باب میں اس کی بڑی ضرورت ہے چنانچہ اس کے لیئے یونیورسٹیوں کو حکومت اور کاروبار اور صنعت و حرفت کے مرکزوں کے ساتھ نہایت گہرا ربط قائم کرنا ہو گا۔ اس ربط و اشتراک کا یہ روپ بھی ہو سکتا ہے، اور ہوا تو یونیورسٹیوں کے حق میں بڑا اچھا ہے کہ ان اداروں اور یونیورسٹیوں کے درمیان عملے کا مبادلہ ہوتا رہے۔

یونیورسٹیوں کو جن اداروں سے ربط و اشتراک قائم کرنا ہو گا، بالخصوص لبرل ایجوکیشن اور شہریت کی تعلیم کے سلسلے میں، ان میں پبلک لائبریریاں، اطلاع رسانی کی ایجنسیاں، ناشرین کتب، مختلف قسم کی رضاکار جماعتیں اور خود یونیورسٹیوں کے طلبا، قدیم کی جماعتیں ایسی ہیں جن کا ذکر خاص طور سے کیا جا سکتا ہے۔

> یونیورسٹی کو اپنے یہاں ایک تنظیم ایسی قائم کرنی چاہیئے جو صرف تعلیمی پروگرام ہی مرتب کرنے کی اہل نہ ہو بلکہ اس کے اندر مذکورہ بالا تنظیموں اور یونیورسٹی کے درمیان اشتراک و اتحاد کا پُل باندھنے کی پوری پوری صلاحیت بھی موجود ہو اور اس کے لیئے اس کے پاس کافی وسائل ہوں۔ یونیورسٹی کی یہی تنظیم اس کا "اڈلٹ ایجوکیشن یا ایکسٹنشن ڈپارٹمنٹ" ہو گا۔

اُدھر سماج کو بھی چاہیئے کہ وہ اس کام کو بخوبی انجام دینے میں یونیورسٹیوں کی مدد کرے۔ اس باب میں ہمارا خطاب خاص طور سے حکومت اور صنعتی اداروں اور با اختیار تعلیمی جماعتوں سے ہے۔ مثلاً یونیورسٹی گرانٹس کمیشن۔ ان جماعتوں کو چاہیئے کہ یونیورسٹیوں کو بالغوں کی تعلیم کا پروگرام چلانے کے لیئے روپے پیسے ہی کی مدد نہ دیں بلکہ اپنے اراکین عملہ کو سہولتیں بھی بہم پہنچائیں، جیسے تعلیمی رخصت، تعلیمی قرض اور اسی طرح کی دوسری آسانیاں ہیں — تاکہ

وہ یونیورسٹیوں کی تعلیمی خدمات سے آسانی کے ساتھ فائدہ اُٹھا سکیں۔ اسی کے ساتھ خود یونیورسٹیوں کے لیے بھی یہ بات بمنزلہ فرض کے ہے کہ حکومت اور صنعتی اداروں سے مطلوبہ امداد میں حاصل کرنے کا جو سیاسی فن ہوتا ہے، اس کی وہ اپنے اندر مشق اور مہارت پیدا کریں۔

موجودہ دور میں یونیورسٹیوں کے لیے اس کا بڑا موقع ہے کہ وہ علم و فن کے زندگی بخش پانی سے اپنی جماعتوں کی آبیاری کریں اسی کے ساتھ ہمیں یہ امید کرنے کی بھی جرأت ہو رہی ہے کہ اس کام کو انجام دینے میں یونیورسٹیوں کو جن وسائل کی ضرورت ہے، وہ وسائل انھیں بہم پہنچانے میں سماج بھی پیشانی پر بل نہیں آنے دے گا۔ پھر یہ آسانیاں اور سماج کی یہ کشادہ دلی میسّر ہونے کے باوجود اگر یونیورسٹیوں کی طرف سے کوتاہی ہوتی ہے تو یہ زبردست اخلاقی زوال کے مرادف ہوگا۔

صفحہ ۱۲ کا بقیہ

اس طرح فرانسیسی ہی واحد زبان ہے جو افریقہ کے بہت بڑے علاقے کی ادبی زبان ہے اور یہی وہ زبان ہے جو اس وقت سب سے زیادہ پڑھی اور سمجھی جاتی ہے۔ اگر افریقہ کی مقامی زبانوں میں ادب تیار ہونے لگے اس وقت بھی کتابوں کی اشاعت کی رفتار ترقی بہت بڑی حد تک فرانسیسی زبان پر منحصر ہوگی۔

یورپ اور ایشیا کا فرق

ایک دلچسپ موازنہ

ایشیا اور یورپ دنیا کے دو بڑے براعظم ہیں۔ دنیا میں پڑھنا لکھنا جاننے والوں کی کل تعداد میں ہر آٹھ میں تین آدمی یورپ کا ہے اور تین ایشیا کا۔ جب کہ ایشیا کی آبادی یورپ کے مقابلے میں تین گنی ہے۔ پھر دنیا میں جتنی کتابیں شائع ہوتی ہیں اُن میں سے دو تہائی کتابیں، یورپ کی زبانوں میں شائع ہوتی ہیں جب کہ ایشیا کے حصّے میں ایک چوتھائی سے بھی کم کتابیں آتی ہیں۔

کتابوں کی دُنیا

دنیا کی مختلف زبانوں میں کتابیں پڑھنے والوں کی آبادی

بولنے والوں کی تعداد کے اعتبار سے ہندی کا شمار دنیا کی زبانوں میں چوتھے نمبر پر ہے۔ مگر اس زبان میں پڑھنا جاننے والوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ "کتابوں کی دنیا" میں اس کا شمار بہت نیچے ہے۔

ذیل میں کچھ دلچسپ اعداد و شمار دیئے جا رہے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ بولنے والوں کی تعداد اور ان زبانوں میں کتابیں پڑھنے والوں کی تعداد کے درمیان کتنا زبردست فرق ہے اور کون کون سی زبانیں دنیا کے مختلف علاقوں میں سمجھی اور پڑھی جاتی ہیں۔

—— ایڈیٹر

کتابوں کی توسیع و اشاعت کے راستے میں اس وقت دو قدرتی رکاوٹیں ہیں۔ ایک ناخواندگی اور دوسری زبانوں کی تفریق۔ کتابوں کی توسیع و اشاعت کے معاملے پر سوچ بچار کرتے وقت ان دونوں پر ایک ساتھ غور کرنا چاہیئے۔ جہاں تک کتابوں کی اشاعت و توسیع کا تعلق ہے، وہاں کسی زبان کا دائرہ اس زبان کے بولنے والوں تک نہیں بلکہ اس زبان کو پڑھنے والوں تک ہی محدود ہوگا۔ کتابوں کی توسیع و اشاعت کے مقصد سے اسی زبان کی اہمیت سب سے زیادہ ہے جس میں پڑھنا جاننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہو۔

دنیا کی بارہ خاص زبانیں

بولنے والوں کی تعداد کے اعتبار سے

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ اس وقت دنیا کی تین چوتھائی آبادی ۱۲ خاص زبانوں میں سے کوئی ایک زبان بولتی ہے۔ ان بارہ زبانوں کو بولنے والوں کی اوسطاً فی صدی تعداد یہاں دی جا رہی ہے:۔

چینی	۲۵ فی صدی
انگریزی	۱۱ "
روسی	۸٫۳ "
ہندی	۶٫۲۵ "
ہسپانوی	۶٫۲۵ "
جرمن	۳٫۷۵ "
جاپانی	۳٫۷۵ "
بنگالی	۳٫۰۰ "
عربی	۲٫۷۰ "
فرانسیسی	۲٫۷۰ "
پرتگالی	۲٫۵۰ "
اطالوی	۲٫۱۰ "

پڑھنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے

دنیا کی آٹھ خاص زبانیں

مگر کتابوں کی توسیع و اشاعت کا تعلق کسی زبان کو بولنے والوں کی تعداد سے نہیں بلکہ اس زبان میں پڑھنا لکھنا

جاننے والوں کی تعداد سے ہوتا ہے۔ اگر ہم مختلف زبانوں کو ان کے پڑھنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ نقشہ بالکل بدلا بدلا نظر آئے گا۔ اس اعتبار سے مندرجہ ذیل آٹھ زبانیں دنیا کے تین چوتھائی حصے کے لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اس لیئے کہ یہ زبانیں کافی وسیع علاقے میں سمجھی اور بولی جاتی ہیں اور ان زبانوں میں پڑھنا اور لکھنا جاننے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان آٹھ زبانوں میں کتابیں پڑھنے کی صلاحیت رکھنے والوں کی اوسط تعداد مندرجہ ذیل ہے:-

انگریزی	۱۸٫۱۰	فی صدی
چینی	۱۶٫۹۰	"
روسی	۱۵٫۹	"
ہسپانوی	۶٫۲	"
جرمن	۵٫۰	"
جاپانی	۵٫۰	"
فرانسیسی	۳٫۸	"
اطالوی	۲٫۴۰	"

دنیا میں ۴۰ فی صدی خواندگی

ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں ۱۲۰ کروڑ آدمی ایسے ہیں جن میں اپنے طور پر کتابیں پڑھنے کی صلاحیت موجود ہے یہ تعداد دنیا کی مجموعی آبادی کا ۴۰ فی صدی ہے۔

زبان کے حلقے

مندرجہ بالا اعداد و شمار کی روشنی میں کتابوں کی توسیع و اشاعت کے سلسلے میں جو بہت امید افزا صورتِ حال نظر آتی ہے وہ بدقسمتی سے اتنی حوصلہ افزا ہے نہیں۔ ان اعداد و شمار کا گہرائی سے مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والوں کی تعداد کے اعتبار سے جو زبانیں بہت آگے ہیں، ان میں سے بعض بہت اہم زبانیں دنیا کے کسی خاص علاقے کے اندر ہی محدود ہیں، جیسا کہ چینی، روسی، جرمن، جاپانی اور اطالوی زبانوں کا معاملہ ہے۔ مگر کچھ دوسری

زبانیں ہیں جو انگریزی، ہسپانوی اور فرانسیسی زبان کی طرح دنیا کے کئی براعظموں پر پھیلی ہوئی ہیں مگر پڑھنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے ان زبانوں کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس ذیل میں خاص طور سے پرتگالی، ڈچ اور کسی حد تک عربی زبان آتی ہے۔ یہ زبانیں دنیا کے کئی براعظموں میں مستعمل ہیں، مگر کتابوں کی توسیع و اشاعت کے اعتبار سے انھیں وہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

امریکی براعظم :-

دنیا کے ہر براعظم کے حالات جدا جدا ہیں امریکی براعظم میں زبان کا کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اس براعظم کے ۲۰ کروڑ آدمیوں میں چار زبانیں رائج ہیں۔ ان زبانوں کے سامنے کوئی بہت بڑا چیلنج نہیں ہے اس لیے کہ یہاں کی مقامی زبانیں کبھی تحریری زبانیں نہیں تھیں۔ پورے امریکی براعظم میں انگریزی اور ہسپانوی کے درمیان توازن کا مسئلہ ہے۔ جہاں تک پڑھنے والوں کی تعداد کا سوال ہے انگریزی بولنے والے علاقوں میں یہ تعداد اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے۔ مگر ہسپانوی زبان میں پڑھنا جاننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں اور لاطینی امریکہ میں جس تیزی کے ساتھ سماجی اور اقتصادی ترقی ہو رہی ہے اس کے پیش نظر یہ آسانی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس صدی کے آخیر تک یہاں پڑھنا لکھنا جاننے والوں کی تعداد ۵ گنی ہو جائے گی۔

افریقہ میں :-

اسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے علاقے میں بھی زبان کا کوئی مسئلہ نہیں ہے؛ یہاں انگریزی زبان کے سامنے براہِ راست کوئی چیلنج نہیں ہے۔ افریقہ کا مسئلہ اُلجھا ہوا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں یہاں اپنے تہذیبی اثرات قائم کرنے کی تگ و دو میں لگی ہوئی ہیں۔ افریقہ میں دس فی صدی سے بھی کم آبادی پڑھنا جانتی ہے۔ اس تعداد میں جنوبی افریقہ کے گورے (سفید فام) بھی شامل ہیں۔ افریقہ میں آیندہ کون سی زبان ایک مشترک زبان بن سکتی ہے، جس کے ذریعہ سارے افریقہ سے رابطہ قائم کیا جا سکے؛ اس سلسلے میں اکثر لوگ فرانسیسی زبان کا نام لیتے ہیں۔ اُن کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں انگریزی زبان میں کتابیں پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم نہیں ہے۔ مگر انگریزی بولنے اور پڑھنے والوں کا علاقہ محدود ہے۔ عربی زبان بھی کئی ملکوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ مگر یہ بیشتر مسلمانوں کی زبان ہے اور اسی لیے یہ مسلم علاقوں یعنی شمالی افریقہ ہی میں محدود ہے۔

باقی صک اپر

یونیورسٹیاں اور اڈلٹ ایجوکیشن

(۳)

"یونیورسٹیاں اور اڈلٹ ایجوکیشن" کے عنوان سے ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا کے مقالے کی یہ تیسری قسط ہے۔ مقالے کی پہلی دو قسطوں میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے "یونیورسٹی" اور "اڈلٹ ایجوکیشن" کی اصطلاحوں کی وضاحت کرنے کے بعد انگلینڈ، امریکہ، کناڈا اور اسٹریلیا میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کا جائزہ لیا تھا۔ مقالے کی اس آخری قسط میں ڈاکٹر مہتا نے پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت اور افادیت پر بحث کی ہے اور ان ملکوں کی یونیورسٹیوں کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگراموں کا ایک مختصر خاکہ بھی تجویز کیا ہے۔

—— ایڈیٹر

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے تین پہلو:-

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے تصور میں تین باتیں کارفرما ہیں:-

- ایک یہ کہ سیکھنے کا عمل تاحیات جاری رہنا چاہیئے
- دوسرے یہ کہ یونیورسٹی کو بستی کی خدمت کا کام کرنا چاہیئے اور
- تیسرے یہ کہ بالغوں کی آبادی کو علم کی دولت سے مالامال کیا جانا چاہیئے

اس بنیادی تصور کو کافی مقبولیت حاصل ہو چکی ہے اور ہمارے مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور سماجی حلقوں نے اس بنیادی خیال کو کافی تقویت پہنچائی ہے۔ یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن یا ایکس ٹنشن ڈپارٹمنٹ کے ماتحت

جو پروگرام چلتے ہیں وہ ہر ملک کے اپنے تاریخی اور تہذیبی پس منظر کے مطابق اور وہاں کے لوگوں کی محسوس ضرورتوں کی بنیاد پر تیار کیے جاتے ہیں۔ یہاں کسی ملک کے نمونے اور خیال کی ہو بہو نقل اتار لینے سے کام نہیں چلتا۔ یونیورسٹیوں کو اس سلسلے میں مقامی حالات اور لوگوں کی ضروریات کے مطابق ہی کام کرنا چاہیئے اور انھیں کے پیش نظر اپنے کام کی ترتیب قائم کرنی چاہیئے۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کا جواز:۔

بہت سے مضامین ایسے ہوتے ہیں، جو نوخیز طالب علموں کے فہم و ادراک سے باہر ہوتے ہیں۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے جو یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے جواز میں اکثر پیش کی جاتی ہے۔ یہ بہت معقول دلیل ہے مگر اس کے علاوہ کچھ اور بھی باتیں ہیں جو یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں:۔

(الف) آج کی دنیا کے علمی ذخیرے میں بہت تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اسی کے ساتھ سماجی، اقتصادی اور سیاسی زندگی میں تبدیلی کی رفتار بھی اتنی تیز ہو گئی ہے کہ آج اسکول یا کالج میں جو تعلیم حاصل کی جاتی ہے وہ ایک کامیاب شہری کی حیثیت سے زندگی گذارنے کے لیئے کافی نہیں ہوتی۔

(ب) زندگی کے ہر شعبے میں آج مہارت کا رواج بڑھتا جا رہا ہے (یہ مہارت لوگوں کو زندگی کے کسی ایک شعبے کے کسی مخصوص دائرے تک محدود کر دیتی ہے) اس کی وجہ سے علمیت اور جذباتیت کی قدر و قیمت کم ہوتی جا رہی ہے۔ آج امن عالم کے قیام اور ملک کی اقتصادی اور سیاسی ترقی کا تقاضا ہے کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر لوگوں میں رواداری، مفاہمت اور اشتراک و تعاون کا جذبہ موجود ہو۔ مگر چھوٹے چھوٹے خانوں میں علم کی تقسیم لوگوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ایک دوسرے سے علیحدہ کرتی جا رہی ہے۔

(ج) عوامی نشری وسائل (ریڈیو، ٹیلی ویژن، اور اخبار و رسائل وغیرہ) مختلف مکتب خیال کے ماننے والوں کی رائیں، نعرے اور اطلاعات بہت سرعت کے ساتھ فراہم کرتے جا رہے ہیں۔ ان میں سے واقعی کچھ بہت اہم ہیں مگر جیسا کہ تمام لوگ جانتے ہیں ان میں بہت سی برائی کی باتیں بھی پوشیدہ رہتی ہیں۔ لوگوں کو ان خطرات سے صرف اس صورت میں محفوظ رکھا جا سکتا ہے جب کہ لوگوں کو اخلاقی اور سماجی ذمہ داری کے احساس کے پیش نظر اور اس مقصد سے کہ لوگوں کے سامنے

صحیح پس منظر قائم ہو جائے، انھیں حقیقی صورت حال سے واقف رکھا جائے۔

(۷) جدید صنعت میں محنت کی باریک تقسیم، سائنس کی دنیا میں نت نئی ترقی اور خود کار مشینوں کے بڑھتے ہوئے رواج کے زیر اثر آج انسان کو زیادہ سے زیادہ فرصت کے لمحات میسر آ رہے ہیں اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ فرصت کے اوقات کے استعمال کے بارے میں تعمیری نقطۂ نظر اختیار کیا جائے، جس سے کہ فرصت کے اوقات کے مشغلے سماجی زندگی کے لیئے مفید اور شخصی زندگی کے لیئے بار آور بن سکیں۔

سماجی زندگی کے اس مختصر جائزے سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ آج سے سو سال پہلے کے مقابلے میں ہی نہیں بلکہ ۴۰ سال پہلے کے مقابلے میں بھی اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت کئی گنا زیادہ ہو گئی ہے۔ اس پس منظر میں یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ "اڈلٹ ایجوکیشن" کے ماتحت جو مختلف کام آتے ہیں ان میں سے بہت سے کام ایسے ہیں جنھیں صرف یونیورسٹیاں ہی اچھی طرح انجام دے سکتی ہیں۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے بہت سے پہلو ہیں۔ وہ یونیورسٹیاں جو صحیح انداز پر بستی کی خدمت کا کام کرنا چاہتی ہیں اور یہ چاہتی ہیں کہ ان کے کاموں کے نتائج سوسائٹی کے لیئے مفید شکل میں برآمد ہوں، وہ بہت دنوں تک اپنی اس ذمہ داری سے پہلو نہیں بچا سکتی ہیں۔

اگر کوئی شخص اڈلٹ ایجوکیشن کی وسیع سرزمین کا نقشہ بنانے کی کوشش کرے اور اس کا موٹا سا خاکہ تیار کرے جس میں تفصیلات کا رنگ نہ بھرا ہو تو وہ موٹے طور پر کچھ اس طرح کا ہوگا۔

(۱) عام آدمیوں کے لیئے مختلف موضوعات پر پبلک لیکچروں کا اہتمام

(۲) مخصوص طبقوں کے لیئے مختلف نصابوں کی تعلیم

(۳) پیشہ ور لوگوں کے لیئے تسلسلی تعلیم کا اہتمام　(اعادی کورسوں، گرمائی اسکولوں اور باقاعدہ کلاسوں کے ذریعہ) یہ کورس مختصر اور لمبی مدت کے بھی ہو سکتے ہیں۔

(۴) ایسے مرکزوں کا قیام جہاں بستی کے لوگ آزادو پسند خیالات اور ذہن کے دریچوں کو کھولنے والی تعلیم سے مستفید اور لطف اندوز ہو سکیں۔

(۵) سیمینار، بحث مباحثے کے حلقوں اور دوسری ایسی سرگرمیوں کا اہتمام کرنا جس سے لوگوں کو کامیاب شہری زندگی گذارنے اور اسی کے ساتھ ملک اور ساری دنیا سے برادرانہ تعلقات قائم کر کے کامیاب

زندگی گذارنے میں مدد ملے۔

(۶) اڈلٹ ایجوکیشن کے مضمون کا باقاعدہ مطالعہ کرنے کے لیۓ نصاب تیار کرنا۔

(۷) اڈلٹ ایجوکیشن کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق اور ریسرچ کا کام

(۸) سماج کے بالغ افراد کی ضرورتوں اور دلچسپیوں کا ان کے ذاتی اور طبقاتی حالات کے پیش نظر پتہ لگانا۔

(۹) اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں مختلف حیثیت سے کام کرنے والے لوگوں کو ٹریننگ دینا۔

(۱۰) بستی کی تہذیبی اور علمی زندگی کو جلا بخشنا۔

یہاں یہ بات صاف نظر آئے گی کہ اڈلٹ ایجوکیشن کی یہ اسکیم انسانی اور تعلیمی ضروریات کے ایک خاصے بڑے علاقے کا احاطہ کر لیتی ہے۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے شعبوں کو اس سلسلے میں جو کورس جاری کرتے ہوں گے وہ بہت زیادہ ہو سکتے ہیں۔ ہر شعبہ اپنے حالات کے مطابق خود اپنے کام کی ترتیب قائم کرے گا۔ اس پروگرام کی ساری توجہ اس بات پر ہے کہ اس کے زیر اثر ہر طرح کے لوگوں کے علم، مہارت اور کارکردگی میں اضافہ ہو خواہ وہ معمولی حیثیت کے انسان ہوں یا کسی فن کے ماہر۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے شعبے کا قیام: کچھ مسائل

ایک یونیورسٹی کو اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن کا شعبہ قائم کرنے میں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا ہوگا۔ ان مسائل کی طرف ہر یونیورسٹی کو اپنے وسائل اور حالات کے مطابق توجہ دینی ہوگی۔ وہ مسائل کچھ اس طرح کے ہوں گے۔

(۱) شعبے کی عام انتظامی نوعیت کیا ہو۔ اس کا سربراہ یونیورسٹی کا کوئی معلّم ہو یا ایڈمنسٹریٹر۔

(۲) درس و تدریس کا کام کرنے والے یونیورسٹی کے دوسرے شعبوں کے ساتھ اس شعبے کا تعلق کس نوعیت کا ہو۔ ایکسٹنشن پروگرام کے سلسلے میں یونیورسٹی کے دوسرے تعلیمی شعبوں پر کتنی ذمہ داری ہے۔

(۳) یونیورسٹی کے الحاقی کالجوں کے پرنسپل اور اساتذہ کو اس پروگرام میں کس طرح شریک کیا جائے

(۴) مالی وسائل کی فراہمی اور اخراجات کا تعین

(۵) جب اڈلٹ ایجوکیشن کا شعبہ ایک باقاعدہ تعلیمی شعبہ بن جائے تو اس حالت میں اس کے انتظامی کاموں

کی کیا نوعیت رہے،

(۶) طریقہ کار کے انتخاب اور کارکنوں کی دورانِ ملازمت میں ٹریننگ کا مسئلہ۔

(۷) کارکنوں کا انتخاب ــــ تعلیمی اور انتظامی دونوں کاموں کے لئے

(۸) یونیورسٹیوں کے وقار کے مطابق اعلیٰ معیار قائم رکھنے کا مسئلہ

(۹) شعبے کے تعلقات عامہ کے کام کی نوعیت اور

(۱۰) اڈلٹ ایجوکیشن کے دوسرے اداروں ــــ مختلف سطح کے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں ــــ سے تعلقات

یہاں ان سب پر تفصیل سے بحث کرنے کا موقع نہیں ہے۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کا شعبہ جوں جوں ترقی کرتا جائے گا ان مسائل پر زیادہ سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہوگی۔

وسائل کی فراہمی

مالی وسائل کی فراہمی البتہ ایسا موضوع ہے جس پر غور کر لینا چاہیئے۔ اس سلسلے میں میں یہی کہوں گا کہ جب بھی یونیورسٹی کے اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کی ضرورت کا موضوع زیر بحث آئے تو اس پر بہت گہرائی سے اور کھلے دماغ سے غور کیا جانا چاہیئے۔ یہ بہر حال ایک حقیقت ہے کہ اس پروگرام سے اطمینان بخش نتائج صرف اُسی حالت میں نکل سکتے ہیں جب کہ اس کے لیئے کافی وسائل فراہم کئے گئے ہوں۔ ہمارے ملک کے لیئے چونکہ یہ بالکل نیا کام ہوگا اس لیئے اس پہلو پر بہت زیادہ زور دینے کی ضرورت ہوگی۔ یونیورسٹی کے اس مفید پروگرام کو ــــ ریاستی حکومت، مرکزی وزارتِ تعلیم، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اور عام جنتا کا پورا پورا تعاون حاصل ہونا چاہیئے۔ امریکہ، کناڈا اور برطانیہ کی حکومتیں تسلسلی تعلیم کے لیئے رقم فراہم کرتی ہیں۔ انگلینڈ میں تو اس کام کے لیئے گرانٹ دینے کا قاعدہ ایسا ہے کہ ان اداروں کو ہر سال سرکاری امداد کی غیر یقینی صورتِ حال کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

یونیورسٹیوں کا اپنا مفاد:-

برطانیہ کی یونیورسٹی گرانٹس کمیٹی نے ۱۹۴۸ء میں یہ خیال پیش کیا تھا کہ یونیورسٹی کے اڈلٹ ایجوکیشن کے کام کو اس حیثیت سے نہیں دیکھنا چاہیئے کہ یہ ایک ایسا خدمت کا کام ہے جو یونیورسٹیاں باہر کے لوگوں کو سہولیت

بہم پہنچانے کے مقصد سے انجام دیتی ہیں بلکہ اس کام کو رنس والٹر موبرلی کے الفاظ میں "یونیورسٹی کی عام سرگرمیوں کا لازمی جز سمجھنا چاہیئے"۔ ایک دوسرے ماہر تعلیم سر ایرک ایشبی کا یہ خیال ہے کہ یونیورسٹی کی ذمہ داریوں کا دائرہ عام جنتا تک پھیلا ہوا ہے۔ اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے یہ ماہر تعلیم یہ بھی کہتا ہے کہ "بہت سی یونیورسٹیاں اپنے یہاں جو ایکسٹرا میورل پروگرام پر بہت زور دیتی ہیں تو وہ ایسا خود اپنے مفاد کے پیش نظر کرتی ہیں۔ اس میں صرف اس جذبے کی کارفرمائی نہیں رہتی ہے کہ یونیورسٹی کے عالموں پر اپنے ملک کے دوسرے شہریوں کے لیئے بھی کچھ فرائض ہیں بلکہ یہ بات بھی کارفرما رہتی ہے کہ اس طرح یونیورسٹیاں اپنے زمانے کے اقتصادی اور سماجی مسائل سے روشناس رہتی ہیں اور انھیں ان لوگوں کے درمیان کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے جن کے ٹیکسوں کے سہارے انھیں مالی وسائل فراہم ہوتے ہیں۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کا تصور اور اس میدان میں دوسرے ملکوں کے تجربے ہمارے لیئے مشعلِ راہ ہیں۔ ان ملکوں کی یونیورسٹیوں کے مقابلے میں —— جو نسبتاً نئے ملک کہے جا سکتے ہیں —— خود ہم نے اس میدان میں کیا کام انجام دیا ہے؟ اس میدان میں ہمارا کارنامہ کورے کاغذ کی طرح بے داغ ہے اور یہی اس کا سب سے بڑا حسن ہے۔ دنیا نے اس میدان میں جو کچھ حاصل کیا ہے ہم نے اس کی طرف سے ایک فلسفیانہ بے اعتنائی برتی ہے ہمارے ملک کی گنتی کی چند یونیورسٹیاں عوام کے لیئے ہلکے پھلکے لیکچروں کا سلسلہ منعقد کر کے ایکس ٹنشن پروگرام چلاتی ہیں۔ یہ بلاشبہہ مفید کام ہے مگر اس میدان میں بھی ہماری کامیابی بہت محدود رہی ہے۔ ملک کے کچھ علاقوں میں زراعت کے ایکس ٹنشن پروگرام اور استادوں کے ریفریشر کورسوں کا اہتمام کافی مفید ثابت ہوا ہے۔ مگر جہاں تک یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کا اس کے وسیع مفہوم میں تعلق ہے وہ ابھی تک ہمارے ملک میں تسلیم نہیں ہوا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اب بھی اس میدان میں ہم اپنی کمی کو پورا کرنے کے لیئے تیار نہیں ہیں۔ یہ کانفرنس جو اس ملک میں اپنی طرح کی پہلی کانفرنس ہے، اسے اس صورتِ حال کا مکمل جائزہ لینا ہے اور یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے راستے میں حائل ہونے والے مسائل اور دشواریوں کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ہے ہمارے ملک میں اس موضوع پر غور و بحث کرنے کے لیئے یہ پہلا اجتماع ہے جب کہ دوسرے ملکوں میں اس کی قومی انجمنیں بہت پہلے سے قائم ہیں۔ امریکہ میں یونیورسٹی ایکس ٹنشن کی قومی انجمن کو قائم ہوئے ۵۰ سال گذر چکے ہیں۔

آج کے ہندوستان میں

مندرجہ بالا اختلاف کی روشنی میں یہ بات صاف ظاہر ہو چکی ہے کہ آج کی دنیا میں اڈلٹ ایجوکیشن کے ایک ہمہ گیر

پروگرام کی بہت ضرورت ہے۔ مگر تین وجہوں سے آج کے ہندوستانی سماج کے لیئے اس کی خاص طور سے بہت ضرورت ہے۔ ہندوستان میں یونیورسٹی کا پودا آج سے ۱۱۰ سال پہلے لگایا گیا تھا۔ یہ ہمارے ملک کے لیئے ایک قلمی پودا تھا آج بھی یہ پودا اس ملک کی آب و گل کو پوری طرح اپنی غذا نہیں بنا سکا ہے۔ مگر ایک تہذیب یافتہ سماج میں یونیورسٹیوں کی حیثیت اس کے تہذیبی ورثے کی محافظ اور اقدار و روایات کا اعلیٰ مرکز کی ہوتی ہے . . . ہمیں ہر جگہ سے اور ہر آدمی سے حاصل ہونے والے نئے نئے علوم کو حاصل کرنے کے لیئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیئے، مگر اسی کے ساتھ ہمیں اپنے قیمتی سرمائے کی طرف سے بے توجہی نہیں برتنی چاہیئے۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک وسیع اور جامع اسکیم ہی اس ضرورت کو پورا کر سکتی ہے۔

ہندوستان میں بالغوں کی حق رائے دہندگی کی بنیاد پر جمہوری نظام اور پارلیمانی طرز حکومت قائم ہے۔ مگر دنیا کے خاص ملکوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جہاں سماج میں اقتصادی، سماجی اور تہذیبی ترقی کے معیار میں اتنا زبردست فرق موجود ہو جتنا کہ ہمارے یہاں ہے۔ اس صورتِ حال میں اصلاح کے لیئے آج اڈلٹ ایجوکیشن کی سوچی سمجھی اسکیموں کی بہت ضرورت ہے جنھیں یونیورسٹی کے ڈپارٹمنٹ اپنی نگرانی میں چلائیں

تیسری بات یہ ہے کہ ہمارے ملک نے اقتصادی اور صنعتی ترقی کے میدان میں ترقی کے لیئے پلاننگ کی پالیسی اختیار کی ہے۔ ہمارے ترقیاتی منصوبوں کو کوئی بھی ادارہ اتنا سہارا نہیں دے سکتا ہے، جتنی کہ یونیورسٹیاں اپنے اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام کے ذریعہ سہارا دے سکتی ہیں۔

مغربی ملکوں میں بھی کچھ لوگ اڈلٹ ایجوکیشن کے ساتھ یونیورسٹی کی سوتیلی اولاد کا سلوک کرتے رہے ہیں مگر ہمارے یہاں حالت اس سے بھی گئی گذری ہے۔

یوسف کی کُنڈلیاں

ہندی شاعری میں "کنڈلی" کی قریب قریب وہی تعریف ہے جو اُردو میں رباعی کی ہے۔ عروض کی وہی پابندیاں اور وہی مضمون۔ مثلاً کنڈلی میں چھ مصرعے ہوتے ہیں۔ پہلے مصرعے میں جو لفظ سب سے پہلے آتا ہے وہی آخری مصرعے کے سب سے آخر میں بھی آتا ہے۔ تیسری پابندی یہ ہوتی ہے کہ دوسرے مصرعے کا آخری ٹکڑا تیسرے مصرعے کے پہلے ٹکڑے میں دہرایا جاتا ہے۔ مضمون زیادہ تر اخلاقی باندھا جاتا ہے، اگرچہ دوسرے مضامین بھی آسکتے ہیں۔

یہ کنڈلیاں جامعہ ملّیہ کے ہائر سکنڈری اسکول کے فزکس کے اُستاد جناب محمد یوسف صاحب یوسفؔ نے لکھی ہیں۔ موصوف اردو کے بھی بہت اچھے شاعر ہیں اور اپنے پیدائشی علاقے کی زبان بھوجپوری میں بھی نہایت کامیابی سے طبع آزمائی کرتے ہیں۔

کُنڈلیاں کہنے کو ہندی زبان میں ہیں لیکن یہ اتنی عام فہم ہندی ہے کہ اردو داں طبقے کے لئے اس کا سمجھنا نہ صرف مشکل نہیں ہے بلکہ بیحد آسان ہے اس لئے یہ کنڈلیاں ہم یہاں جوں کی توں نقل کر رہے ہیں۔

— ایڈیٹر

(۱)

کوئی دُنیا میں نہیں، دیتا اب بلیدان
کیسے دُنیا میں رہے ساتھی تیرا مان
ساتھی تیرا مان کان پر جوں نا رینگے

جب ہو کوئی کام　　یار نہ کھلائیں پھینکے
کہے یوسف کبی رائے　　آج مانو[۱] تا کھوئی
کہنے کو ہیں رہتر　　رہتر پر رہا نہ کوئی

(۲)

ڈنڈا موٹا را کھئے　　تب ہی ہوتا کام
ڈنڈے ہی کے زور سے　　دنیا کرے سلام
دنیا کرے سلام　　کام ہو جائے جلدی
رنگ چوکھا آجائے　　پھٹکری لگے نہ ہلدی
کہے یوسف کبی رائے　　کام جب ہوتا ٹھنڈا
اُسے گرم کرسکتا　　کیوں[۲] موٹا ڈنڈا

(۳)

سیدھی انگلی سے نہیں　　گھی کو سکو نکال
سیدھے سادے لوگ کی　　دُنیا کھینچے کھال
دنیا کھینچے کھال　　حال ہو جائے پتلا
مندر میں گھس لوگ　　بھگت بنتے ہیں بگلا
کہے یوسف کبی رائے　　یہاں پر مانو[۳] کی دھی[۴]
بن جاتی ہے بہو　　کرے یدی باتیں سیدھی

(۴)

سُندرتا اک ناگ ہے　　جا میں[۵] وش[۶] ادھیکا[۷] ئے
پا کا وکاٹا نا بچے　　گھل گھل کے مرجائے
گھل گھل کے مرجائے　　ہائے بھی کرنا پائے

---

[۱] انسانیت [۲] صرف [۳] مانو یعنی انسان [۴] بیٹی [۵] جس میں [۶] زہر [۷] زیادہ [۸] اس کا۔

جس جس بیتے ہے سے — چت میں چین نہ آئے
کہے یوسف کبی رائے — بات یہ من ہے کرتا
بنا پیر[1] کے پیر — کرے پیدا سُندرتا

(۵)

راون کب کا مرگیا — مرا نہ وا[2] کا راگ
راون رزپی آج بھی — جگ میں جلتی آگ
جگ میں جلتی آگ — جلاتی ہے مانو کو
جا[3] کے کارن آج — ملے ننگتی[4] دانو کو
کہے یوسف کبی رائے — ماگھ ہویا ہو ساون
ہر رُت میں ہر اُور — آج ملتا ہے راون

(۶)

گُن[5] کا نام نہ لیجئے — اَوگن[6] کا ہے راج
گن والے کا جگت میں — بنے نہ کوئی کاج
بنے نہ کوئی کاج — لئے گن کو پچھتائے
دن میں رہے اُداس — رات میں نیند نہ آئے
کہے یوسف کبی رائے — دھیان سے میرا من سُن
بدی بننا ہے بڑا — سمیٹ جگت کے اَوگن

(۷)

افسر سے مت پوچھئے — ہوتا کیوں اندھیر
ورنہ روٹی میں تیری — پڑ جائے گا پھیر
پڑ جائے گا پھیر — بعد میں کچھ نا ہووے
تجھے ملے سنیاس — بیٹھ گھر پتنی رووے

---

[1] درد، تکلیف [2] اس کا [3] جس کے [4] شیطان، بدمعاش [5] خیر، اچھائی [6] شر، برائی

کہے یوسف کبی رائے　　روز تم جاؤ دفتر
بولو مت اک شبد　　آج بھگوان ہے افسر

(۸)

مانوتا روتی رہے　　تو کا ہے پچھتائے
جاکو مرنا ہے مرے　　تو کیوں رُدن[1] مچائے
تو کیوں رُدن مچائے　　راج کر بیٹھے ٹھیٹھے
کس میں ساہس ہے یہاں　　آج جو تجھ پر اینٹھے
کہے یوسف کبی رائے　　سرہانے رکھ دا نوتا
تجھ کو کیا پرواہ　　بھلے روئے مانوتا

(۹)

نرناری کے بیچ میں　　ایک جیو ہے اور
اس کی اونچی بات ہے　　اُس کی اونچی ٹھور
اُس کی اونچی ٹھور　　پرش جو پہنے ساری
بڑا ہوے سمان　　ملے عہدہ سرکاری
کہے یوسف کبی رائے　　نکل کر دیکھو باہر
آیا ایسا سمے　　نپنسک[2] بنتے ہیں نر[3]

---

[1] واویلا [2] نامرد [3] مرد

نیشنل بورڈ آف سوشل ایجوکیشن

اسٹینڈنگ کمیٹی کی سفارش

وزارتِ تعلیم کی سوشل ایجوکیشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی نے اپنی ایک نشست میں جو ۲۶ اور ۲۷ اگست [illegible] کو منعقد ہوئی تھی، سفارش کی ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے میدان میں دوسری جو وزارتیں اور غیر سرکاری تنظیمیں کام کرتی ہیں، ان میں باہم ربط اور اشتراک عمل پیدا کرنے کی غرض سے ایک قومی پیمانے کی تنظیم نیشنل بورڈ آف سوشل ایجوکیشن کے نام سے قائم کی جائے اور اس بورڈ میں ان مختلف وزارتوں اور غیر سرکاری اداروں کے نمایندے ممبر کی حیثیت سے شامل ہوں۔ اس نشست میں منجملہ اور اراکین کے انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا بھی شریک تھے، اور ایسوسی ایشن کے نائب صدر شری اے۔ آر۔ دیشپانڈے، شری جے۔ سی۔ ماتھر آئی۔ سی۔ ایس اور ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی بطور خاص مدعو کیے گئے تھے۔

اسٹینڈنگ کمیٹی کی اس بیٹھک میں چوتھے پنجسالہ پلان کے لیے سوشل ایجوکیشن کے مقاصد اور نشانوں کے باب میں غور و فکر کیا اور طے پایا کہ چونکہ معاشی ترقی اور سماجی تبدیلی کی تحریک کا سوشل ایجوکیشن سے بہت گہرا تعلق ہے اس لیے چوتھے پلان میں اُسے پہلے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے اور ترجیحات کے ترتیب میں اُسے زیادہ اونچا مقام ملنا چاہیے۔

بالغوں کی خواندگی

اسٹینڈنگ کمیٹی نے ایک تجویز یہ منظور کی کہ ملک سے ناخواندگی کو دور کرنے کا ایک درجہ وار پروگرام

کی عمر کے زمرے میں آنے والے دنیا کے کروڑوں انسان مصیبت بھوگ رہے ہیں۔ ان اعداد کے مطابق ایسے ستم رسیدہ لوگوں کی تعداد افریقہ میں ۹ کروڑ ۴۰ لاکھ، شمالی اور جنوبی امریکہ میں ۳ کروڑ ۴۰ لاکھ، ایشیا میں ۴۲ کروڑ ۳۰ لاکھ اور یورپ میں ۹۰ لاکھ ہے۔

کانگریس کے نمایندوں کے زیر غور دوسرے مسائل بھی تھے، مثلاً خواندگی کے اس عالمی پروگرام کی مالیات، تعلیم کے نئے طریقے اور مقامی حالات سے ان کی مطابقت کا مسئلہ، قومی اور بین الاقوامی وسائل سے استفادہ کرنے کی شکلیں اور دنیا سے ناخواندگی کو ختم کرنے کی اس عالمی مہم میں جمہور کی حمایت اور تائید حاصل کرنے کے طریقے۔

ہندوستان کے وفد میں شری ایم۔ سی، چھاگلا، امیر وفد، ڈاکٹر وی کے آر وی راؤ نائب امیر وفد ڈاکٹر موہن سنہا مہتا اور شریمتی دُرگا بائی دیشمکھ اراکین وفد اور وزارت تعلیم کے ڈپٹی سکریٹری شری بی۔ این ملہان وفد کے سکریٹری کی حیثیت سے کانگریس میں شرکت کرنے والے تھے مگر بوجوہ شرکت کرنے سے معذور رہے۔

(انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن)

تعلیم و ترقی

(سوشل ایجوکیشن کا رسالہ)

ادارہ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۶ شمارہ ۱۰

اکتوبر ۱۹۶۵ء

خاص نمبر بعنوان:- مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر: تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

قیمت سالانہ چار روپے فی پرچہ ۴۰ پیسے

اس نمبر کی قیمت: ۵۰ پیسے فون: ۴۴۶۴۷

"مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم"

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے یونین پریس جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

گرام شکشن مہم

مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم کا آغاز سب سے پہلے ستارا کے ضلعے میں ہوا تھا اور اسی زمانے میں اس کی شہرت عام ہونے لگی تھی۔ سنہ ۱۹۶۴ء میں پلاننگ کمیشن کی طرف سے اس کے کاموں کا جائزہ لیا گیا۔ اس رپورٹ کا شائع ہونا تھا کہ مہم کی سارے ملک میں دھوم مچ گئی۔

خوشی کی بات ہے کہ پلاننگ کمیشن کو خاتمۂ ناخواندگی کی اس مہم سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور وہ اس تجربے کی روشنی میں خاتمۂ ناخواندگی کے موضوع پر پونا میں، ۷ سے ۱۰ ر نومبر تک ایک کل ہند سیمینار منعقد کر رہا ہے۔

ادارۂ تعلیم و ترقی نے سوشل ایجوکیشن کے دہلی کے حلقۂ احباب کو ایک بے تکلف صحبت میں "گرام شکشن مہم" پر بات چیت کرنے کی دعوت دی تھی۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہماری اس دعوت پر مرکزی وزارت تعلیم سے شری اے۔ آر۔ دیش پانڈے اور شری ایس۔ بی۔ شرما، دہلی ایڈمنسٹریشن سے شری نیکی رام گپتا اور شری بی۔ آر۔ ویاس، گرام سیوا سنگم سے شری شانگ رام پھٹک، نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر سے ڈاکٹر ایچ۔ پی سکسینہ، مسز ریکھے کماری سوشیلا جھا اور سنٹر کے سابق ڈائرکٹر شری سوہن سنگھ؛ پلاننگ کمیشن سے مسٹر جے۔ سی سکسینہ اور ادارۂ تعلیم و ترقی کے کارکنوں کے علاوہ جامعہ ملیہ سے ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب، سعید انصاری صاحب، شمس الرحمٰن محسنی صاحب اور عبدالرشید صاحب نے شرکت کی۔

یہ بے تکلف بات چیت مہم کے تقریباً سبھی پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔ ناظرین کی دلچسپی کے لیے ہم اس بات چیت کو شریک اشاعت کر رہے ہیں۔ اس بات چیت کے بعد پلاننگ کمیشن کی مذکورہ بالا ٹیم کی رپورٹ بھی شامل کر دی گئی ہے۔ — ایڈیٹر

رشید صاحب: — ہماری بات چیت کی بنیاد پلاننگ کمیشن کی یہ رپورٹ ہے جو بہت تشنہ ہے۔ سب باتوں کا جواب اس سے نہیں ملتا۔ بہت سے اہم مسائل پر یہ بالکل خاموش ہے۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس مہم کے سامنے خواندگی کا کیا معیار رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والوں کا کوئی باقاعدہ امتحان لینے کا انتظام بھی نہیں ہے۔ ایک جانچ کا ذکر ضرور آیا ہے، جس میں سو نمبر رکھے گئے تھے، اس میں ۴۰ نمبر پڑھنے کے، ۴۰ نمبر لکھنے کے اور حساب کے اور ۲۰ نمبر عام معلومات کے بتائے گئے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس جانچ سے کسی نوخواندہ کی پڑھنے کی صلاحیت کا صحیح اندازہ

کس طرح لگایا جا سکتا ہے؟ اس لیئے کہ اس جانچ میں وہ آدمی جس کی کہ عام معلومات اچھی ہے پڑھنے کی کم صلاحیت کے باوجود امتحان میں پاس ہو سکتا ہے۔

گرام شکشن مہم کی جس رپورٹ کی بنیاد پر ہم یہ بات چیت کر رہے ہیں وہ خود بہار اسٹیٹ کے محکمۂ تعلیم کی ایک رپورٹ کی بنیاد پر تیار کی گئی ہے۔ محکمۂ تعلیم کی رپورٹ ایک سوالنامے کی بنیاد پر کی گئی ہے جس کو بہت زیادہ سائنٹفک نہیں کہا جا سکتا ہے۔ پلاننگ کمیشن کی اسٹڈی ٹیم کی رپورٹ میں بہت سی خامیاں ہیں اور وہ بہت تشنہ ہے۔ بہت سے نتائج تقابلی مطالعے کے بغیر اخذ کر لیئے گئے ہیں۔ جیسے ایک جگہ کہا گیا ہے کہ گرام شکشن مہم والے علاقے میں اسکول میں بچّوں کی تعداد کافی بڑھ گئی ہے۔ مگر یہ نتیجہ کیسے نکالا گیا جب کہ مہم شروع ہونے سے پہلے اور اس کے بعد اس سلسلے میں کوئی باقاعدہ ریسرچ نہیں کی گئی۔

شری ایچ۔ پی سکسینہ: ۔رشید صاحب کے سوالوں کا تعلّق ریسرچ کے طریق کار سے زیادہ ہے۔ رینگے صاحب یا شری جے۔ سی سکسینہ صاحب ان باتوں پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ اس لیئے کہ پلاننگ کمیشن کی اسٹڈی ٹیم میں یہ لوگ موجود تھے۔

مہم میں خواندگی کا معیار:۔

مسٹر رینگے: ۔ ہم لوگوں نے گرام شکشن مہم کی جو اسٹڈی کی تھی وہ 'اسٹڈی' تھی کوئی 'ریسرچ' نہیں۔ ہم لوگوں نے گرام شکشن مہم کے علاقوں میں جا کر لوگوں کی خواندگی کی اپنے طور پر جو جانچ کی ہے اس سے ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے اس کا معیار فنکشنل لٹریسی یا کارآمد خواندگی کا ہے۔ ۴ مہینے میں یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس اسکیم کے ماتحت خواندگی کا یہ پروگرام سارے گاؤں کا پروگرام بن جاتا ہے۔ خواندگی کی مشق کو بنائے رکھنے والے (فالواپ) پروگرام کمزور ضرور ہیں مگر سارے گاؤں کو خواندہ بنانے کی اسپرٹ جہاں موجود رہی ہے وہاں اس کے حیرت انگیز نتائج نکلے ہیں خواندگی کا ابتدائی پروگرام چار ماہ کا ہوتا ہے۔ اس میں ایک پرائمر پڑھا دی جاتی ہے جس میں ۱۸ اسباق ہیں۔ ان کو پڑھنے کے بعد ایک آدمی اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اخبار کی موٹی موٹی سُرخیاں پڑھ لے۔ ہم نے ایک گاؤں میں تو یہ بھی دیکھا ہے کہ ایک عورت بھرے مجمعے میں آئی اور اپنے پڑھے ہوئے سبق کو سُنا ڈالا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ سارے گاؤں کو خواندہ بننے کی تحریک پیدا کرنے میں اس طرح کی باتوں کی بڑی اہمیت ہے۔

خواندگی کا معیار یہاں کم ضرور ہے مگر سارے گاؤں کا پروگرام بن جانے کا کچھ اپنا فائدہ بھی ہے۔ اس سے خواندگی کے منتقی پروگراموں یا فالواپ پروگراموں میں مدد لی جا سکتی ہے فالواپ پروگرام بہرحال کمزور ہے۔

رشید صاحب:۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فالواپ پروگرام کے لیئے گاؤں والوں میں کوئی موٹیویشن یا تحریک نہیں ہے

مہم کی اصل بنیاد

دِش پانڈے جی:۔ گرام شِکشن مہم کے سلسلے میں ابھی تک ہماری بات چیت اس کے نتائج کو لے کر چل رہی ہے مگر میں تو پہلے ان اصولوں پر بات کرنا چاہتا ہوں جو اس مہم کی بنیاد میں مضمر ہیں۔ میں خود بھی اس مہم کے کاموں کو دیکھ چکا ہوں۔ ابھی یہاں چار مہینے کی پڑھائی کی بات کہی گئی ہے۔ چار مہینے کی مدّت یا کسی بھی مدّت پر اصرار کرنا گرام شِکشن مہم کا بنیادی خیال نہیں ہے۔ لوگوں کی سہولت اور سیکھنے کی قوت کے مطابق یہ مدّت اس سے کم یا زیادہ ہو سکتی ہے۔

خوبیاں

گرام شِکشن مہم کے خیال میں کچھ خوبیاں ہیں اور کچھ خامیاں بھی۔ خواندگی کے پروگرام اور منصوبہ بندی کے سلسلے میں اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے کلاس روم کے طریقے کو چھوڑا ہے۔ کلاس روم کے طریقے کو اختیار کرنے میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ سب وقت کی پابندی کریں، ایک وقت میں جمع ہو کر پڑھیں اور سب کے پڑھنے کی رفتار ایک جیسی ہو یہ ممکن نہیں کہ سب کے سب لوگ ایک ایک وقت میں خالی ہوں۔ مہم کے پیچھے اصل خیال یہ نہیں ہے کہ ناخواندہ لوگوں کو کلاس میں بلایا جائے بلکہ یہ ہے کہ ناخواندہ لوگوں کے پاس خود پہنچا جائے۔ پڑھائی میں کوئی ایک مہینہ تو کوئی ایک سال لے سکتا ہے۔ کلاس روم کے طریق کار پر اصرار نہ کرنا اس کی پہلی خوبی ہے۔

اس کی دوسری خوبی وسائل کی فراہمی کے سلسلے میں ہے۔ خواندگی کی تعلیم کے لیئے کلاس اور پڑھائی کے ہر طرح کے سامان مہیا کرنے کی ذمّہ داری گاؤں پنچایت کی ہوتی ہے۔ اس سے وہ ساری الجھنیں دور ہو جاتی ہیں جو اوپر سے نیچے تک خواندگی کی کلاس کے لیئے ضروری سامانوں کو گاؤں تک پہنچانے کے انتظامات کے

سلسلے میں ہوتی ہیں۔ یہ پنچایت پر ایک بوجھ ضرور ہے اس لیئے کہ یہ سارے اخراجات خود انھیں برداشت کرنے ہوتے ہیں۔

اس مہم کی تیسری خوبی سارے گاؤں کو خواندہ بنانے میں عظمت کا احساس ہے۔ گاؤں کی فضیلت کا احساس اس مہم میں جان ڈال دیتا ہے۔ اسی لیئے گاؤں کی فضیلت کے جشن (گرام گورو سماروہ) کی اس مہم میں بڑی اہمیت ہے۔ مہم کے سامنے مقصد کے اس لگاؤ کی وجہ سے پوری گاؤں پنچایت اس کام پر لگ جاتی ہے اس لیئے کہ مقصد ہوتا ہے پورے گاؤں کو خواندہ بنانا۔ پنچایت کے ممبر خود گاؤں کا سروے کرتے ہیں۔ یہ پتہ لگاتے ہیں کہ گاؤں میں کتنے لوگ خواندہ ہیں۔ کون کون لوگ پڑھنا لکھنا جانتے ہیں اور دوسروں کو پڑھا سکتے ہیں۔ اس سروے کے لیئے الگ سے ٹرینڈ آدمی کو رکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی

خامیاں

گرام شکشن مہم کے خیال میں کچھ خامیاں بھی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کی بنیاد گاؤں کے لوگوں کے جذبات کو اپیل کرنے پر ہے۔ مگر محض جوش و جذبے کے ماتحت جو کام شروع کیئے جاتے ہیں وہ بہت دن تک چل نہیں پاتے۔ جوش کے ساتھ جذبہ کبھی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور کام رک جاتا ہے۔ کوئی آدمی محض جذبات کی رو میں آکر کسی کام کو بہت مدت تک جاری نہیں رکھ سکتا۔

دوسرے یہ کہ خواندگی کے ٹیچر کو ٹرینڈ ہونا چاہیئے جس کی اس مہم میں گنجائش نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی جو پڑھا لکھا ہو وہ پڑھا بھی سکتا ہو۔ پڑھانا ایک ہنر ہے۔ اگر کسی کو اس کی جانچ کرنی ہو تو وہ اپنے گھر میں بچوں کو ہی پڑھا کر دیکھ لے۔

سعید انصاری صاحب: ۔ اپنے بچوں کو پڑھانا تو واقعی دشوار ہے۔ اس لیئے کہ وہاں تعلق استاد شاگرد کا نہیں باپ بیٹے کا ہوتا ہے۔

دیش پانڈے جی: ۔ خیر یہ تو میں ایک مثال دے رہا تھا۔ کچھ لوگ اچھے ٹیچر ہو سکتے ہیں، مگر سب تو نہیں ہو سکتے۔

تیسری بات یہ کہ خواندگی کی مشقی سرگرمیاں یا فالو اپ پروگرام سے اس مہم کا تعلق کچھ اکھڑا اکھڑا سا ہے جس کی وجہ سے خواندہ بننے کے بعد نا خواندگی کی طرف واپس آنے کا اندیشہ بہت

زیادہ ہے، گرام شکشن مہم کی یہ سب سے بڑی خامی ہے۔

کامیابی

سارے گاؤں کو، خواندگی کے پروگرام کے لئے، ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دینے میں اسے حیرت انگیز کامیابی ہوئی ہے۔ ملک کو اس مہم کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ یہ ایک نمونے کی اسکیم اسی وقت بن سکتی ہے جب اسے خواندگی کی تعلیم کے ایک مکمل منصوبے کے جزو کی حیثیت سے اپنایا جائے۔

اب رہی خرچ کی بات تو اس رپورٹ کی بنیاد پر ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ فی کس خرچ ایک روپیہ نہیں، چار اور پانچ روپئے بھی نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ آتا ہے۔ چوتھے پنچسالہ پلان میں گرام شکشن مہم کے خیال کو اپنایا جا سکتا ہے مگر وہ خواندگی کے ایک مکمل اور جامع منصوبے کے ماتحت۔ یہاں میں ویلتھی فیشر کا ایک قول دہرانا چاہوں گا، وہ اکثر کہا کرتی ہیں کہ "خواندگی کے باقاعدہ اور جامع پروگرام کا کچھ اور بدل ہو ہی نہیں سکتا ہے۔"

گرام شکشن مہم گاؤں کی سطح پر خواندگی کے پروگرام کے لئے مناسب فضا تیار کرنے کی ایک مؤثر اسکیم ہے۔ اور اسے اسی حیثیت سے دیکھنا چاہئے۔ نہیں تو ہمیں خواندگی کے دوسرے تجربات کی طرح اس کی طرف سے بھی مایوسی اٹھانی پڑے گی۔

پتھک جی: ۔ دنیش پانڈے جی کی بات میں بہت غور سے سن رہا تھا، مجھے تعجب ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

شرما جی: ۔ پتھک جی آپ دنیش پانڈے جی کی موافقت میں بول رہے ہیں یا مخالفت میں　　(قہقہہ)

پتھک جی: ۔ اچھا بھئی موافقت مخالفت کی بات کو چھوڑے دیتا ہوں، سب سے پہلے ایک بات یہ کہنا چاہوں گا کہ گرام شکشن مہم کے سلسلے میں گرام پنچایت کا بار بار ذکر آیا ہے۔ گرام پنچایت ایک اسٹوچیری یا قانونی ادارہ ہے، اس کے لئے گرام سبھا یا گاؤں سماج کا لفظ استعمال کرنا زیادہ اچھا رہے گا، اس لئے کہ یہ کام پورے گاؤں سماج کا ہے صرف گرام پنچایت کا نہیں۔

دوسری بات وہ ہے جس میں مجھے دنیش پانڈے جی سے اختلاف ہے۔ میرے نزدیک صرف اسی کام میں استحکام اور استقلال پیدا ہو سکتا ہے جس کی بنیاد جذبات کی اپیل پر ہو۔ دھرم جذبات کو اپیل کرتا ہے، اسی لئے اس کی جڑیں کافی مضبوط ہیں۔

پھر دنیش پانڈے جی نے گرام شکشن مہم کے کچھ کمزور پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر کمزوریوں سے گھبرا کر

اسے چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تعجب اس بات کا ہے کہ گرام شکشن مہم کے نام سے ہم نے اور جگہوں پر اس طرح کا پروگرام شروع کرکے اسے مضبوط بنانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔

مہم کا جادو

گرام شکشن مہم کا جادو یہی ہے کہ اس کے ماتحت خواندگی کا پروگرام ایک موومنٹ یا عوامی تحریک کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دِنیش پانڈے جی نے مدھیہ پردیش میں اسی طرح کی تحریک کھڑی کرنے کی کوشش کی تھی۔ آزادی ملے اب اتنا وقت گذر چکا ہے کہ اب لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر کھڑا کرنے کا کام مشکل ہو گیا ہے۔ کمیونٹی نام کی چیز ختم ہوتی جاتی ہے۔ یہ مہاراشٹر کی خوش قسمتی ہے کہ انھوں نے اسے کوشش کرکے پھر سے زندہ کر لیا ہے۔ گرام شکشن مہم سے سیکھنے کی بات یہی ہے کہ یہاں خواندگی کے پروگرام کے لیئے گاؤں سماج کی بنیاد پر ایک تحریک کھڑی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں اس میں کوئی کمزوری نہیں دیکھتا۔

اعداد و شمار سے بالاتر:۔

ہماری ایک بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم ہر چیز کو اعداد و شمار کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ بھودان اور گرام دان کی تحریکوں کا کیا حشر ہوا؟ کن آدرشوں کو لے کر یہ تحریک چلی تھی مگر آج اس کی کامیابی بھی اعداد و شمار کی محتاج ہو کر رہ گئی ہے۔ ہمیں کم سے کم گرام شکشن مہم کی کامیابی اور ناکامی کا معیار محض اعداد و شمار کو نہیں بنانا چاہیئے۔

البتہ ایک بات ضرور سوچنے کی ہے کہ اس پروگرام کا فنکشنل لٹریسی یا کارآمد خواندگی سے کیا تعلق قائم ہو سکتا ہے۔

مہم کا عملی پہلو:۔

ویاس جی:۔ میں ممبئی گیا تھا۔ کولہاپور، ساملی اور احمد نگر میں میں نے کئی گاؤں میں کاموں کو دیکھا۔ گرام شکشن مہم کے تین پہلو ہیں۔

(۱) گرام سنکلپ (پورے گاؤں کا عہد)

(۲) خواندگی کا عملی پروگرام اور

(۳) گاؤں کی فضیلت کا جشن (گرام گورو سمارمبھ) یعنی اس بات کا اعلان کہ اب گاؤں میں کوئی ناخواندہ نہیں رہا)

میں نے اپنے دورے میں یہ تینوں اسٹیج دیکھے۔ گرام سنکلپ یا گاؤں کے لوگوں کا ناخواندگی کو ختم کرنے کا عہد ایک نئی چیز لگی۔ خواندگی کے عملی پروگرام کی میں نے دو شکلیں دیکھیں (۱) گروپ کلاس اور (۲) ہوم کلاس یا خانگی کلاس۔

ان کلاسوں میں جو کارکن کام کرتے ہوئے میں نے دیکھے ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اسکولوں کے ٹیچر

(۲) گاؤں کے تعلیم یافتہ رضاکار اور

(۳) اسکول کے طالب علم

جہاں تک فنکشنل لٹریسی کا تعلق ہے میں تو یہی کہوں گا کہ اس کا فنکشنل لٹریسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک تو خواندگی کا معیار کچھ اونچا نہیں ہے، دوسرے فالواپ پروگرام کا باقاعدہ انتظام نہیں ہے، اس لئے ناخواندگی کی طرف واپس لوٹنے والوں کا اوسط یہاں بہت زیادہ ہے۔

میں نے کچھ ایسے گاؤں بھی دیکھے جہاں دو یا تین مہینے پہلے گرام گر رد سمارمبھ ہو چکا تھا، یعنی یہ اعلان کیا جا چکا تھا کہ اس گاؤں میں اب کوئی ناخواندہ نہیں رہا، میں نے وہاں ایک آدمی کے سامنے گاؤں کے کتب خانے کی کوئی چالیس کتابیں رکھ دیں اور پوچھا کہ ان میں سے تم کون کون سی کتابیں پڑھ سکتے ہو۔ اس نے پانچ یا چھ کتابوں کو بتایا مگر جب اس میں سے ایک کتاب دی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ اس کتاب کو بھی اب نہیں پڑھ سکتا ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی بتائی گئی کہ اس علاقے میں خشک سالی کی وجہ سے لوگ کتابیں وغیرہ کتب خانے سے لے کر نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ یہ پہلو وہاں بہت کمزور ہے۔ خواندگی کا معیار بہت ہی کم ہے، فالواپ کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے اور نہ اس کی طرف ان علاقوں میں کوئی حوصلہ ہے۔ بات یہ ہے کہ صرف رضاکاروں کی مدد سے یہ کام چل بھی نہیں سکتا ہے۔

ایک بات میں نے اور محسوس کی کہ جن کلاسوں میں اسکول کے طالب علم پڑھاتے تھے، وہاں پڑھائی کا وہ معیار نہیں تھا جو اسکول ٹیچروں کی کلاسوں میں تھا۔ اس بات کا بہرحال لحاظ رکھنا چاہیئے کہ پڑھانے والے اگر ٹرینڈ نہ ہوں تو کم سے کم پکی عمر کے ضرور ہوں۔

اچھوتا خیال

میں یہ سارا کام دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ گرام سنکلپ ایک اچھوتا خیال ہے، اس سے دلوں میں

ایک جوش پیدا ہوتا ہے۔ بچّے بوڑھے سب آجاتے ہیں۔ گرام گورو یا گاؤں کی قضیات کا مقصد ان کے سامنے ہوتا ہے یعنی یہ مقصد ایک مقررہ مدّت کے اندر گاؤں سے ناخواندگی کا خاتمہ کرکے گاؤں کی عزت کو اونچا اٹھانا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس کا خواندگی کی تعلیم میں کتنا استعمال ہوتا ہے تو میں یہی کہوں گا کہ خواندگی کی تعلیم ایک مستقل اور کل وقتی کام ہے جو صرف رضا کارانہ کوششوں کے سہارے بہت دور تک اور بہت دیر تک نہیں چل سکتا ہے۔ ایک بات مجھے اور بھی نظر آئی وہ ہے ان کلاسوں کی نگرانی اور رہنمائی کا معقول انتظام نہ ہونا۔ ضلع پریشد کے افسر تعلیم اور بلاک کے سوشل ایجوکیشن آرگنائزر اسے اپنے لئے ایک فاضل بوجھ سمجھتے ہیں۔ پھر وہ چاہیں بھی تو اس کام کو پوری طرح انجام نہیں دے سکتے ہیں اس کے علیحدہ عملے کی ضرورت ہے۔

پرائمر اور کتابوں کی تیاری

سعید انصاری صاحب: ۔ گرام شکشن مہم کی کلاسوں کے سلسلے میں پرائمر کا ذکر کیا گیا ہے ناخواندہ بالغوں کے لیے پرائمر کس بنیاد پر تیار کی گئی ہے۔ کیا اس کے لیے کوئی سائنٹیفک طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ الفاظ کا انتخاب کس طرح کیا گیا؟ پھر مختلف اسباق کے لیے موضوعات کیسے مقرر کیے گئے۔ مہاراشٹر میں ناخواندہ بالغوں کی دلچسپی اور پسند کے مضامین کے سلسلے میں کیا کوئی ریسرچ کی گئی تھی، جس سے کہ پڑھنے والوں کی دلچسپی کے موضوعات کا اندازہ کیا گیا ہو۔

مسٹر رسپگے: ۔ کتاب کے لیے الفاظ کے انتخاب اور استعمال کے سلسلے میں مراٹھی زبان میں کام ہو چکا ہے ۲۰۰۰ بنیادی لفظوں کی ایک فہرست مرتب ہو چکی ہے۔ پرائمر اور دوسری کتابوں کی تیاری میں اس کا سہارا لیا گیا ہے ڈی۔ جی۔ گوکھلے کی تیار کی ہوئی مراٹھی کی یہ فہرست کافی اچھی ہے۔ بمبئی شہر کے لیے اسی طرح کی بنیادی الفاظ کی ایک فہرست میں نے بھی تیار کی ہے۔ اب رہی بات پرائمر اور دوسری کتابوں کے اسباق کے لیے موضوع کا انتخاب تو یہ لکھنے والوں کی سوجھ بوجھ پر رہا ہے۔ جو ناخواندہ اور نوخواندہ بالغوں کے ذہن و دماغ اور ان کی دلچسپیوں سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب: ۔ گویا ان کو بالغوں کی پسندیدہ دلچسپیوں (DESIRED INTREST) کے موضوع کہا جا سکتا ہے۔

دنیش پانڈے جی :۔ لفظوں کی پہلے سے تیار شدہ فہرست کی بنیاد پر تیار کی جانے والی کتابیں ضروری نہیں کہ پڑھنے میں دلچسپ بھی ہوں۔

شرما جی :۔ ہم لوگ اتنی دیر سے باتیں کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ برکت صاحب نے شروع میں جو بات کہی تھی کہ ہمیں یہ بات چیت اس نکتہ پر مرکوز رکھنی چاہیئے کہ گرام شکشن مہم کو ملک کے لیئے ایک نمونے کی اسکیم کہنا کہاں تک مناسب ہوگا ـــــ ہم اپنے اس مقصد کے کتنے نزدیک پہنچے۔

مسٹر ریگے :۔ گرام شکشن مہم کی خوبیوں اور خامیوں کا ذکر تو اسی مقصد سے کیا جا رہا ہے۔

خواندگی کا مقصد

شری سوہن سنگھ :۔ لوگوں کو خواندہ بنانے کے پیچھے آخر ہمارا کیا مقصد ہوتا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اس مہم کے ذریعہ ہم اس مقصد کے کتنے نزدیک پہنچتے ہیں۔ دنیش پانڈے جی نے نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر میں ایک ریسرچ کرائی تھی۔ اس کی رپورٹ سے یہ پتہ چلا تھا کہ خواندگی کی کلاسوں پر جو روپیہ صرف کیا جاتا ہے وہ خواندگی کی مشق کو بعد میں جاری رکھنے والے پروگرام کی عدم موجودگی میں بے کار جاتا ہے۔ اس مہم میں ایک روپیہ فی کس خرچ بتایا گیا ہے، اگر اس سے کار آمد خواندگی کا مقصد نہ پورا ہوتا ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ ایک روپیہ بھی گڈھے میں گیا۔

پڑھنا لکھنا سکھانے سے ہمارا مقصد یہی ہوتا ہے کہ آدمی اپنی روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پڑنے پر خواندگی کا استعمال کر سکے۔ گرام شکشن مہم اس مقصد کے کتنے قریب لاتی ہے؟ اگر تھوڑا بہت قریب بھی پہنچاتی ہے تو ٹھیک ہے۔

خواندگی ہمارا طرز حیات بنے

ہاں اس مہم کا اپنا فائدہ ضرور ہے۔ اس نے کلاس کے طریق کار کو چھوڑا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کچھ لوگ اپنے طور پر خواندگی کا پروگرام چلا سکتے ہیں۔ جب تک ہماری قوم میں پڑھا لکھا ہونا آزادی کی زندگی کا جزو نہ بن جائے اور ہماری قوم کا نظریہ حیات نہ بن جائے، خواندگی کی کوئی بھی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔

شمس الرحمٰن محسنی صاحب :- اب تک کی بات چیت سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خواندگی کے دوسرے منصوبوں کی طرح یہاں بھی ناخواندگی کی طرف واپس لوٹ آنے کا مسئلہ کافی دشوار شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔ ۵۰ فی صدی کے قریب لڑکوں کا تھوڑے سے وقت میں دوبارہ تقریباً ناخواندہ ہو جانا واقعی تشویشناک ہے۔

دیش پانڈے جی :- ایک گرام شکشن ہی کی نہیں یہ خواندگی کے سارے پروگراموں کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ خواندگی کے پروگرام جیسی ناکامی تو اور کہیں دیکھنے میں آتی ہی نہیں، یہاں یا تو کامیابی پوری پوری ہو نہیں تو اس پہلے کے تمام مرحلے ناکام۔ یہاں ایک بار کی ناکامی سارے پروگرام پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے

خواندگی: انقلاب کی علم بردار

رشید صاحب :- مہم کسی چھوٹے علاقے میں بند نہیں رہ سکتی ہے اس کی منصوبہ بندی اچھی طرح کی جانی چاہئیے۔ مہم اگر وقتی نوعیت کی ہوگی تو وہ جلدی ہی دم توڑ دے گی۔ مہم کے لیے جذبات کو اپیل کی جا سکتی ہے۔ گاندھی جی نے خواندگی کے کام کو پسند کیا تھا اور اُسے چلایا بھی مگر اسے کبھی اپنا نظریہ حیات نہیں بنایا۔

شری سوہن سنگھ :- آپ کا اشارہ تپھاک جی کی طرف ہوگا۔۔۔ (قہقہہ)

رشید صاحب :- تپھاک جی نے گاندھی جی کی رہنمائی میں خواندگی کا کام ضرور کیا ہے۔ مگر گاندھی جی نے اپنے تعمیری پروگراموں میں خواندگی کو وہ جگہ نہیں دی جو کھادی کے پروگرام کو دی۔ ویت نام میں فرانسیسی سامراج کے خلاف جب جنگ جاری تھی اس وقت خواندگی کے کام کو انھوں نے انقلاب کا نشان مانا تھا اس وقت انھوں نے نعرہ دیا کہ "ایک آدمی کو خواندہ بنانا فرانسیسی سامراج کے خلاف ایک گولی چلانے کے برابر ہے"۔ ہمارے یہاں خواندگی کی طرف سے کبھی ایسا انقلابی جذبہ پیدا نہیں ہوا۔

دیش پانڈے جی :- ویٹ نام، برما، انڈونیشیا وغیرہ کی مثالوں پر بہت بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر وہاں کے مخصوص حالات کو سامنے رکھنا ہوگا۔ وہاں بودھ بھکچھوؤں کا بہت اثر ہے۔

ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب :- جی ہاں! اور ہر بودھ بھکچھو پڑھا لکھا ہوتا ہے۔

شری سوہن سنگھ :- انڈونیشیا والوں کا دعویٰ ہے کہ وہاں ۸۰ فی صدی خواندگی ہے۔ مگر یہ بات کو بڑھا چڑھا کر کہنے کے شوقین ہیں۔ اس خواندگی کا معیار ہی کیا ہے؟

پچھڑے علاقے اور مہم کا طریق کار

دلیش پانڈے جی: ۔ گرام شکشن مہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس ملک کے لوگ اپنے طور پر خواندگی کا پروگرام چلا سکتے ہیں۔ اس مہم کی کامیابی کا دار و مدار اس بات پر ہوتا ہے کہ گرام پنچایت، گاؤں کے لوگ اور اسکول ماسٹر سب کا تعاون حاصل ہو اور سب میں کام کرنے کی لگن ہو۔ یہ بہت اچھی بات ہے مگر اس طریق کار کا اثر ان گاؤں کے اوپر کیا پڑے گا جو گاؤں کہ پچھڑے ہوئے ہیں۔ جن گاؤوں میں پڑھے لکھے لوگ زیادہ ہوں گے اور پنچایتیں خواندگی کے کلاس کے لیئے سامان فراہم کرنے کے وسائل رکھتی ہوں گی، وہاں یہ منصوبہ زیادہ کامیاب ہوگا اور جو پچھڑے علاقے ہیں، جہاں پڑھے لکھے لوگ موجود نہیں ہیں اور نہ گرام پنچایت کے پاس اتنے وسائل ہیں، وہ علاقہ خواندگی کے لحاظ سے اور بھی پچھڑ جائے گا۔

بھاٹک جی: ۔ اس مہم میں اصل چیز مقامی طور پر وسائل کی فراہمی نہیں ہے۔ بلکہ خواندگی کے پروگرام میں کمیونٹی کو شریک کرنا اور اس کے تعاون سے کام کرنا ہے۔ مہاراشٹر میں اس کا ایک ڈھنگ سوچا گیا، دوسرے علاقوں کے لوگ کچھ اور سوچیں۔

مہم کی نوعیت

شری جے۔ سی۔ سکسینہ: ۔ میں یہ ساری باتیں نہایت توجہ سے سُن رہا تھا، اس لیئے کہ پلاننگ کمیشن کی اسٹڈی ٹیم میں میں بھی تھا اور میں نے مہاراشٹر میں جا کر مہم کے کاموں کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اس اسٹڈی کے بارے میں ایک غلط فہمی کو بھی دور کر دوں کہ ہمارا یہ ٹور پہلے سے کسی طے شدہ پروگرام کے مطابق (CONDUCTED TOUR) نہیں تھا جہاں ہم نے مناسب سمجھا گاڑی روک دی۔ گاؤں میں بغیر اطلاع کے پہنچے، گاؤں کے لوگوں سے ملے اور وہاں کاموں کو سمجھنے کی کوشش کی۔

جو بہت سے شکوک و شبہات یہاں ظاہر کیئے گیے ہیں، اس میں سے بہت سی باتیں پلاننگ کمیشن کے سامنے بھی ہیں۔ اس کی خامیوں سے ہم بے خبر نہیں ہیں۔ ایک بات یہاں یہ کہی گئی ہے کہ خواندگی کی کلاسوں کے لیئے وسائل فراہم کرنے کی ذمّہ داری پنچایت پر چھوڑ دی گئی ہے اور تمام پنچایتیں ضروری نہیں کہ یہ چیزیں فراہم کر سکیں۔ مٹی کے تیل کے نہ ملنے کی بات بھی کہی گئی ہے تو بھی اگر گاؤں میں مٹی کا تیل مہیا نہیں ہو سکے گا تو صرف خواندگی کی کلاس میں نہیں سارے گاؤں میں اندھیرا ہو جائے گا۔

عوامی تحریک :-

گرام شکشا مہم ایک عوامی تحریک ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ایک شکایت اس بات چیت میں یہ سننے میں آئی کہ اس اسکیم کے ماتحت جو لوگ خواندہ بنتے ہیں اُن کی خواندگی بہت دن تک قائم نہیں رہتی۔ یہاں نیکی رام گپتا جی بیٹھے ہوئے ہیں، انھیں دہلی جیسے شہر میں کام کرنے کا تجربہ ہے، جب شہر میں پورے ساز و سامان سے چلائے جانے والے خواندگی کے پروگرام میں پھر سے ناخواندہ بن جانے کی شکایت رہتی ہے تو پھر یہ تو ایک مہم ہی ہے۔ اسکول کے طالب علموں سے کام لینے کی بات بھی آئی تھی۔ عورتوں کو پڑھانے اور گھر گھر کلاسیں چلانے میں اسکول کے طالب علموں سے بہت مدد ملی ہے اور یہی اس کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔

ناخواندگی کو دور کرنے کا پروگرام جب تک جنگی پیمانے پر نہیں شروع کیا جائے گا، کامیابی محال ہے۔ سوشل ایجوکیشن کے چوٹی کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس جنگ کے میدان میں اتر آئیں۔ کمیونٹی پر ذمّہ داری سونپنے کا یہ فائدہ ہے کہ وہ خود اس کے لیئے وسائل فراہم کرنے کی تدبیریں سوچے اور حکومت ان کی مدد کے لیئے تیار ہو

پچھڑے علاقوں میں مہم کے کام کی نوعیت

پلاننگ کمیشن کے سامنے پچھڑے علاقوں کی بات بھی رہی ہے۔ ان علاقوں میں مخصوص انتظام کرنے کی ضرورت ہے، اس لیئے کہ ان علاقوں میں گرام پنچایتوں میں اتنی طاقت نہیں ہے اور نہ یہاں خواندگی کی کلاسوں کو چلانے کے لیئے کافی تعداد میں پڑھے لکھے کارکن مل سکیں گے۔

جوش پیسے سے خریدا نہیں جا سکتا

ایک بات اور بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ جوش پیسہ دے کر نہیں جا سکتا ہے۔ یہاں مجھے مہاراشٹر میں اس سے بہت پہلے شروع کی گئی خواندگی کی ایک اسکیم کی بات یاد آرہی ہے۔ اس اسکیم کے ماتحت کارکنوں کو ایک ناخواندہ بالغ کو خواندہ بنانے پر ۵ روپیہ معاوضہ دیا جاتا تھا۔ یہ کارکن ناخواندہ بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے لیئے ڈھونڈتے پھرتے تھے اور گاؤں والے سمجھتے تھے کہ اس کی یہ ساری کوشش خود اپنا روپیہ بنانے کے لیئے ہے۔ خواندگی جیسے باعزت پروگرام کی کمیونٹی کی طرف سے جب تک حوصلہ افزائی نہیں ہوتی اس کی شان قائم نہیں رہ سکتی۔ یہی گرام شکشا مہم کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

ایک غلط فہمی اور دور کردوں۔ گرام شکشا مہم ایک عارضی پروگرام ہے مستقل پروگرام اس کے بعد چلیں گے۔

جیسے کہ بالغوں کے مستقل اسکول وغیرہ ہیں۔ پلاننگ کمیشن گرام شکشن مہم کو خاتمۂ ناخواندگی کا محض ایک وسیلہ سمجھتا ہے واحد وسیلہ نہیں۔ ہمارے ملک میں وسائل کی کمیابی ہے مگر زیادہ وسائل کے انتظار میں ہم کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ آگے آنے والی ندی کے انتظار میں ہم کب تک پیاسے رہیں، جو تھوڑا بہت پانی راستے میں ملتا اسے پیتے رہیں جس سے ہمیں آگے بڑھنے کی قوت ملتی رہے۔

دہلی کی مثال

نیکی رام گپتا جی: - گویا اب میری باری ہے۔ سکسینہ صاحب نے دلی کا ذکر کیا ہے۔ مہم تو میرے نزدیک ایک ہوا بنانے کی چیز ہوتی ہے وہ مستقل نہیں ہوسکتی۔ اس سے مستقل پروگراموں کے لیئے فائدہ اٹھانے کی بات سوچنی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں میں پہلے اپنے تجربات بیان کردوں۔

۱۹۴۸ء میں ہم نے دہلی میونسپلٹی میں سوشل ایجوکیشن کا کام شروع کیا۔ ۱۹۵۳ء میں ۵ سال کی محنت کے بعد دیکھا کہ کارکن اور کام کا انتظام کرنے والی ایجنسیوں کے کرتا دھرتا دونوں پریشان اور مایوس ہیں۔ میونسپلٹی کے ممبر بھی ہمارے کام کی رفتار سے مطمئن نہیں۔ اس وقت ہم نے گرمی کی چھٹی میں بڑے پیمانے پر خواندگی کی تحریک شروع کرنے کی بات سوچی۔ اسکول کے لڑکوں نے کئی ہزار ناخواندہ بالغوں کا نام لکھا اور انہیں پڑھنا لکھنا سکھایا شروع کیا۔ جانچ میں بھی کچھ لوگ بیٹھے، کچھ پاس بھی ہوئے۔ مگر میں نے اس کا کبھی وہ فائدہ نہیں سمجھا۔ میں نے اسے اپنے خواندگی کے پروگرام کے پروپیگنڈے کی حیثیت سے ہی دیکھا۔ ان محلوں میں ہمارے مرکز پہلے سے قائم تھے۔ انھوں نے اس ہوا بن جانے سے فائدہ اٹھایا۔ میں نے اس کا سب سے بڑا فائدہ خود ان لڑکوں کا سمجھا جنھوں نے اپنی مرضی سے یہ کام کرنا پسند کیا تھا۔ اس طرح ہم نے اُن کے اندر ایک لیڈر شپ کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بعد میں یہ لڑکے اسکول کے اچھے طالب علم سمجھے جانے لگے۔

۱۹۵۳ء میں میں ڈائرکٹریٹ میں آگیا۔ یہاں گاؤں میں اسی بنیاد پر کام شروع کیا گیا۔ گاؤں کے اسکولی طالب علموں کی فہرست تیار کی گئی۔ خواندگی کے خاص طرح کے کِٹ (تھیلے) بنوا کر انھیں دیئے گئے اس تھیلے میں پڑھنا لکھنا سکھانے کا سامان تھا یعنی کتابیں، سلیٹیں وغیرہ۔ ان لڑکوں سے کہا گیا کہ وہ گاؤں میں کھیت اور گھر پر جہاں لوگ فرصت سے مل سکیں انھیں کتابیں پڑھ کر سُنائیں۔ وہ خود خواہش ظاہر کریں تو انھیں پڑھائیں بھی۔ اس طرح ہم نے گھر گھر چلتا پھرتا اسکول بھیجا۔

کوئی نئی ایجاد نہیں

گرام شکشن مہم بھی اسی طرح کا کام ہے۔ میں اس کو کوئی ایجاد نہیں مانتا۔ اس میں نئی بات پورے گاؤں کو احاطہ میں لینے کی ضرورت ہے کہ پورا گاؤں اسکول بن جائے۔ پورے گاؤں کو ساتھ رکھنے کا بہت فائدہ ہے۔ لوگوں میں ایک مقابلے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ سب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔

ہم نے دہلی میں چوتھے پنچسالہ پلان کے آزمائشی پروگرام کی حیثیت سے چار گاؤں میں اس طرح کا تجربہ کیا ہے۔ پورے گاؤں کو گھیرے میں لینے کے لیے مہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر مہم کا کام تو چنگاری پیدا کرنا ہوتا ہے۔ چنگاری سے آگ بنانے کا ذریعہ مہم کے پاس نہیں ہوتا۔

گرام شکشن مہم میں گرام سنکلپ (سارے گاؤں کا عہد) کے بعد سب سے زیادہ اہمیت "گرام گورو" یا گاؤں کی فضیلت کی تقریب کی ہے۔ "اس گاؤں میں اب کوئی ناخواندہ نہیں رہا" اس بات میں بڑی جان ہے۔ اس سے دلوں میں ایک عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے، مگر اس احساس کو قائم رکھنے کا ذریعہ مہم کے پاس نہیں ہے۔ ہم نے دہلی کے جن گاؤں میں اس طرح کا کام کیا وہاں لائبریری بھی قائم کی مگر اس کام کو گاؤں پنچایت کے اوپر نہیں چھوڑا بلکہ اس کی ذمہ داری گاؤں کے نوجوان منڈل کے اوپر ڈال دی۔ پنچایت تو گاؤں کا عہد لینے میں زیادہ مفید ہو سکتی ہے۔ تشفی پروگرام یا فالواپ پروگرام نوجوانوں کے کرنے کا کام ہے، جو ضروری وسائل کی فراہمی پر منحصر کرتا ہے۔ فالواپ پروگرام کے لیے وسائل کی فراہمی کا مناسب انتظام نہ ہونے کی صورت میں ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔

برکت صاحب کا یہ سوال کہ اسے تعلیم بالغان کی ایک نمونے کی اسکیم کہنا کہاں تک مناسب ہوگا۔ جہاں تک مقصد کا تعلق ہے، وہ ٹھیک ہے۔ طریقہ کار اور وسائل کی فراہمی کے سلسلے میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ بالغوں کی خواندگی کی کوئی ایک اسکیم سارے ملک کے لیے موزوں نہیں قرار دی جا سکتی ہے۔ جب کہ ابتدائی تعلیم کے لیے کوئی ایک اسکیم سارے ملک کے لیے موزوں نہیں قرار دی جا سکتی تو بالغوں کی خواندگی کے معاملے میں تو یہ اور بھی مشکل ہے۔ مقامی حالات اور ضروریات کے مطابق ہر جگہ تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت ہوگی۔ گرام شکشن مہم میں بستی والوں کا بالارادہ میدان میں آجانے کا عہد خاص چیز ہے۔ اس کی خامیوں کی طرف پہلے ہی اشارہ کر چکا ہوں۔

مسٹر جے۔ سی سکسینہ: ۔ اسکیم میں ان تمام پروگراموں کے لیئے سوشل ایجوکیشن سنٹر قائم کرنے کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔ فالو اپ کی بہت سارے پروگرام بعد میں شروع کرنے کی ضرورت کی طرف تو ہماری رپورٹ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

نیکی رام گپتا جی: ۔ مگر ان سارے کاموں کے لیئے روپئے کا کیا انتظام کیا گیا ہے؟

دیش پانڈے جی: ۔ اس کے لیئے پلاننگ کمیشن کہے گا کہ یہ وزارت تعلیم کا کام ہے اور تعلیم کی وزارت کہہ دے گی یہ پلاننگ کمیشن کا کام ہے۔ اور پھر دونوں مل کر کہہ دیں گے کہ یہ ریاستی سرکار کا کام ہے۔

مسٹر ریگے: ۔ باقاعدہ ادارے بنا کر اڈلٹ ایجوکیشن کے مستقل پروگرام جاری رکھنا فالو اپ کا کام ہے، جو مہم کے بعد جاری رکھا جائے گا۔

دیش پانڈے جی: یہی غلطی تو ہم کرتے رہے ہیں۔ فالو اپ پروگرام کو مہم سے الگ رکھ کر نہیں دیکھنا چاہیئے۔ فالو اپ پروگرام مہم کے ساتھ الگ سے جڑا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کے اندر پیوست ہونا چاہیئے۔ خواندگی کے مستقل پروگرام کو جاری رکھنے کا انتظام کیئے بغیر صرف ابتدائی خواندگی کا پروگرام بے معنی سی چیز ہے۔ مہم کو شروع کئے ہوئے تین چار سال گذر چکے ہیں مگر فالو اپ پروگرام آج بھی ان علاقوں میں رواج نہیں پا سکا تو کیوں؟ یہی گرام شکشن مہم کی سب سے بڑی کمزوری ہے کہ اس میں فالو اپ پروگرام الگ سے جڑا ہوا ہے، اس کے اندر پیوست نہیں ہو سکا ہے۔

خواندگی کے میدان میں ایک انقلابی قدم

شری ایچ۔ پی سکسینہ: ۔ میں گرام شکشن مہم کے حق میں ہوں۔ اس کی کچھ ٹھوس وجہیں ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس میں سماج کے تمام طبقوں کا تعاون حاصل کیا گیا ہے۔ ہندوستان کی خواندگی کی تحریک میں یہ ایک بالکل نئی بات ہے۔

اس سے سماج کے تین طبقوں میں ایک دوسرے کی مدد سے کام کرنے کا رجحان بہت بڑھا ہے (۱) عوام (۲) عوام کے نمائندے یعنی پنچایت کے ممبر وغیرہ اور (۳) سرکاری ملازم اور افسر۔ ایک اور نئی بات دیکھنے میں آئی ہے کہ اس میں صرف محکمۂ تعلیم ہی نہیں بلکہ دوسرے تمام سرکاری محکموں نے تعاون کیا ہے۔ یہ ہندوستان کی خواندگی کی تحریک کے لیئے ایک دوسری نئی بات ہے۔ پھر ہمارے سیاسی رہنماؤں نے بھی اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔

خواندگی اور سماجی و اقتصادی ترقی :- ابھی شری سوہن سنگھ جی نے خواندگی کے مقصد کی بات کہی تھی میرے نزدیک اس کے علاوہ اس کا ایک مقصد اور بھی ہے اور وہ ہے لوگوں کو سماجی اور اقتصادی ترقی کے لیے تیار کرنا۔ گرام شکشن مہم نے سماجی و اقتصادی ترقی اور خواندگی کے درمیان رشتہ قائم کیا ہے۔ میں نے ایک گرام گورو سماروہ میں حصّہ لیا۔ میں نے دیکھا کہ اس پروگرام کے اثر سے عورتوں کی سماجی حیثیت بڑھتی جا رہی ہے۔ کئی ایک عورتیں بھری محفل میں آئیں اور انھوں نے اپنا سبق پڑھ کر سُنایا۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اس مہم پر جو کچھ تھوڑا بہت خرچ آ رہا ہے اسے اس کے محض اسی نتیجے کی وجہ سے حق بجانب کہا جا سکتا ہے۔ اس میں کچھ خامیاں بھی ہیں مگر ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن خامیوں کو دور کریں۔

عوامی تحریک اور مستقل پروگرام :- مہم ایک عوامی تحریک ہے۔ وسیع پیمانے پر کام کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اسی کے ساتھ باقاعدہ تعلیمی اداروں کے ماتحت بھی پروگرام چلنے چاہئیں۔ اس مہم کے دوران ہی گاؤں میں اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہاں بالغوں کی تعلیم کے مستقل ادارے کھلنے لگیں۔

بالغوں کی تعلیم کے لیئے گاؤں کے مستقل اداروں کی جگہ یہ مہم کبھی نہیں لے سکتی۔ ان کی ضرورت تو بہر حال باقی رہنی ہے۔ اس طرح کے اداروں کے قیام کے سلسلے میں مہم کی ابتدا سے ہی توجہ دینی چاہیئے۔

میں بھی رام گپتا جی کے اس خیال سے بھی متفق ہوں کہ یہ کوئی نئی ایجاد نہیں ہے۔ دنیش پانڈے جی کی رہنمائی میں مدھیہ پردیش میں مجھے بھی کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ وہاں بھی اس طرح کا تجربہ کیا گیا تھا۔ عوامی تحریک چھیڑ کر اور کام کو بڑے پیمانے پر پھیلا کر کرنے کا طریقہ اچھا ہے مگر اس کا نتیجہ معیار کے اعتبار سے بہت اونچے درجے کا نہیں ہوتا۔ اس کوشش کو سہارا دینے اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج کو کارآمد بنانے کے لیئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ چُنے ہوئے لوگوں کے لیے چھوٹے پیمانے پر کام کے چنے ہوئے طریقے بھی اختیار کیئے جائیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مہم میں یہ انتظام بھی ہونا چاہیئے کہ ابتدائی خواندگی کے ساتھ لوگ خواندگی کی منتقی کلاسوں کی طرف بھی متوجہ ہونے لگ جائیں اور اسی کے ساتھ کم عمر کے ذہین اور ہونہار نوجوانوں کے لیئے اڈلٹ اسکول کھولنے کی طرف مہم کے شروع سے ہی توجہ دی جائے۔

دنیش پانڈے جی :- اتنا پیسہ ہونا چاہیئے کہ مہم کے بعد یہ پروگرام مستقل طریقے سے جاری رہیں۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو مہم پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے، وہ سب برباد ہو جائے گا۔

اور اب حقیقی صورت حال

ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب :- ایسی ہی خامیاں ہمارے پرائمری اسکولوں کی تعلیم میں ہے۔ اسکول دنا دن کھلتے جا رہے ہیں۔ وسائل کی کمی ہے اسی لیئے اسکولوں میں سارے ساز و سامان مہیا نہیں ہو پاتے۔ تو کیا اس وقت کے انتظار میں جب کہ سارے

وسائل فراہم ہو جائیں، نئے اسکولوں کا کھلنا بند کر دیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کرنا زبردست غلطی ہوگی۔

یہ دراصل ہمارے آدرش اور حقیقی صورتِ حال کے تضاد کا نتیجہ ہے۔ آدرش ہمارا یہ ضرور ہے کہ ہم جو اسکول کھولیں وہ ہر لحاظ سے اچھے ہوں، مگر حقیقی صورتِ حال اس کی اجازت نہیں دیتی۔ تو آخر کب تک انتظار کیا جائے۔ کام کا پھیلانا بھی تو ضروری ہے۔ اگر ہمیں اپنے ملک کو خوشحال اور صنعتی ملک بنانا ہے تو ہمیں بہت جلد اپنی بالغ آبادی کی طرف توجہ کرنی ہوگی۔ بچوں کی تعلیم کے نقطۂ نظر سے بھی بالغوں کی تعلیم ضروری ہے۔

مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم کا چرچا میں نے سنا ہے۔ اس میں بنیادی بات مجھے یہ نظر آتی ہے کہ ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہونا سیکھیں۔ گاؤں کی سطح پر یہاں باہم تعاون کی بہت روشن مثال ملتی ہے۔ کمی اور کمزوری تو ہو سکتی ہے اس لیے کہ آدرش ابھی تک خوابِ پریشاں بنا ہوا ہے۔

اس مہم کا ملک میں خیر مقدم ہو رہا ہے، یہ بہت خوشی کی بات ہے مگر اس کے پیچھے صرف یہی نیت ٹھیک نہیں ہے کہ اس میں خرچ کم آتا ہے۔ دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ تعلیم کے نقطۂ نظر سے یہ اسکیم کتنی مناسب ہے۔ گرام شکشن مہم کو کچھ اور نہیں تو پہلے قدم کے طور پر ہی اختیار کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ ملک میں وسائل کی کمی ہے اور اس کی ایک خوبی یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس میں خرچ کم آتا ہے۔

یہ کوئی جادو نہیں ہے

دلیش پانڈے جی: - مگر پیسہ کم ہو تو اس حالت میں یہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اس کا زیادہ سے زیادہ مفید استعمال کریں۔ مہم پر لگایا جانا جانے والا سرمایہ اسی وقت مفید ہو سکتا ہے جب کہ اس کے بعد مستقل پروگراموں کا مستقل انتظام بھی ہو۔ نہیں تو خواندگی کے میدان میں دوسرے جادوئی فارمولے کے تجربوں کی لمبی فہرست میں یہ گرام شکشن مہم بھی نظر آئے گی اور اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو "ایچ ون ٹیچ ون" (ہر آدمی ایک آدمی کو پڑھائے) والے فارمولے کے مطابق سارے ہندوستان سے دس سال کے اندر ناخواندگی کو مکمل طریقے سے ختم کرنے والے تجربے کا ہوا۔

مہاراشٹر کی دیہی تعلیمی مہم
گرام شکشن موہم

مہاراشٹر کی خاتمۂ ناخواندگی کی تحریک کا، جو مراٹھی زبان میں "گرام شکشن مہم" کے نام سے مشہور ہے، ہندوستان میں بڑا چرچا ہے — اور چرچا بے جا بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اس تحریک کی پلاننگ کمیشن نے باقاعدہ جانچ کرائی اور اس کی رپورٹ شائع کرائی۔ اب نومبر میں پلاننگ کمیشن ہی کے زیر اہتمام خاتمۂ ناخواندگی کے موضوع پر ایک نیشنل سیمنار بھی منعقد ہونے والا ہے جو اپنے سامنے اس تحریک کو نمونے کے روپ میں رکھے گا۔

رپورٹ میں تحریک کے نتائج ہی کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے بلکہ اس کی تاریخ اور تنظیم کا طریقہ بھی مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔ رپورٹ اگرچہ ہر اعتبار سے مکمل نہیں کہی جا سکتی، پھر بھی اس کا مطالعہ سوشل ایجوکیشن خصوصاً خواندگی کے سلسلے میں کام کرنے والے کارکنوں کے لئے دلچسپ اور مفید رہے گا۔ اس لئے ہم ذیل میں اس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

— ایڈیٹر

تعارف

پروفیسر ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ کی جو پلاننگ کمیشن کے ممبر اور اس کے ایجوکیشن ڈویژن کے انچارج ہیں، خواہش تھی کہ مہاراشٹر کی دیہی تعلیمی مہم کے مختلف پہلوؤں کا اس سے متعلق افسروں، کارکنوں، اور سرکاری اور غیر سرکاری

اداروں سے مفصل بات چیت اور بحث مباحثہ کرکے موقعے پر جا کر مطالعہ کیا جائے۔ اُن کی اس خواہش کے مطابق ۱۹۶۴ء میں مجھ سے فرمائش کی گئی کہ میں مہاراشٹر جاؤں اور وہاں اس مطالعے کی غرض سے ۸ سے ۲۰ اپریل تک قیام کروں۔ اس مطالعے میں میری مدد کرنے کے لئے پلاننگ کمیشن کے ایجوکیشن ڈویژن کے ریسرچ آفیسر شری جے۔ سی۔ سکسینہ اور نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے خواندگی کے اُستاد شری کے۔ بی۔ رینگے بھی میرے ساتھ شریک تھے۔

اپنے زمانۂ قیام میں ہم نے پونا، ستارا اور سانگلی کے ضلعوں کا دورہ کیا اور بڑی تعداد میں گاؤں میں گرام شکشن مہم کا کام دیکھا۔ اس سلسلے میں ہم نے ریاستی حکومت کے ہر سطح کے افسروں اور اہلکاروں سے بات چیت اور تبادلۂ خیالات کیا ـــــ صدر مقام کے افسروں سے بھی، ضلعے اور بلاک کے افسروں سے بھی۔ اس کے علاوہ ہمیں گاؤں والوں، ٹیچروں، سیاسی کارکنوں اور اس پروگرام سے متعلق دوسرے لوگوں کے بڑے بڑے مجمعوں سے بھی باتیں کرنے کا موقع ملا۔ جس جس سے بھی ہم نے ملاقات کی ـــــ خواہ وہ پنچایت سمتیوں، ضلع پریشدوں اور گرام پنچایتوں کے ممبر تھے، یا ٹیچر، پڑھانے والے طالب علم تھے یا سماجی کارکن، اسکولوں کے طلبا تھے یا دوسرے لوگ ـــــ سب نے تبادلۂ خیالات کے دوران میں بڑی صفائی اور بیباکی سے باتیں کیں جس سے ہم لوگوں کے لئے گرام شکشن مہم سے متعلق مختلف مسائل کو سمجھنا آسان اور ممکن ہو گیا۔

محکمۂ تعلیمات سے حاصل شدہ دستاویزات، گرام شکشن مہم کی جانچ کی رپورٹ جو محکمۂ تعلیمات کی طرف سے کرائی گئی تھی، مختلف تنظیموں کی طرف سے آئے ہوئے مواد، دوسرے ذرائع سے حاصل کی ہوئی معلومات اور عوام کے ساتھ تبادلۂ خیالات اور گاؤں کے چشم دید حالات کے نتائج ـــــ یہ ہیں وہ چیزیں جن کی بنیاد پر یہ رپورٹ مرتب کی گئی ہے اور پیش کی جا رہی ہے۔

رپورٹ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مہاراشٹر میں خواندگی کی کیفیت کیا ہے۔ دوسرے باب میں گرام شکشن مہم کے اغراض و مقاصد اور کام کی تنظیم کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ تیسرے باب میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مہم کے لئے ابتدائی طریقۂ کار کیا رکھا گیا، کس طرح کا لٹریچر استعمال کیا گیا اور خرچ کا تخمینہ کیا تھا۔ چوتھے باب میں خواندگی کی ابتدائی تعلیم کے بعد آنے والی مشقی منزل (FOLLOW-UP) کے مختلف پہلوؤں کا ذکر ہے۔ پانچویں باب میں گرام شکشن مہم کے نفاذ کے بعد خواندگی کی رفتار اور کیفیت

کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور چھٹے باب میں اسکیم کی جانچ اور نتائج درج کئے گئے ہیں۔

ہم مہاراشٹر سرکار، ریاستی محکمۂ تعلیمات اور مختلف سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں کے افسران اور کارکنوں کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے جنھوں نے گرام شکشن مہم کے مطالعے کے سلسلے میں ہمیں قدم قدم پر سہولتیں بہم پہنچائیں۔ دورانِ مطالعہ اور اس مقصد کے لئے گاؤں کا دورہ کرنے کے زمانے میں ہمارا بڑا خیال رکھا گیا اور ہمارے ساتھ تعاون کیا گیا۔

پروفیسر کے۔ آر۔ وی۔ راؤ
ممبر (ایجوکیشن) پلاننگ کمیشن

ایس۔ این۔ صراف
۲۲ر اپریل ۱۹۶۴ء

پہلا باب

مہاراشٹر میں خواندگی کی صورتِ حال

مہاراشٹر کی آبادی، اور خواندہ لوگوں کی تعداد اور اوسط فی صدی جو ۱۹۶۱ء کی مردم شماری پر مبنی ہے نقشہ نمبر ایک میں ملاحظہ فرمایئے

نقشہ نمبر ایک: کل آبادی، خواندہ اور ناخواندہ آبادی

نمبر شمار		اشخاص	مرد	عورتیں
۱	۲	۳	۴	۵
(۱)	آبادی	۳ کروڑ ۹۵ لاکھ	۲ کروڑ ۴ لاکھ	۱ کروڑ ۹۱ لاکھ
(۲)	خواندہ آبادی	۱ ″ ۱۸ ″	۸۶ لاکھ	۳۲ لاکھ
(۳)	ناخواندہ آبادی	۲ ″ ۷۷ ″	۱ کروڑ ۱۸ ″	۱ کروڑ ۵۹ ″
(۴)	مہاراشٹر میں خواندگی کا اوسط	۲۹٫۹ فی صدی	۴۲٫۱ فی صدی	۱۶٫۸ فی صدی
(۵)	ہندوستان میں ″ ″	۲۴٫۰ ″	۳۴٫۴ ″	۱۲٫۹ ″

لیکن بہرحال ۱۴ سے ۵۰ سال کی عمر کے لوگوں اور ان میں خواندہ لوگوں کی کل تعداد علی الترتیب ۲ کروڑ ۱ اور ۲۷ لاکھ ہوگی۔ اس طرح عمر کی اس منزل میں آنے والے لوگوں میں خواندہ اشخاص کی کل تعداد ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق موٹے حساب سے ایک کروڑ ۳۰ لاکھ ہوگی۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے اعداد سے موجودہ اعداد کا مقابلہ نہیں کیا جا سکا اس لئے کہ ریاست نئی تنظیم کے مطابق ۱۹۶۰ء میں بنی۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری

کے مطابق قدیم ریاست بمبئی میں خواندگی کا اوسط ۲۱ء۷ فی صدی تھا۔

دوسرا باب

اغراض و مقاصد اور طریقۂ تنظیم

۱۹۵۹ء سے پہلے بالغوں کی خواندگی کی کلاسیں وقتی جوش کے زیرِ اثر کہیں کہیں چلائی جاتی تھیں اور کچھ عرصے تک
[گ]منامی میں کام کرنے کے بعد ختم ہو جاتی تھیں۔ ۱۹۵۹ء میں پہلی مرتبہ خواندگی کی تحریک کو عوام میں پھیلانے اور اُسے اُن کی
[اپ]نی تحریک بنانے کا خیال آیا اور اس کا تجربہ پہلے ستارا ڈسٹرکٹ میں کیا گیا۔ سب سے پہلے بڑے بڑے جلسے منعقد کر کے
[لی]ڈروں اور گاؤں کے لوگوں کے اوپر خواندگی کی ضرورت اور اہمیت واضح کی گئی۔ ان جلسوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام
[او]ر کارکن، دونوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا اور نوخواندہ اشخاص کا سالانہ اوسط جو ۱۹۵۹ء سے پہلے کل ۳۰۰۰
[ت]ھا، ۱۹۵۹ء میں بڑھ کر ۱۱۰۰۰ ہو گیا۔ ۶۰-۱۹۵۹ء میں تحریک نے جب زور پکڑا اور گاؤں اس معاملے میں ایک دوسرے
[ـ]سے سبقت لے جانے کی بات سوچنے لگے، یہ تعداد دگنی ہو گئی۔ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ستارا ضلعے کے اندر نئے
[خ]واندہ ہونے والے اشخاص کی تعداد مبالغہ نما حد یعنی ایک لاکھ نو ہزار تک پہنچ گئی۔ اور اب کیفیت یہ ہو گئی تھی
[کہ] پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لیے ٹیچر اور خواندگی کے کارکن گاؤں والوں کے پاس نہیں جاتے تھے بلکہ گاؤں والے خود
[ٹی]چر اور کارکن کے پاس آنے لگے۔ ۷ار اپریل ۱۹۶۱ء سے مہم کو دوسرے ضلعوں میں بھی پھیلایا گیا اور اس وقت
[(]اپریل ۱۹۶۴ء) تک اس مہم کو تین سال پورے ہو گئے ہیں۔

مہم کے مقصد کے چند اہم پہلو حسب ذیل ہیں

(۱) خواندگی کی کلاسیں چلا کر ۱۴ سے ۵۰ سال تک کی عمر کے لوگوں سے ناخواندگی کا خاتمہ

(۲) گشتی کتب خانے کی ایک اسکیم کے ذریعے خواندگی کو بحال اور مستحکم اور کارآمد بنانا۔

(۳) سوشل ایجوکیشن کے سنٹر قائم کر کے گاؤں کی ہر جہتی ترقی کا سامان کرنا۔

اس مہم کے احاطے میں ۱۴ سے ۵۰ سال کی عمر کے سب لوگوں کو جن میں عورتیں اور مرد سب شامل ہیں، لیا گیا ہے۔

مہم کی مدت چار مہینے رکھی گئی ہے اور مقصد یہ رکھا گیا ہے کہ اس مدت میں پورے گاؤں کو خواندہ بنا دیا جائے۔

دیہی تعلیم کی اس مہم کا تنظیمی ڈھانچہ اس طرح رکھا گیا ہے:

جب کسی گاؤں کو مہم کے لیئے منتخب کر لیا جاتا ہے تو مہم کو چلانے کے لیئے پہلے ایک انتظامی مجلس بنائی جاتی ہے جس میں دس سے پندرہ ممبر ہوتے ہیں اور ان میں گاؤں کا پٹیل (مکھیا) تلاٹھی، سرپنچ، اسکولوں کی کمیٹی کا چیرمین کسانوں کی یونین کا چیرمین، گاؤں کی کوآپریٹیو سوسائٹی کا چیرمین، گاؤں کے اسکول کا ہیڈ ماسٹر اور گاؤں کی ایک ممتاز عورت جو بیشتر گاؤں کی پنچایت کی ممبر ہوتی ہے، ممبر کے طور پر شامل ہوتی ہے۔ سرپنچ اس انتظامی مجلس کا صدر اور ہیڈ ماسٹر سکریٹری ہوتا ہے۔ انتظامی مجلس کے کاموں میں سے خاص کام حسب ذیل ہوتے ہیں:

(۱) گاؤں میں ۱۴ سے ۵۰ سال تک کے جتنے اشخاص ہوں، اُن کی فہرست مرتب کرنا۔

(۲) گاؤں کے ایسے تعلیم یافتہ اور خواندہ مردوں اور عورتوں کی فہرست مرتب کرنا، جو کلاسوں میں پڑھا سکیں۔

(۳) کلاسوں کے لیئے جگہ کا انتظام اور بیٹھنے کے لیئے بندوبست کرنا۔

(۴) ٹیچروں اور کارکنوں کو کلاسیں سپرد کر دینا۔

(۵) کلاسوں کے اوقات مقرر کرنا۔

(۶) کلاسوں میں جا جا کر ان کے کام کی نگرانی کرنا۔

(۷) سامانِ تعلیم مثلاً بلیک بورڈ، چراغ، لالٹین، چارٹ وغیرہ فراہم کرنا وغیرہ۔

جب گاؤں میں مہم چلانا طے ہو جاتا ہے تو اس کے لیئے فضا تیار کرنے اور گاؤں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لیئے آمادہ کرنے کی تیاریاں کی جاتی ہیں۔ انتظامی مجلس کے صدر، تعلیمی کمیٹی کے چیرمین اور متعلقہ ضلع پرشد کے تعلیمی افسر مل کر ایک اپیل تیار کرتے ہیں جسے چھپوا کر گاؤں کے مختلف افسروں، گاؤں پنچایتوں، پنچایت سمیتیوں اور بلاک ڈیولپمنٹ افسروں، کو بانٹ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اُن گاؤوں میں جنھیں مہم کے لیئے منتخب کیا گیا ہے، تقسیم کر دیں۔ اپیل کے علاوہ بہت سے دیواری پوسٹر بھی گاؤوں میں جابجا آویزاں کر دیئے جاتے ہیں جن سے مہم کی فضا پیدا کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اسکیم کی تبلیغ و اشاعت کے لیئے جلسے بھی ہوتے ہیں۔ یہ جلسے کرنا گاؤں کی پنچایت کے پریسیڈنٹ کی ذمے داری ہوتی ہے۔

گاؤں میں جہاں جہاں کلاسیں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے ان کی فہرست مرتب کر لی جاتی ہے اور

اسی کے ساتھ یہ بھی طے کر لیا جاتا ہے کہ کس کس کلاس میں کون کون صاحب پڑھائیں گے۔ کلاسوں میں طالب علموں کی تعداد عموماً دس ہوتی ہے۔ مگر عورتوں کی سہولت کے خیال سے پانچ چھ طلبا کی کلاس بھی بنا دی جاتی ہے۔ اس طرح کی کلاسوں کے ٹیچر عموماً اسکولوں کے طلبا یا گاؤں کے دوسرے ورکر ہوتے ہیں۔ یہ کلاسیں کسی نہ کسی گھر میں منعقد کی جاتی ہیں اور "ہوم کلاسیں" کہی جاتی ہیں۔

چونکہ ایسا ممکن ہے کہ خواندگی کی کلاسوں میں پڑھنے والے سب کے سب ان پڑھ بالغ خواندگی کے امتحان میں پاس نہیں ہوں گے اس لیئے امتحان کے بعد ناکام ہونے والے بالغ طالب علموں کی بھی ایک فہرست مرتب کی جاتی ہے تاکہ ان کے لیئے از سر نو کلاسیں منعقد کی جائیں۔ ایک مدت تک پڑھانے کے بعد ان کا پھر سے امتحان ہوتا ہے اور جب وہ پاس ہو جاتے ہیں تو ان کی کامیابی کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔

تیسرا باب
خواندگی کی ابتدائی مہم کا طریقۂ کار

(الف) خواندگی کا معیار

نصابِ تعلیم میں خاص توجہ پڑھنا سیکھنے پر دی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ چھوٹے چھوٹے اور سادہ جملے لکھنے کی بھی مشق کرائی جاتی ہے اور پڑھنا لکھنا سکھانے کے علاوہ ابتدائی حساب بھی سکھایا جاتا ہے۔ ان پڑھ بالغ طالب علموں سے امید کی جاتی ہے کہ وہ نصاب ختم کرنے کے بعد ۱۰۰ تک گنتی لکھنا اور سادی جمع اور تفریق کے قاعدے جان جائیں گے اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس واقفیت کا استعمال بھی کرنے لگیں گے جیسے اپنی روزانہ کی آمدنی اور خرچ کا حساب رکھنا ہے۔ خواندگی کی ان کلاسوں میں اس چیز کو اس غرض سے شامل کیا گیا ہے کہ روپے پیسے سے متعلق لین دین کی باتوں کو گاؤں کے لوگ سمجھنے لگیں۔

پڑھنا لکھنا اور ابتدائی حساب کے علاوہ گاؤں کی سماجی زندگی سے متعلق معلومات بھی بہم پہنچائی جاتی ہیں مثلاً صحت و صفائی کے ابتدائی اصول، کھیتی باڑی کی معلومات، گاؤں کے نظم و نسق کی باتیں اور قاعدے قانون،

بچوں کی پرورش و پرداخت کے طریقے اور اصول وغیرہ۔ صفائی ستھرائی کی عادت کے اوپر خاص زور دیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ پاخانوں اور پیشاب خانوں کا استعمال کس طرح کیا جانا چاہیئے' اور اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ ان میں یہ اور اسی طرح کی دوسری صحت مند عادات پیدا ہو جائیں۔ چونکہ گاؤں کے لوگوں کا پیشہ زیادہ تر زراعت ہوتا ہے' اور ان کی روزی کا انحصار بیشتر اسی کے اوپر ہوتا ہے اس لیئے انھیں بوائی جتائی سے متعلق جدید طریقوں' مختلف قسم کی کھاد اور فصل کو تباہ کرنے والی پودوں کی مختلف بیماریوں سے متعارف اور واقف کر دیا جاتا ہے' اور یہ سب باتیں خواندگی کے نصابِ تعلیم میں شامل ہیں۔ درسیات میں خاص زور اس چیز پر ہے کہ طلبار کو آسان زبان میں لکھی ہوئی کتابیں پڑھنا اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں ابتدائی حساب سے کام لینا اچھی طرح سے آجائے۔

(ب) لٹریچر اور دوسرا موادِ مطالعہ

ابتدائی مہم میں پڑھنے کا جو سامان استعمال کیا گیا اس میں خاص طور پر چارٹ، اسٹرپ اور کتابچے شامل تھے۔ ان میں جن موضوعات پر سبق تھے' وہ حسب ذیل ہیں۔

نثر میں

(۱) سلام دعا (۲) شربت بنانا (۳) دوا دارو (۴) کھاد تیار کرنا (۵) بھجن اور مناجاتیں (۶) آداب و اطوار (۷) فصلیں (۸) بازار (۹) لوگوں کے ملنے جلنے کی جگہیں (۱۰) بھیرونانھ بابا (۱۱) گاؤں کا نالا (۱۲) کولھاپور کا بازار (۱۳) امبے بائی کی پوجا (۱۴) حروف اور الفاظ کا آموختہ (۱۵) گنتی لکھنے کا سبق (۱۶) ہمارا مہاراشٹر (۱۷) مہاراشٹر کے بارے میں معلومات (۱۸) مل کر گائے جانے والے گانے

نظم میں

(۱) اب پاپ کے کام نہیں کریں گے (۲) خدایا ہمیں بخش خوشیوں کی دولت (۳) آؤ آؤ لکھنا سیکھو (۴) تعلیم ہماری دولت ہے (۵) بچے پڑھنے جائیں گے (۶) عورتوں کے گیت (۷) بھارت کا ہم مان بڑھائیں۔

(ج) بالغ طلباء کا امتحان

جب کسی زیرِ مہم گاؤں کے ۱۴ سے ۵۰ سال کی عمر کے سب بالغ نصاب پورا کر لیتے ہیں، تو یہ دیکھنے کی غرض سے کہ آیا گاؤں سو فی صدی خواندہ ہو گیا یا نہیں، طلباء کا آسان طما امتحان لیا جاتا ہے۔ اس امتحان کے نتائج ایک پہلے سے مرتب کئے ہوئے چارٹ (ریکارڈ فارم) میں درج کئے جاتے ہیں۔ اس میں اس طرح کے اندراجات ہوتے ہیں جیسے گاؤں، تعلقہ اور کلاس پڑھانے والے استاد یا ورکر کا نام، کلاس شروع ہونے اور امتحان لیے جانے کی تاریخ، اور کلاس کی مدت۔ طلباء کا پڑھائی، لکھائی، حساب اور عام معلومات میں امتحان لیا جاتا ہے۔ کُل نمبر ۱۰۰ ہوتے ہیں جس میں سے ۴۰ نمبر پڑھائی کے لئے، ۲۰ لکھائی کے لیے، ۲۰ حساب کے لیے اور ۲۰ عام معلومات کے لیے مقرر ہوتے ہیں۔ اس چارٹ میں امتحان میں شریک ہونے والے سب طلباء کے نام درج ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پورا نام کیا ہے، عمر کیا ہے، وہ کلاس میں کتنے دن حاضر رہا ہے، آیا کسی پسماندہ ذات یا قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، امتحان میں اُسے کتنے نمبر ملے ہیں اور اس کے بارے میں عام رائے کیا ہے؟ یہ چارٹ امتحان کے بعد تیار کیا جاتا ہے اور اس کی بنیاد پر نتائج کا اعلان کیا جاتا ہے۔

(د) گرام گورو سماربھ (گاؤں کی فضیلت کا جشن)

جب گاؤں سو فی صدی خواندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو "گرام گورو سماربھ" (گاؤں کی فضیلت کا جشن) منایا جاتا ہے۔ یہ جشن صرف سو فی صدی خواندگی ہی حاصل کر لینے پر نہیں منایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ گاؤں کی گلیاں، سڑکیں اور عمارتیں سب کی سب صاف ستھری رہنے لگیں، گاؤں میں صفائی کا معقول انتظام ہو گیا ہو، پینے کے پانی کا بندوبست مکمل ہو گیا ہو، اور گاؤں تک پہنچنے کے لئے سڑک تعمیر کر لی گئی ہو، اس جشن میں تمام نوخواندہ بالغ شریک ہوتے ہیں اور اپنی خواندگی کی لیاقت کو بحال اور مستحکم کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ نچلی ذاتوں اور اونچی ذات کے سب نوخواندہ عورتیں اور مرد بغیر کسی چھوت چھات کی تمیز کے ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے بھی ہیں، اور حاضرینِ جشن کے سامنے تقریریں کرتے ہیں۔

(ہ) مہم کے اوپر آنے والے خرچ کی صورتِ حال

گرام شکشن مہم کے ماتحت منعقد ہونے والی کلاسوں کے لیے مطلوبہ لٹریچر اور چارٹ حکومت مفت بہم پہنچاتی ہے۔

دوسرا سامان جیسے مٹی کا تیل، لالٹین، اور لکھنے کا سامان فراہم کرنے کی ذمّہ داری گاؤں کی پنچایت اور اہل خیر لوگوں کے اوپر ہوتی ہے۔ جب گاؤں سو فی صدی خواندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے، تو حکومت کی طرف سے گاؤں کی پنچایت کو فی نوخواندہ بالغ پچاس پیسے کے حساب سے نقد رقم بھی ادا کی جاتی ہے۔ کلاس میں پڑھانے والے جو تعلیم یافتہ لوگ (عورتیں اور مرد) یا پرائمری اسکولوں کی اونچی جماعتوں کے طالب علم ہوتے ہیں، وہ سب مفت کام کرتے ہیں۔ چنانچہ مہاراشٹر کی اس "گرام تشکشن مہم" کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی وجہ سے اس کا نام ہوا ہے، اس کا کم خرچ ہونا ہے۔ خواندگی کے پروگرام کے اوپر آنے والے خرچ کی خاص خاص مدیں یہ ہیں:

(۱) خواندگی کی مہم میں کام کرنے والے اُستادوں یا کارکنوں کا ہدیہ۔ یہ خرچ مسلسل خرچ کی نوعیت کا ہے۔

(۲) مہم کے سامان پر آنے والا خرچ مثلاً مٹی کا تیل، سلیٹ، پنسلیں، اور رجسٹر وغیرہ۔ یہ بھی مسلسل نوعیت ہی کا خرچ ہے۔

(۳) گیس کی لالٹین، مٹی کے تیل کی لالٹین، دریوں اور بلیک بورڈ کی خریداری۔ یہ ایک مرتبہ ہونے والا یعنی غیر مسلسل نوعیت کا خرچ ہے۔

(۴) لٹریچر جیسے پڑھنے کا سامان، چارٹ، پمفلٹ، وغیرہ۔ یہ مسلسل اور غیر مسلسل دونوں طرح کا خرچ ہے۔

اس اسکیم کے ماتحت جو تعلیم یافتہ عورتیں اور مرد، اونچی جماعتوں کے طلباء، اور ٹیچر خواندگی کی کلاسوں میں پڑھاتے ہیں۔ انھیں حکومت مہاراشٹر کوئی اعزازیہ (آنریریم) نہیں دیتی۔ مگر پڑھنے کی چیزیں، خصوصاً چارٹ، کتابیں اور دوسری مطالعے کی چیزیں، اُن کی تیاری کے اوپر جو کچھ خرچ آتا ہے، وہ سب کا سب ریاستی حکومت برداشت کرتی ہے، اسی طرح کلاسوں کے لیے جس سامان کی عام طور پر ضرورت ہوتی ہے، مثلاً مٹی کا تیل، لالٹین، اور لکھائی کا سامان، اس کی فراہمی میں بھی حکومت گاؤں کی پنچایت کی مدد کرتی ہے اور وہ اس طرح کہ فی نوخواندہ بالغ پچاس پیسے کے حساب سے نقد رقم کی گرانٹ۔ اس طرح فی بالغ طالب علم خرچ موٹے حساب سے ایک روپیہ بیٹھتا ہے جس کی وضاحت حسب ذیل نقشے سے ہوگی۔

(نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

نقشہ نمبر ۲: خرچ فی بالغ طالب علم

نمبر شمار	ادارے	خرچ کی مد	خرچ
۱	۲	۳	۴
۱۔	حکومت بہار انسٹر (براہ راست)	کتابوں، چارٹوں اور دوسرے لٹریچر کی تیاری	ایک لاکھ روپے۔ ۲ لاکھ نوسکھوں اور بالغوں کے لیے یا ۵۰ پیسے فی بالغ
۲۔	گاؤوں کی پنچایتوں کو حکومت کی گرانٹ	مٹی کا تیل، لالٹین اور لکھائی کا سامان	۵۰ پیسے فی بالغ کے حساب سے
		میزان	ایک روپیہ فی بالغ

آپ دیکھیں گے کہ گیس کی لالٹین، وقتی اخراجات، سلیٹ، پنسلیں، رجسٹر، بلیک بورڈ وغیرہ فراہم کرنے کا خرچ گاؤں کی پنچایتیں اور دوسری مقامی تنظیمیں اٹھاتی ہیں۔ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ تنظیمیں خرچ کی ان مدات کے اوپر جو کچھ خرچ کرتی ہیں، ان کی مقدار کیا ہوگی۔ بہر حال واقعہ ہے کہ اس قسم کے وسائل گاؤں کی پنچایتیں اور پنچایت سمتیاں مل کر جٹاتی ہیں۔

چوتھا باب

نوخواندہ بالغوں کے لیے مشقی پروگرام

جب خواندگی کا چار مہینے کا ابتدائی پروگرام ختم ہو جاتا ہے اور گرام گورو سماروہ کا جشن ہو جاتا ہے تو اس کے بعد نوسکھوں کی پڑھنے لکھنے کی صلاحیت میں پختگی پیدا کرنے اور ان کے علم و واقفیت میں اضافہ کرنے کی غرض سے مشقی پروگرام ہاتھ میں لیا جاتا ہے۔ مشقی پروگرام کا یہ کام گشتی کتب خانوں اور سوشل ایجوکیشن کے

سنٹروں کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے۔

(الف) پڑھنے کے لئے کتابوں اور دوسرے لٹریچر کی تیاری

اس مقصد کے لیے کتابوں کے چار سیٹ تیار کئے جاتے ہیں جن میں سے ہر سیٹ میں ۱۰ کتابچے ہوتے ہیں۔ یہ کتابچے جو پرائمری اسکولوں کے ٹیچر نو سکھ بالغوں کو اسکولوں کے بچّوں کے ہاتھ پڑھنے کے لیے بھیجتے ہیں، ان کتابچوں کا مواد حسب ذیل مضامین پر مشتمل ہے:

پہلے سیٹ کی دس کتابیں

(۱) ہمارے پڑوسی
(۲) ہمارے مویشی
(۳) ہماری فصلیں
(۴) اپنے لیے سبزی آپ پیدا کرنا
(۵) ہمارے خزانے
(۶) کولھاپور کی امبا بھوانی
(۷) رامائن: بال کانڈ (بچپن کے زمانے کا حال)
(۸) سمندر کے کنارے کا علاقہ
(۹) آدمی کی دلچسپ کہانی
(۱۰) گاندھی بابا

دوسرے سیٹ کی دس کتابیں

(۱) گاؤں: ایک خاندان
(۲) جوار کے موتی جیسے دانے
(۳) جاپانی طریقے کی دھان کی کھیتی
(۴) رام سیتا
(۵) شیواجی
(۶) جیجا بائی
(۷) سنت تُکارام
(۸) سینٹ ایک نانھ
(۹) جیوتی با پھولے
(۱۰) ڈاکٹر امبیڈکر

تیسرے سیٹ کی دس کتابیں

(۱) گاندھی جی کا گاؤں
(۲) موم پھلی
(۳) نیا راستہ
(۴) اشوک
(۵) آنکھیں کھلی تھیں
(۶) آگرکر
(۷) میں کسان بنوں گا
(۸) عدالتیں

(۹) سنت گاڈگے بابا

(۱۰) باجرہ

چوتھے سیٹ کی دس کتابیں

(۱) گنا

(۲) پاخانے کے گڑھے

(۳) نوجوان کلب

(۴) فارم کی کرامات

(۵) پیارا ننھا گھر

(۶) مہیلامنڈل (انجمن خواتین)

(۷) گیہوں

(۸) سمائی کے مطابق صحت بخش غذا

(۹) میٹھے انگور

(۱۰) مویشیوں کی بیماریاں

جو گاؤں سو فی صدی خواندہ ہو جاتے ہیں، وہ بعض اوقات نوسکھ بالغوں کے لئے ان کی سہولت کو دیکھتے ہوئے موزوں مقامات پر کلاسیں منعقد کرتے ہیں۔ ان کلاسوں میں ایسا اہتمام کیا جاتا ہے کہ ایک کلاس میں بس دس ہی طالب علم ہوں، اس لئے کہ اس صورت میں بہ یک وقت دس کتابوں کا ایک مسلسل کتابوں کا ایک مکمل سیٹ آسانی سے پڑھایا جا سکتا ہے۔ گشتی کتب خانے کا کام یہیں ختم نہیں سمجھا جاتا کہ دس کتابوں کا ایک سیٹ منگا کر اپنے پاس رکھ لیں، بلکہ اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ چار مہینے کی ابتدائی مہم میں خواندہ ہونے والے تمام نوسکھ بالغ ان کتابوں سے فائدہ بھی اٹھائیں۔ گاؤں کے سب لوگوں سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ان کتابچوں کو لازمی طور پر پڑھ ڈالیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک مقررہ پروگرام طے کر دیا گیا ہے اور ہر گشتی کتب خانے سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ یہ یقین کرنے کے لئے کہ لوگوں نے یہ کتابچے باری باری پڑھ لئے ہیں، اس پروگرام کی پابندی کرے۔ سوشل ایجوکیشن کا ورکر یا جہاں سوشل ایجوکیشن کے سنٹر قائم نہیں ہو سکے ہیں، وہاں اسکول کا ٹیچر اس بات کا ریکارڈ رکھتا ہے کہ ہر نوسکھ بالغ نے کتنی کتابیں پڑھی ہیں۔ جب نوخواندہ بالغ سیٹ کی پوری دس کتابیں پڑھ لیتا ہے تو سوشل ایجوکیشن ورکر یا گشتی کتب خانے کا انچارج اُس سیٹ کو مع اُس فارم کے جس میں سیٹ پڑھ کر ختم کرنے والے نوسکھوں کے دستخط ہوتے ہیں، اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے پاس جو اس علاقے کی مہم کمیٹی کا سکریٹری ہوتا ہے، واپس بھیج دیتا ہے۔ جب ایک سیٹ واپس آ جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرے سیٹ کی کتابیں نوخواندہ بالغوں میں تقسیم کرنے کے لئے بھیج دی جاتی ہیں۔ اس طریقۂ کار کا مقصد یہ ہے کہ ان چارٹوں اور کتابچوں کے مطالعے سے نوسکھوں میں مطالعے کی عادت پیدا ہو جائے۔ ان نوسکھوں کو اس بات کے لئے بھی آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ گاؤں کے کتب خانوں میں جا کر دوسری کتابیں اور اخبارات بھی پڑھا کریں۔

حکومت مہاراشٹر کا محکمۂ تعلیمات اس مہم کے لیے حسب ذیل چار ضرورتوں کو ذہن میں رکھ کر لٹریچر اور مواد مطالعہ تیار کرتا ہے:

(۱) خواندگی کی عام اور گھریلو کلاسوں کے لیے
(۲) نوخواندہ بالغوں کے لیے
(۳) سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے لیے اور
(۴) مہم کی تبلیغ و اشاعت کے لئے

جو کچھ لٹریچر تیار کیا جاتا ہے، اس کی **تفصیل نقشہ** نمبر ۳ سے معلوم ہو گی۔ اسی نقشے میں یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس لٹریچر کی تیاری پر خرچ کیا آتا ہے، یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جو چیز تیار کرائی اور چھپوائی گئی ہے وہ تعداد میں کتنی ہے اور اس کے اوپر کل خرچ کیا آتا ہے:

نقشہ نمبر ۳: لٹریچر کی تیاری کا خرچ

	تعداد طباعت	خرچ (روپے)	فی نسخہ اوسط خرچ (روپے)
۱	۲	۳	۴
<u>۱- خواندگی کی عام اور گھریلو کلاسوں کے لیے</u>		روپے — پیسے	
(الف) وچن پاٹھ کے چارٹ	۱,۰۰,۰۰۰	۲۲,۸۶۲ — ۵۰	۰.۲۳ (تخمیناً)
(ب) وچن پاٹھ کے اسٹرپ	۱,۵۰,۰۰۰	۲۱,۰۰۰ — ۰	۰.۱۴ 〃
(ج) وچن پاٹھ کی کتابیں	۱,۰۰,۰۰۰	۲۶,۹۷۵ — ۰	۰.۰۳ 〃
<u>۲- نوخواندہ لوگوں کے لیے</u>			
(الف) دس کتابوں کا پہلا سیٹ	۱,۰۰,۰۰۰	۲۶,۷۵۰ — ۰	۰.۲۷ (تخمیناً)
(ب) دس کتابوں کا دوسرا سیٹ	۱,۰۰,۰۰۰	۲۰,۰۰۰ — ۰	۰.۲۰ 〃
(ج) دس کتابوں کا تیسرا سیٹ	۱,۰۰,۰۰۰	۲۷,۵۱۵ — ۰	۰.۲۷ 〃
(د) دس کتابوں کا چوتھا سیٹ	۱۵۰,۰۰۰	۲۷,۵۱۵ — ۰	۰.۲۸ 〃

یہ لٹریچر ان پڑھ اور نوخواندہ بالغوں کو مفت تقسیم کیا جاتا ہے اور اس کے اوپر جو کچھ بھی خرچ آتا ہے وہ سب کا سب حکومت کا محکمۂ تعلیمات برداشت کرتا ہے۔ خیال ہے کہ اگر ان کتابچوں کے نسخے اور زیادہ تعداد میں چھپوائے جائیں تو ان کی قیمت فی نسخہ اور بھی کم بیٹھے گی۔

(ب) سوشل ایجوکیشن کے سنٹر

جو گاؤں خواندگی کی مطلوبہ منزل تک پہنچ جاتا ہے اُسے اپنے یہاں ایک سوشل ایجوکیشن سنٹر قائم کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ یہ سنٹر گرام شکشن کمیٹی کے اہتمام میں کام کرتے ہیں، اور ان کے دو واضح مقاصد ہوتے ہیں۔ پہلا اور سب سے اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ نوخواندہ بالغوں کی صلاحیت خواندگی کو گشتی کتب خانوں کی اسکیم کے ذریعے بحال و برقرار رکھا جائے، اور دوسرا یہ کہ جس گاؤں یا علاقے میں سنٹر واقع ہو، اس کے اندر ایک سوچے سمجھے اور مرتب ضابطۂ کار کے ماتحت ہمہ جہتی ترقی بروئے کار لائی جائے۔ مگر یہ سنٹر قائم کرنے کا حق انھی گاؤں کو ہوتا ہے جن کے یہاں گرام گورو سمارمبھ (گاؤں کی فضیلت کا جشن) منایا جا چکا ہو۔

گرام شکشن کمیٹیوں سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ان سنٹروں کے ماتحت منظم کی جانے والی سرگرمیوں کو کامیابی سے چلانے، ان کے تسلسل کو برقرار رکھنے اور ان میں نئی نئی باتوں کا اضافہ کرنے کی غرض سے سرمایہ جمع کریں گی۔ ان کمیٹیوں کو حکومت کی طرف سے بھی بہر حال سال میں ۱۰ مہینے تک دس دس روپے ماہانہ کی گرانٹ دی جاتی ہے جو ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکول یا ضلعے کے تعلیمی انسپکٹر مناسب قسطوں میں ادا کرتے ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ سوشل ایجوکیشن سنٹر بڑی تعداد میں نہیں کھل سکے ہیں۔

پانچواں باب
گرام شکشن مہم کی رفتار ترقی

مہاراشٹر میں گاؤں کی کل تعداد ۳۵ ہزار ۵ سو اکتالیس ہے جن میں سے خواندگی کی اس مہم میں ۱۲،۲۹۷ گاؤں

نے شرکت کی ہے۔ ان ۲۱،۲۹۷ گاؤں میں سے ۶۳-۱۹۶۲ء تک ۱۱۹۰ گاؤں نے سو فی صدی خواندگی میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اب تک جن گاؤں نے گرام شکشن مہم میں شرکت کی ہے، ان میں سے امید ہے کہ جون ۱۹۶۳ء تک ۲۵۸ ۱ گاؤں سو فی صدی خواندہ ہو جائیں گے۔ ۶۲-۱۹۶۱ء میں خواندگی کی کلاسوں میں بھرتی کئے جانے والے بالغ طالب علموں کی کل تعداد ۱۳ لاکھ تھی جن میں سے ۴ لاکھ ۸۶ ہزار کو خواندہ بنایا جا سکا تھا۔ ۶۳-۱۹۶۲ء میں کل دس لاکھ بالغ بھرتی ہوئے تھے جن میں سے ۵ لاکھ ۲۲ ہزار خواندہ بن کر نکلے تھے۔ ان اعداد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کامیابی کا اوسط مطلوبہ نشانے کا تقریباً پچاس فی صدی رہا۔

نیچے دیئے ہوئے نقشہ نمبر ۴ سے ظاہر ہوگا کہ ۶۲-۱۹۶۱ء اور ۶۳-۱۹۶۲ء کے دوران میں خواندہ ہونے والے بالغوں کی تعداد مردوں اور عورتوں کی تقسیم کے اعتبار سے کیا رہی۔ نقشے کے پانچویں خانے میں یہ بتایا گیا ہے کہ خواندہ ہونے والے بالغوں کی کل تعداد پر عورتوں کا کیا اوسط تھا

نقشہ نمبر ۴

۶۳-۱۹۶۲ء کے دوران میں خواندہ ہونے والے مردوں اور عورتوں کی تعداد

۱	۲	۳	۴	۵
سال	خواندہ ہونے والے مرد	خواندہ ہونے والی عورتیں	میزان	خانہ نمبر ۴ پر خانہ نمبر ۳ کا اوسط فیصدی
۶۲-۱۹۶۱ء	۲،۶۵،۰۰۰	۲،۲۱،۰۰۰	۴،۸۶،۰۰۰	۴۵٫۵
۶۳-۱۹۶۲ء	۲،۶۳،۰۰۰	۲،۵۹،۰۰۰	۵،۲۲،۰۰۰	۴۹٫۶
۶۳-۱۹۶۱ء	۵،۲۸،۰۰۰	۴،۸۰،۰۰۰	۱۰،۰۸،۰۰۰	۴۷٫۶

خواندہ ہونے والے مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد کا اوسط کم ہے۔ رہی ان اعداد کی مزید تشریح کہ عمر اور پیشے کے اعتبار سے کتنی عورتیں اور مرد خواندہ بنائے گئے، تو اس تشریح کے مطابق اعداد دستیاب نہیں ہو سکے ہیں۔

گرام شکشن مہم کے کام کا ایک سروے حکومت کے محکمۂ تعلیمات کی طرف سے کرایا گیا تھا، جس میں سو فی صدی خواندہ ہونے والے ۱۲۵۸ گاؤں کو لیا گیا تھا۔ اس سروے کے مطابق محکمے کا کہنا ہے کہ ان گاؤں میں خواندہ

بنائے جانے والے بالغوں کی کل تعداد ۲٫۳۷٫۰۰۰ تھی۔ اس تعداد کی تشریح پیشے، عمر اور جنس کے اعتبار سے نقشہ نمبر ۵ میں ظاہر کی گئی ہے۔

نقشہ نمبر ۵: ۲٫۳۷٫۰۰۰ نوسکھوں کی تعداد کا اوسط عمر، پیشے اور جنس کے اعتبار سے

(الف) پیشہ		(ب) عمر		(ج) جنس	
	اوسطی صد		اوسطی صد		اوسطی صد
۱	۲	۳	۴	۵	۶
		عمر کے مختلف زمرے			
۱۔ زراعت (زرعی مزدوروں کو چھوڑ کر)	۵۷٫۸	۱۴ سے ۲۰ سال	۱۴٫۶	مرد	۳۹٫۹
۲۔ زرعی اور دوسرے مزدور	۳۶٫۵	۲۱ سے ۴۰ سال	۷۳٫۱	عورتیں	۶۰٫۱
۳۔ دوسرے پیشوں کے لوگ	۵٫۷	۴۱ سے ۵۰ سال	۱۲٫۳	.	.
میزان	۱۰۰٫۰۰		۱۰۰٫۰۰۰		۱۰۰٫۰۰

حکومت مہاراشٹر نے ضلعوں کے اعلیٰ حاکموں، ضلع پریشدوں کے افسران تعلیم اور بلاک ڈیولپمنٹ افسروں سے فرمائش کی ہے کہ وہ مئی ۱۹۶۴ء سے گرام شکشن مہم کے پروگرام کو تیزی سے آگے بڑھائیں تاکہ پنچایت سمیتیوں کے اندر آنے والے گاؤں میں سے جنہیں ابھی تک گرام شکشن مہم کے پروگرام میں شامل نہیں کیا گیا ہے، کم سے کم ۲۰ فی صدی گاؤں ہر سال سَو فی صدی خواندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ عزم یہ ہے کہ ریاست سے ناخواندگی کی لعنت کو دور کرنے کا کام شروع ہو جائے اور پانچ سال کی مدت میں اسے بالکل نیست و نابود کر دیا جائے۔

چھٹا باب

گرام شکشن مہم کے کام کا جائزہ

حکومتِ مہاراشٹر کے محکمۂ تعلیمات نے ابھی حال میں گرام شکشن مہم کے کام کا ایک جائزہ لیا تھا تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ اس پروگرام کے زیر اثر خاتمۂ ناخواندگی اور گاؤں کی ہمہ جہتی ترقی کے میدان میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔ محکمے کی جانچ کی رپورٹ اب دستیاب ہوگئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہم میں جن ۱۲۰۵۸ گاؤں کا احاطہ کیا گیا تھا، ان میں سے جانچ کی خاطر جائزہ لینے کی غرض سے یونہی بغیر کسی نظم و ترتیب کے ۶۳ گاؤں منتخب کرلئے گئے تھے۔ یہ جائزہ سوالنامے کے طریقۂ کار کے اصول پر لیا گیا تھا جس کے ماتحت ایک سوالنامہ مرتب کرکے اسے ضلعوں کے چیف ایگزیکیٹو افسروں، ضلع پریشدوں کے افسران تعلیم، گرام پنچایتوں کے سرپنچوں، کوآپریٹیو سوسائیٹوں کے سکریٹریوں، گرام سیوکوں اور گاؤں کے کچھ منتخب نوسکھ بالغوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جائزے سے جو کچھ معلومات ہوئی ——— یعنی یہ کہ پڑھنے لکھنے اور حساب کرنے کی قابلیت جو نوسکھ بالغوں نے خواندگی کی کلاسوں سے حاصل کی تھی، وہ کس حد تک قائم اور بحال رہی اور اُن کے نقطۂ نظر میں کہاں کہاں تبدیلی پیدا ہوئی۔ ——— اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(الف) خواندگی کی قابلیت پڑھنا اور لکھنا

جائزے کے لئے جن ۶۳ گاؤں کا انتخاب کیا گیا تھا، ان میں سے ہر گاؤں میں بیس بیس نوسکھ بالغوں کی جانچ کی گئی تھی۔ معیار یہ طے کیا گیا تھا کہ ایک ان پڑھ بالغ خواندہ اس حالت میں قرار دیا جائے گا جب وہ

(۱) اس ذخیرۂ الفاظ کی مدد سے جو مہم میں استعمال کیا گیا تھا چھپی ہوئی عبارتیں پڑھ اور سمجھ لے۔

(۲) مہاراشٹر کی سوشل ایجوکیشن کمیٹی نے سوشل ایجوکیشن کی کلاسوں کے لئے جو لٹریچر فراہم کیا تھا اُس میں سے کہیں سے بولا ہوا اِملا لکھ لے۔

جائزے کے نتائج کو تقسیم کرنے کی غرض سے حسب ذیل معیار تسلیم کئے گئے تھے۔

(۱) خواندہ — وہ بالغ جو یا تو روانی کے ساتھ یا آہستہ آہستہ اور تھوڑی سی مدد کے سہارے پڑھ سکتے ہیں اور لکھنے میں یا تو آسانی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک لکھ سکتے ہیں یا کسی قدر مشکل سے مگر ٹھیک ٹھیک لکھ سکتے ہیں۔ ایسے بالغوں نے اپنی خواندگی کی قابلیت کو برقرار رکھا ہے۔

(۲) نیم خواندہ — وہ بالغ جو آہستہ آہستہ پڑھ سکتے ہیں مگر مدد کے سہارے، یا وہ جو مدد کا سہارا پا کر بھی آہستہ آہستہ بھی بس تھوڑا بہت ہی پڑھ سکتے ہیں۔ لکھائی کے معاملے میں بھی بس کسی قدر ہی لکھ سکتے ہیں۔ ایسے بالغوں کو خواندگی کے اعادے کی ضرورت ہے۔

(۳) ناخواندہ — وہ بالغ جو مدد کا سہارا پا کر بھی ٹھیک ٹھیک پڑھ اور لکھ نہیں سکتے، یا وہ لوگ جو بالکل کوشش ہی نہیں کرتے۔ انھیں ناخواندہ ٹھہرایا گیا یا یہ سمجھا گیا کہ وہ پھر ناخواندگی کی طرف لوٹ گئے ہیں۔

سروے کے نتائج سے یہ حقائق ظاہر ہوتے ہیں کہ شق نمبر (۱) کی تعریف میں آنے والے نوسکھ بالغوں کا اوسط ۴۳٫۹ فی صدی رہا ہے، شق نمبر (۲) کی تعریف میں آنے والوں کا ۳۸٫۰ فی صدی اور شق نمبر (۳) کی تعریف میں آنے والوں کا ۱۸٫۱ فی صدی، جس کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ یکسر ناخواندگی کی طرف لوٹ گئے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کا مقابلہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ نوسکھ عورتوں میں ۵۴٫۱ فی صدی حصّے نے اپنی خواندگی کی قابلیت کو پورا پورا بحال رکھا ہے۔ اور ان کے مقابلے میں نوخواندہ مردوں کی تعداد کا صرف ۴۲٫۰ فی صدی اپنی قابلیت کو بحال رکھنے میں کامیاب رہا ہے۔ البتہ ناخواندگی کی طرف لوٹ جانے کے معاملے میں عورتوں کا اوسط ۲۰٫۵ فی صدی رہا ہے اور مردوں کا صرف ۱۴٫۵ فی صدی۔

حساب

جہاں تک حساب کا معاملہ ہے، اس جائزے سے یہ دیکھنے میں آیا کہ گنتی گننے اور سارے جمع اور تفریق میں ان نوسکھ بالغوں میں سے ۴۹ فی صدی نوسکھ آسانی کے ساتھ گنتی گن سکتے ہیں، ۲۰٫۵ فی صدی کو گننے میں دشواری ہوتی ہے لیکن جو کچھ اور جہاں تک گنتے ہیں، وہ ٹھیک ہوتا ہے۔ ۷٫۴ فی صدی ایسے ہیں جو تھوڑی بہت ہی سہی گنتے ہیں مگر ٹھیک ٹھیک گنتے ہیں، صرف ۲۱٫۱ فی صدی ایسے پائے گئے جنھوں نے گنتی گننے کی سرے سے کوشش ہی نہیں کی۔ جہاں تک سادی جمع اور تفریق کرنے کا سوال ہے، حسب ذیل نتائج سامنے آئے :

(۱) ۲۶٫۶ فی صدی نوسکھ ایسے ہیں جنھیں سادی جمع اور تفریق کی اچھی مشق ہے اور وہ یہ سوالات آسانی کے ساتھ اور ٹھیک ٹھیک نکال لیتے ہیں۔

(۲) ۳۰٫۶ فی صدی ایسے ہیں جو جمع اور تفریق کے سوالات آہستہ آہستہ مگر ٹھیک ٹھیک کرتے ہیں۔

(۳) ۱۸٫۹ فی صدی ایسے ہیں جو یہ سوالات ٹھیک ٹھیک نہیں کر پاتے۔

(۴) ۱۳٫۹ فی صدی ایسے ہیں جو جمع اور تفریق کے سوالات سرے سے حل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔

(ب) نوسکھ بالغوں کے نقطۂ نظر اور معیار زندگی میں تبدیلی

جوان پڑھ بالغ خواندگی کی اس اسکیم کے ماتحت خواندہ بنائے گئے، اُن کے نقطۂ نظر اور معیار زندگی میں مہم کے آغاز سے پہلے کے مقابلے میں کس حد تک تبدیلی رونما ہوئی، اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ نوسکھ عورتوں اور مردوں کی بھاری اکثریت کو صاف ستھرے دُھلے ہوئے کپڑے پہنے اور صفائی ستھرائی کے عام اُصولوں کا عادی پایا گیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ اب پینے کے لئے اُبالے اور چھنے ہوئے پانی کا استعمال کرتے ہیں، رفع حاجت کے لئے پاخانے بنالئے ہیں اور ان کا استعمال کرتے ہیں، سبزیوں اور غلّوں کو صاف پانی سے دھوتے ہیں اور یہ بات سوچنے لگے ہیں کہ اپنے بچّوں کو اچھی اور اونچی تعلیم دلائیں۔

(ج) اپنی زندگی کے متعلّق معلومات

مہم کے ماتحت خواندہ ہونے والے بالغوں میں ایسے لوگ جنھیں اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں معلومات ہوگئی ہے ــــ مثلاً یہ کہ خاندان کے افراد کی تعداد کیا ہے، کُل کتنی زمین ہے اور اس میں سے کتنی زمین کاشت کی جاتی ہے، کتنی مالگزاری ادا کی جاتی ہے، کون کون سی فصلیں پیدا کی جاتی ہیں، گھر کا ہفتہ وار خرچ کتنا بیٹھتا ہے، لوگوں کے قد کتنے ہیں یعنی کون کتنے انچ لمبا ہے، پان تمباکو اور حقّے پر کتنا خرچ آتا ہے وغیرہ ــــ اُن کی تعداد کا اوسط فی صدی خاصہ اونچا ہے۔

(د) مہم کا مجموعی اثر

مہم کے اثر سے لوگوں میں عام طور پر تعلیم سے دلچسپی پیدا ہوگئی ہے اور وہ اپنے بچّوں کو پڑھنے کے لئے اسکول بھیجنے میں اہتمام کرنے لگے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ واقعہ ہے کہ مہم شروع ہونے کے بعد سے اسکولوں میں بچّوں کی تعداد میں اضافہ

ہونے لگا ہے۔ عورتوں میں بھی بتدریج نقطۂ نظر کی تبدیلی اور بے داری کے آثار نظر آنے لگے ہیں چنانچہ انھیں ایک حد تک پبلک میں آکر اپنی شخصیت کے اظہار کا موقع ملنے لگا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ لوگوں میں نمایاں طور پر سماجی بے داری اور ترقی کرنے کے رجحانات پیدا ہو چلے ہیں اور وہ عوام کی تعلیم کی اہمیت کو سمجھنے لگے ہیں۔ ان میں اخبارات پڑھنے کا شوق ہو چلا ہے اور دنیا میں جو کچھ واقع ہوتا ہے، اس کی خبر ہونے لگی ہے اور اس طرح باہر کی دنیا سے ان کی دلبستگی بڑھنے لگی ہے۔ ایک حد تک مقامی لیڈر شپ کا بھی ارتقا ہوا ہے اور گاؤں کے لوگوں میں امداد باہمی اور اشتراک و تعاون کا جذبہ پیدا ہو چلا ہے اور اس جذبے کی بدولت وہ اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ترقی کے کاموں سے انھیں دلچسپی پیدا ہونے لگی ہے اور وہ پورے گاؤں کی ترقی و تعمیر کے لیے مل جل کر کام کرنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔

گرام شکشا مہم کا ہمارا اپنا مطالعہ

ہم نے اپنے زمانۂ مطالعہ میں سرکاری اور غیر سرکاری افسروں، ٹیچروں، سماجی کارکنوں اور طالب علموں سے جو بات چیت اور بحث مباحثے کئے اور جا جا کر گاؤں کا مشاہدہ کیا، اس میں ہماری کوشش یہ رہی کہ ہمیں مسئلے کے حسب ذیل تین پہلوؤں کے بارے میں ان کے خیالات اور رائیں معلوم ہو سکیں۔

(الف) بالغوں میں خواندگی کے حصول کے لیئے ذوق و شوق کی کیفیت کیا تھی؟

(ب) خواندگی کی مہم میں وسائل کہاں سے اور کس حد تک حاصل ہوئے؟ اور

(ج) نوخواندہ بالغوں میں خواندگی کی قابلیت کس حد تک برقرار رہی؟

ہم نے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کی کہ صورتِ حال میں اصلاح اور بہتری پیدا کرنے کے لیئے ان کی کیا تجویزیں ہیں۔ آگے آنے والی سطروں میں انھی لوگوں کے خیالات اور آرا کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے جن سے ہم نے ملاقاتیں کیں۔ اسی کے ساتھ ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ ان لوگوں نے حالات کو بہتر بنانے کے سلسلے میں جو تجویزیں پیش کیں، ان کی بھی فہرست دے دی جائے تاکہ اسکیم کے معاملے میں مزید غور کرتے وقت رہنمائی کے لیئے اشارات سامنے رہیں۔

خواندگی کا شوق اور تحریک

اس باب میں یہ خیال کم و بیش سب لوگوں نے پیش کیا کہ خواندہ بننے کے لیئے بالغوں میں کافی ذوق و شوق

نہیں تھا اور ابتدائی مرحلوں میں لوگوں کی اس بے حسی کو توڑنے میں بڑی مشکلیں پیش آئیں۔ اَن پڑھ بالغ پڑھنا لکھنا سیکھنے کی ضرورت کو ایسی ضرورت نہیں سمجھتے تھے کہ اس کے بغیر کام نہ چلے، اور اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے اُن کا خیال تھا کہ

(۱) انھیں خواندگی کی کلاسوں میں حاضر ہونے کا وقت مشکل ہی سے ملے گا اور

(۲) اگر وہ پڑھنا لکھنا سیکھ بھی گئے تو اس کا انھیں کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچے گا۔

بہت سے مقامات پر جو دور افتادہ اور پہاڑی علاقوں میں واقع ہیں اور جہاں کھیتی باڑی لوگوں کا خاص پیشہ نہیں ہے، لوگ روزگار کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرتے رہتے ہیں ان لوگوں کے معاملے میں عوام کی اس بے استقلالی سے اسکیم پر عمل کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔

اس کے برخلاف ان علاقوں میں جہاں کسی سماجی کارکن یا ٹیچر یا خود مقامی پنچایت کی رہنمائی کے اثر سے بیداری کا ماحول موجود تھا، وہاں ان پڑھ بالغوں کو خواندگی کی کلاسوں میں حاضر ہونے کے لیے آمادہ کرنا نسبتاً زیادہ آسان تھا۔ بہت سے مقامات ایسے بھی ملے جہاں ٹیچروں، سماجی کارکنوں اور دوسرے تعلیم یافتہ لوگوں کی مثالیں ہی اَن پڑھ بالغوں میں خواندگی کا شوق پیدا کرنے کے لیے کافی ثابت ہوئیں؛ اور ایک مرتبہ جب مشکلات پر قابو پا لیا جاتا تھا تو پھر آگے چل کر لوگوں میں خود کافی جوش و خروش پیدا ہو جاتا تھا۔ "گاؤں کی فضیلت کا جشن" (گرام گورو سماروہ) جو ایک بڑی ہی اہم تقریب ہے، اور اُس وقت منائی جاتی ہے جب پورا گاؤں سو فی صدی خواندہ ہو جاتا ہے۔ اس سے گاؤں کے لوگوں کو اپنی کامیابی پر فخر سے گردن اونچی کرنے کا احساس ہوتا ہے اور ان کے اس احساس سے پاس پڑوس کے گاؤوں کو خواندگی کے پروگرام میں شریک ہونے کی تحریک ہوتی ہے۔

بالغوں کو خواندگی کے لیے آمادہ کرنے کے سلسلے میں جو سجھاؤ پیش کیے گئے ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) حکومت کو چاہیئے کہ وہ ایک قانون نافذ کرے جس کی رو سے ہر اَن پڑھ بالغ کا خواندہ ہونا لازمی ہو۔ یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر شخص کے لیے سرکاری دستاویزات پر اپنے نام کے دستخط ثبت کرنا، قانوناً لازمی ہو جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ قرضے اور دوسری مراعات انھی بالغوں کو دی جائیں گی جو پڑھنا لکھنا جانتے ہوں گے۔

(۲) مزدوروں اور مزدوری پر کام کرنے والے دوسرے پیشہ وروں کو خواندگی کا شوق دلانے کے لیے

انتظام کاروں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ انھیں مختلف قسم کے لالچ دلائیں جن کے زیر اثر وہ خود خواندگی کی کلاسوں میں آنے لگیں گے مثلاً یہ کہ جو مزدور پڑھنے جائیں گے انھیں کلاسوں میں حاضر ہونے کے لیے کام سے با تنخواہ چھٹی ملے گی اور جو لوگ پڑھنا لکھنا سیکھ کر اپنی قابلیت بڑھا لیں گے انھیں ترقیاں جلد دے دی جائیں گی یا ان کے عہدے بڑھا دیئے جائیں گے۔

(۳) غریب اور نادار ان پڑھوں کو جب تک وہ خواندگی کی کلاسوں میں آتے ہیں، کچھ تھوڑی بہت نقد رقم دے دی جایا کرے۔

(۴) مال گذاری کی رقم کا ۳۰ فی صدی حصّہ جو پنچایتوں کو دیا جاتا ہے، اس کے لیے شرط لگا دی جائے کہ یہ رقم اُسی وقت ادا کی جائے گی جب پنچایت دوسری شرطوں کے ساتھ ساتھ اپنے گاؤں کو سَو فی صدی خواندہ بنانے اور خواندگی کی قابلیت کو بحال و برقرار رکھنے کی شرط بھی پوری کرلے گی۔ اس کے علاوہ کچھ انعامات کا اعلان بھی کیا جانا چاہیئے، مثلاً یہ کہ جو پنچایتیں مقررہ مدّت سے پہلے سو فی صدی خواندگی حاصل کریں گی انھیں ایک خاص گرانٹ دی جائے گی، یا کامیابی کی سند کے طور پر اعزازی بورڈ اور تمغے دیئے جائیں گے۔ اس قسم کے شوق دلانے والے اعلانات سے پنچایتوں کے درمیان ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا ہوگا اور رفتار میں تیزی آجائے گی۔

(۵) مہم کا پروپگنڈہ کرنے والی مشینری کو اپنا کام فلموں، دکھا سُنا کر تعلیم دینے والے ساز و سامان اور معلومات رسانی کے دوسرے عوامی وسائل کے توسّط سے انجام دینا چاہیئے تاکہ لوگوں کو پڑھا لکھا اور تعلیم یافتہ ہونے کے فوائد سے اچھی طرح آگاہ کیا جا سکے۔

(۶) خواندگی کے پروگرام کو جب تک معاشی ترقی سے منسلک نہیں کیا جائے گا، اُس وقت تک لوگوں میں خواندہ بننے کا کافی ذوق و شوق نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس کام میں شاید محکمۂ مال اور ترقیاتی منصوبے کے دوسرے محکمے بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ان کی طرف سے جو مختلف قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، ان کے بارے میں وہ انھیں جتلا دیں کہ لوگوں کو یہ سہولتیں حاصل کرنے کی منجملہ اور شرطوں کے ساتھ ایک شرط یہ بھی ہوگی کہ وہ پڑھنا لکھنا سیکھ لیں۔

(۷) انتخابات میں ووٹ دینے کا حق انھی بالغوں کو دیا جائے جو خواندگی کے ایک کم سے کم معیار تک پڑھنا لکھنا جانتے ہوں۔ مقامی حکومتوں مثلاً گرام پنچایتوں، پنچایت سمتیوں اور ضلع پریشدوں کے عہدوں کے لئے جو لوگ امیدوار ہونا چاہیں ان کے اوپر خواندگی کی یہ شرط امیدواری کی لازمی شرط کے طور پر عاید کی جانی چاہئے یعنی یہ کہ کوئی شخص ان عہدوں کے لئے امیدوار ہی نہیں ہو سکتا اگر وہ خواندگی کی یہ شرط پوری نہ کرتا ہو۔

(۸) خاندان کے سربراہوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے اپنے گھر کے تمام افراد کو خواندہ بنانے کی ذمے داری قبول کریں۔ ان میں اس بات کی تحریک پیدا کرنے کی غرض سے انھیں یقین دلایا جانا چاہیئے کہ اگر وہ یہ ذمہ داری قبول کریں گے تو قرضے اور دوسری سہولتیں فراہم کرنے میں ان کو ترجیح دی جائے گی۔

(۹) جو گاؤں گرام شکشن مہم میں شریک ہو کر خواندگی کا مقررہ معیار حاصل کرلیں ان کا جی کھول کر اشتہار کیا جانا چاہیئے اور ان کی کامیابی کی فلمیں تیار کر کے ان گاؤں میں دکھائی جانی چاہئیں جنھوں نے ابھی تک مہم میں شرکت نہیں کی ہے۔ ان کامیاب گاؤں میں مہم کے اثر سے ترقی کے جو آثار پیدا ہوئے ہوں انھیں ان فلموں میں اجاگر کر کے پیش کیا جانا چاہیئے۔

وسائل کی فراہمی

گرام شکشن مہم ان ضلعوں اور گاؤں میں کامیاب رہی ہے جہاں محکمۂ مال، محکمۂ زراعت و امداد باہمی، مقامی حکومتیں اور تنظیمیں، محکمۂ صحت اور محکمۂ کمیونٹی ڈیولپمنٹ، سب نے محکمۂ تعلیمات کے ساتھ مل کر کام کیا اور اپنے اپنے وسائل کو ایک جگہ جمع کر کے اُن سے کام لیا۔ اسی طرح ان مقامات پر بھی جہاں تمام سرکاری اداروں، سماجی کارکنوں، مہیلا منڈلوں کی خواتین، پنچایت سمتیوں اور گرام پنچایتوں نے لوگوں کو ترقی کے اس اہم پہلو سے واقف کرانے میں حصہ لیا اور گاؤں کے لوگوں کو اس کام کے لئے متحد کیا، مہم کامشن کامیاب رہا۔ بالغوں کو کلاسوں میں پڑھانے کا اصل کام پورے کا پورا اسکولوں کے ٹیچروں اور اونچی جماعتوں کے طالب علموں کے اوپر چھوڑ دیا گیا تھا۔ بعض علاقے ایسے بھی تھے جہاں ان تمام وسائل کو جٹانا تو ممکن ہو گیا، لیکن اُن کو مستقل طور پر بحال رکھنا آسان نہیں رہا۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ وسائل کی فراہمی احاطہ بند اور گٹھے ہوئے گاؤں میں جتنی آسانی سے نتیجہ بخش ہوتی ہے اتنی بڑی اور پھیلی ہوئی آبادیوں میں نہیں ہوتی۔ بالغوں کو خواندہ بنانے کے کام میں اسکولوں کی اونچی جماعتوں کے طالب علموں کی شرکت اور کام کی بڑی اہمیت

ہے۔ ہم نے طالب علموں سے باتیں کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ آیا انھیں اپنے والدین کو پڑھانے میں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی۔ انھوں نے بتایا کہ انھیں اس باب میں کوئی دقت نہیں اٹھانی پڑی، بلکہ والدین کو اس پر فخر تھا کہ انھوں نے خود اپنی اولاد سے پڑھنا لکھنا سیکھا۔ بعض معاملات میں تو یہ طریقہ کار زیادہ کارگر ثابت ہوا۔ اس لیے کہ گھر سے باہر نکل کر ٹیچروں یا سماجی کارکنوں کی کلاسوں میں آنے میں جن لوگوں کو آلکس یا جھجک محسوس ہوتی تھی، وہ یہ پابندی اُٹھائے بغیر ہی پڑھنا لکھنا سیکھ گئے۔

وسائل کی فراہمی کے بارے میں جو سُجھاؤ پیش کئے گئے، اُن میں سے چند کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) اس اسکیم کے ماتحت بالغوں کو پڑھانے کے کام کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا، پھر بھی اسکول کے ٹیچر بلا معاوضہ یہ کام کرنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ دوسرے محکمے اور ادارے مثلاً محکمۂ مال، محکمۂ پولیس، محکمۂ عدالت، محکمۂ ترقیات، محکمۂ فلاح عامہ، محکمۂ زراعت، محکمۂ صحت، اور مقامی انجمنیں جیسے پنچایتیں، مہیلا منڈل، نوجوان کلب، اور کسانوں کی انجمنیں مقامی اَن پڑھوں کو کلاسوں میں بھرتی کرنے، اور اُن سے حاضری کی پابندی کرانے میں اُن کی مدد کریں۔ اس کے بغیر ٹیچر ز ن کا گھر گھر جا کر بالغوں سے کلاسوں میں حاضر ہونے کی درخواست کرنا ان کے اوپر بار ہو جائے گا اور یہ تدبیر زیادہ دن نہیں چل سکے گی۔

(۲) امداد باہمی، ترقیات، نشر و اشاعت، زراعت، ایکسٹنشن، صحت اور فلاح عامہ وغیرہ کے محکمے پابندی کے ساتھ عوام کے مطالعے کے لیے لٹریچر شائع کرتے رہتے ہیں جو گاؤں والوں کے لیے بڑے کام کی چیزیں ہوتی ہیں۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ اس لٹریچر کا مواد بالغوں کے نفسیاتی تقاضوں اور سمجھ کی سطح کے مطابق رکھا جائے۔ اس ضرورت کو اگر تسلیم کیا جائے تو مذکورہ بالا لٹریچر درجہ وار ہونا چاہیے اور اس کی زبان اس ذخیرۂ الفاظ پر مشتمل ہونی چاہیے جس کے اوپر نو سکھ بالغ خواندگی کی کلاسوں میں عُبور حاصل کر چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس لٹریچر کی تیاری اور طباعت کا کام محکمۂ تعلیمات کے صلاح و مشورے سے انجام پذیر ہونا چاہیے۔

(۳) ضرورت ہے کہ مقامی کتب خانوں کو مواد مطالعہ سے لیس رکھا جائے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ مختلف محکمے جو لٹریچر (کتابیں، رسالے اور پمفلٹ وغیرہ) شائع کرتے ہیں، وہ سب کا سب پابندی کے ساتھ ان کتب خانوں کو جو ٹیچروں، گرام سیوکوں یا گرام سیوکاؤں کی نگرانی میں کام کریں گے، سپلائی کیا جاتا رہے۔

(۴) اسکولوں کی اونچی جماعتوں کے جو بچے غریب ہوں اور خواندگی کے کام میں شرکت کریں، ان کی عملی طور پر حوصلہ افزائی کی جانی چاہیئے مثلاً کچھ امداد مقرر کر دی جائے، وظیفہ دے دیا جائے، فیس معاف کر دی جائے۔ کتابیں اور اسٹشنری کا سامان فراہم کر دیا جائے۔

(۵) اسکولوں کے ٹیچر چونکہ یہ کام اعزازی طور پر انجام دیں گے اور کسی بھی مدت تک انجام دیتے رہیں گے اس لیئے اگر انھیں کچھ سہولتیں فراہم کر دی جائیں تو اس سے فائدہ ہوگا۔ مثلاً یہ بندوبست کر دیا جائے کہ ایسے ٹیچروں کے بچوں کو ہائر سکینڈری کی منزل تک مفت تعلیم دی جائے گی۔ اگرچہ اس طرح کی ایک آسانی کہ ٹیچروں کے بچے ان اسکولوں میں جہاں وہ کام کرتے ہیں، مفت تعلیم پائیں گے، پہلے سے موجود ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس انتظام سے پرائمری اسکولوں کے ٹیچروں کے بچے صرف ابتدائی منزل تک تعلیم مفت حاصل کریں گے جہاں تعلیم سب کے لیئے مفت ہے۔ اس لیئے بہتر یہ ہوگا کہ خواندگی کے پروگرام میں شرکت کرنے والے استادوں کو یہ سہولت دی جائے کہ ان کے بچے جس کسی اسکول میں بھی داخل ہوں گے، اُس میں ان کو مفت تعلیم ملے گی۔ یہ حکومت کی طرف سے اس بات کا اظہار ہوگا کہ وہ ان ٹیچروں کی خدمات کا اعتراف کرتی ہے۔

(۶) پڑھانے کا کام کرنے والے سب ٹیچروں کو چاہیے وہ پرائمری اسکول کے ٹیچر ہوں یا سکینڈری اسکولوں کے، کالجوں کے ٹیچر ہوں یا یونیورسٹیوں کے، اس پروگرام میں مستعدی سے حصّہ لینا چاہیئے۔ ہر اسکول اور کالج کو چاہیئے کہ وہ ایک نہ ایک گاؤں کو خواندگی کے اس پروگرام کے لیئے اپنی سپردگی میں لے لے۔

(۷) جو تعلیم یافتہ لوگ بے روزگار ہیں، ان کو آمادہ کرنا چاہیئے کہ بالغ خواندگی کے اس پروگرام میں حصّہ لیں اور ان کے لیئے ایک شرط یہ مقرر کر دی جائے کہ روزگار یا روزگار کے لیئے رجسٹریشن میں ترجیح ان لوگوں کو دی جائے گی جنھوں نے ان پڑھ بالغوں کی ایک مقررہ تعداد کو خواندہ بنایا ہوگا؛ اور اس بات کی تعلیمی افسران نے تصدیق کی ہو گی۔

(۸) مزید تعلیم یا ٹریننگ کے کورسوں میں داخلے کی ایک شرط یہ ہو کہ داخلے کی درخواست دینے والا کچھ ان پڑھ بالغوں کو خواندہ بنا چکا ہو۔ مگر یہ شرط لگانے کے ساتھ ساتھ کچھ رعایتوں کا بھی اعلان کیا جانا چاہیئے جیسے یہ کہ جس امیدوار نے کچھ ان پڑھوں کو خواندہ بنایا ہوگا، اُسے داخلے کے امتحان میں اس کام کے لیئے

مزید نمبر دیئے جائیں گے۔

(۹) ٹیچروں کو اس مہم میں شریک کرنے میں ایک رکاوٹ یہ پیش آئی کہ دیہی علاقوں میں ان کے قیام کا انتظام نہیں ہو پاتا۔ اس معاملے میں کچھ نہ کچھ بندوبست ایسا کیا جانا چاہیئے کہ ٹیچر گاؤں میں قیام کریں اور خواندگی کے بعد کے مشقی پروگرام اور تسلسلی تعلیم کا کام اپنے فاضل اور فرصت کے اوقات میں انجام دیں۔

خواندگی کی قابلیت کی بحالی اور استحکام

خواندگی کی قابلیت کو قائم و برقرار رکھنے کے اہم مسئلے کے باب میں جو خیالات اور سجھاؤ پیش کیے گئے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) گرام شکشن مہم کے کام کا جو سروے محکمۂ تعلیمات کی طرف سے کرایا گیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہم کے ماتحت جتنے اَن پڑھ بالغوں کو خواندہ بنایا گیا تھا، اُن میں سے ۴۴ فی صدی نے اپنی قابلیت کو بحال رکھا۔ اس معاملے میں عورتوں کا اوسط فی صدی مردوں کے مقابلے میں کسی قدر اونچا ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ خواندگی کی جو کوششیں کی جارہی ہیں، اُن کا کوئی کارآمد نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا ہے۔ "گرام گورَو سمارمبھ" کی تقریب جسے کارآمد خواندگی حاصل کرنے کا نقطۂ آغاز ہونا چاہیئے اُسے منا کر سمجھ لیا گیا کہ بس خواندگی کا سفر ختم ہو گیا۔ گرام شکشن مہم کے ماتحت ابتدائی چار مہینوں میں خواندگی کی جو استعداد حاصل ہوتی ہے وہ بہت پست ہے۔ اس سے لوگ زیادہ سے زیادہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ چند سیدھے سادے الفاظ اور جملے پڑھ لیں اور اپنا نام، کنبہ اور اپنے گاؤں کا نام لکھ لیں۔ پڑھنے لکھنے کی قابلیت کے اس معیار سے کوئی اس قابل نہیں ہو سکتا کہ اُس سے اپنی زندگی میں کام لے سکے نہ اس قابل کہ اس سے حوصلہ پا کر اس کے دل میں مزید علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔ یہ تو صحیح ہے کہ محکمۂ تعلیمات کے اہتمام میں جو کتابچے تیار کیے جاتے ہیں وہ گرام گورَو سمارمبھ کی تقریب کے موقعے پر نو سکھوں میں پڑھنے کے لیے تقسیم کیے جاتے ہیں لیکن اس بات کا اطمینان کرنے کے لیے کہ لوگ ان کتابچوں کو پڑھ لیتے ہیں، کوئی معقول اور باضابطہ انتظام نہیں ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مقامی ٹیچر اسکول کے بچوں کے ہاتھ یہ کتابچے

نوسکھ بالغوں میں تقسیم کرتے ہیں مگر اُن کے یہاں بھی اس بات کی جانچ کرنے کے لئے کہ نوسکھ انھیں پڑھتے ہیں یا نہیں جانچ کا کوئی موثر حربہ موجود نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نوخواند بالغ وقت اور شوق کی کمی کے باعث یہ کتابیں بالکل نہیں پڑھتے۔

(۲) اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ان کتابچوں کا موضوع اور مواد بالغوں کے لئے کافی حد تک باعثِ کشش ثابت نہیں ہوتا ان کا ٹائپ باریک اور "گیٹ اپ" بھونڈا ہوتا ہے ان میں تصویریں بھی نہیں ہیں جن سے مجرّد خیالات اور مواقع نظروں کے سامنے آ جائیں۔

(۳) مسئلے کا ایک دوسرا پہلو یہ رہا ہے کہ خواندگی کی کلاسیں ۱۴ سے ۵۰ سال کی عمر کے زمرے میں آنے والے تمام بالغوں کے لئے ایک ہی جگہ لگتی ہیں۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ۱۴ سے ۲۰ سال کے زمرے میں آنے والے بالغ ۲۰ سے ۳۵ اور ۳۵ سے ۵۰ سال کے بالغوں کے مقابلے میں باتوں کو زیادہ آسانی سے قبول کرتے ہیں، ان میں پڑھنا لکھنا سیکھنے کا زیادہ شوق ہوتا ہے اور خواندگی کی صلاحیت کو قائم و برقرار رکھنے کا زیادہ مادّہ ہوتا ہے۔ عمر کے ان مختلف زمروں کے لوگوں میں ذہنی رجحانات اور نفسیاتی تقاضوں کا فرق بھی بہت زیادہ ہوتا ہے اور اگر ان تینوں کے لئے کلاسیں الگ الگ لگائی جاتیں اور بہ تقاضائے اختلافِ عمر ان کے حسب حال مختلف طریقۂ تعلیم اختیار کئے جاتے تو پڑھنا لکھنا سکھانے اور اُسے برقرار رکھوانے میں زیادہ کامیابی ہوتی۔ کامیابی کے اوسط میں جو فرق ہوتا ہے وہ بھی اسی لئے کہ عمر کے اعتبار سے مختلف عمروں کے طالب علموں کی سیکھنے کی رفتار تیز یا سست ہوتی ہے۔

(۴) یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا کہ اگر مہم کے پہلے مرحلے پر صرف ۱۴ سے ۲۰ سال کے زمرے میں آنے والے بالغوں کو لیا جاتا اور دوسرے اور تیسرے مرحلوں پر علی الترتیب ۳۰ سے ۳۵ اور ۳۵ سے ۵۰ سال کے بالغوں کو تو اس سے اچھے نتائج برآمد ہوتے۔ اس صورت میں پہلے زمرۂ عمر کے بالغ جو خواندہ ہو چکے ہیں، وہ خواندگی کے بعد کی یا اس سے آگے کی تعلیم کی کلاسوں میں شرکت کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے مرحلے پر دوسرے گروہ کی خواندگی کے کام میں بھی ہاتھ بٹاتے۔ اسی طرح تیسرے مرحلے پر ۳۵ سے ۵۰ سال کے بالغوں کو خواندہ بنانے کا کام ہوتا اور اس سے پہلے والے گروہ کے لوگوں کی آگے کی تعلیم کا پروگرام چلتا۔ اس تنظیم کے نتیجے کے طور پر سب سے کم عمر گروہ کے بالغوں کو مشقی تعلیم کے بہتر موقعے ملتے اور اس اثنا میں آسانی سے معلوم ہو جاتا کہ اس گروہ میں سرداری کے قابل

کتنے جوہر موجود ہیں تاکہ ان کی مکمل تعلیم کے لیے زیادہ توجہ سے کام ہو سکتا۔

(۵) اگر خواندگی کے پروگرام کو مستقل طور پر چلانا مقصود ہو تو ضرورت اس بات کی ہے کہ چار مہینے کی ابتدائی مہم کے بعد نوسکھ بالغوں کے لیے مستقل اور باضابطہ اڈلٹ اسکول اور تعلیم کے تسلسلی کورس منعقد کئے جائیں اور ان اسکولوں اور تسلسلی کورسوں میں پڑھانے والے ٹیچروں یا کارکنوں کو جو پورے وقت کے ملازم ہوں تھوڑا بہت "اعزازانہ" (آنر یریم) بھی ادا کیا جائے۔

(۶) مہم کے مشقی (فالو اپ) پروگرام میں ایک رکاوٹ یہ رہی ہے کہ جس زمانے میں کوئی ٹیچر خواندگی کا کام کر رہا ہوتا ہے اُسی زمانے میں اسے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے یہ ضابطہ ہونا چاہئے کہ کسی ٹیچر کا جو خواندگی کا کام کر رہا ہو اُس وقت تک تبادلہ نہ کیا جائے جب تک گاؤں سو فی صدی خواندگی حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ اس زمانے میں تبادلے اس لیے نہیں کرنے چاہئیں کہ اس سے محکمے کی یا خود ٹیچر کی دلچسپی وابستہ ہے۔

(۷) اس وقت محکمۂ تعلیمات کے صدر دفتر میں جو پونا میں واقع ہے، سوشل ایجوکیشن کا ایک کل وقتی افسر مقرر ہے، اور وہ بھی مخصوص ڈیوٹی کے افسر (آفیسر آن اسپشل ڈیوٹی) کی حیثیت سے ضلعوں میں ایجوکیشن آفیسر تعلقوں میں ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر اور گاؤں کی سطح پر اسسٹنٹ ڈپٹی ایجوکیشن انسپکٹر کا کام کرتے ہیں مگر یہ افسران تعلیمی انتظام کے مختلف مسائل میں اس قدر مصروف رہتے ہیں کہ انھیں خواندگی کے اس پروگرام پر توجہ دینے کے لیے کافی وقت نہیں ملتا۔ خواندگی کا مشقی پروگرام خونتیجہ بخش اور موثر نہیں ہو پاتا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ محکمۂ تعلیمات اور ضلعوں اور تعلقوں کے دفاتر تعلیم میں کارکنوں کی تعداد ناکافی ہے۔ اس صورتِ حال سے یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ محکمۂ تعلیمات اور دوسرے مقامی تعلیمی دفتروں میں کارکنوں کی تعداد بڑھائی جانی چاہیے اور ہر سطح پر خاص اس پروگرام کی ذمے داری سنبھالنے کے لیے کچھ کل وقتی افسر مقرر کیے جانے چاہئیں۔ اس کے علاوہ مہم کے ابتدائی اور مشقی پروگراموں کو نتیجہ بخش اور موثر بنانے کے لیے ایک ضرورت یہ ہے کہ مہم کے افسروں کے لیے حکومت کی طرف سے گاڑیاں مہیا کی جائیں تاکہ وہ گاؤں گاؤں جاکر اس مہم میں کام کرنے والے کارکنوں اور ٹیچروں کی عین موقعے پر رہنمائی کر سکیں۔

نتیجہ

ہم لوگوں نے اس مطالعے کے سلسلے میں مہاراشٹر میں ۱۲ دن قیام کیا تھا، اور اس مدت میں تین ضلعوں پونا، ستارا اور

سانگلی کا معائنہ کرایا تھا۔ ان تین ضلعوں کے معائنے کے دوران میں ہم نے بہت سے گاؤں میں گرام شکشن مہم کا کام ہوتے دیکھا اور اس کے مختلف پہلوؤں پر سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے نمایندوں، ٹیچروں، سماجی کارکنوں، طالب علموں اور خود گاؤں کے لوگوں سے تبادلۂ خیالات کیا۔

کسی پروگرام کے مطالعے کے لیئے ۱۲ دن کی مدّت اتنی کم مدّت ہے کہ پروگرام کے بارے میں مفصل اور واضح نتائج پر پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اس پروگرام کو دیکھنے اور سننے کے بعد اور اس کے مطابق عملاً کام ہوتے دیکھ کر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ "گرام شکشن مہم" ایک "عوامی مہم" ہے اور اس کو قابلِ ذکر حد تک کامیابی ہوئی ہے —— ایسی کامیابی بھی جو باہر سے نظر آسکتی ہے .... اور ایسی بھی جس کے آثار محسوس کیئے جا سکتے ہیں۔ جن علاقوں میں اسے نافذ کیا گیا ہے اور اس کے مطابق پورے طور پر کام ہوا ہے، وہاں کے عوام پر بلاشک وشبہ اس کی گہری چھاپ پڑی ہے۔

لیکن جہاں ایک طرف یہ حقیقت ہے کہ گرام شکشن مہم کو خواندگی کے معاملے میں عوام کی سرد مہری اور بے حسی کو توڑنے میں نمایاں کامیابی ہوئی ہے، وہاں یہ واقعہ بھی ہے کہ اس کا ایک پہلو بہت کمزور کسی حد تک تشویشناک ہے اور وہ ہے خواندگی کے بعد کی مسلسل تعلیم (فالواپ) کا پروگرام خواندگی کا کوئی پروگرام ہو، جب تک اُسے ایک جاندار اور مرتّب و منظم مسلسل پروگرام کا سہارا نہ ملے، وہ کارآمد نہیں ہو سکتا اور پروگرام کے اوپر جو کچھ بھی محنت سرمایہ اور سامان خرچ ہوگا، اکارت جائے گا۔ خواندگی کی مہم کا یہی وہ رُخ ہے جس کی طرف مختلف شکلوں میں توجہ دینے کی ضرورت ہے جیسے کتابوں اور دوسرے مواد مطالعہ کا مسلسل اجراء، کتب خانوں کا معقول بندوبست، سوشل ایجوکیشن کے سنٹروں کا قیام اور دوسری تعلیمی خدمات۔ حکومت کے محکمۂ تعلیمات کے افسر اس ضرورت سے بخوبی واقف ہیں اور اس ذیل میں مناسب اقدام کی بات سوچ رہے ہیں۔

غرض گرام شکشن مہم کے اندر بڑے جوہر اور تابناک امکانات پوشیدہ ہیں اور اگر اُسے نوسکھوں کی صلاحیت خواندگی کو مستحکم کرنے کے لیئے فالواپ کے ایک سوچے سمجھے پروگرام کا سہارا نہ دیا گیا تو یہ مہم مُرجھا جائے گی اور یہ سانحہ بڑا المناک ہوگا۔ آیئے اس بات کا اہتمام کریں کہ گاؤں والوں کے تیرہ و تار مکانوں میں جو چراغ روشن کیا گیا ہے، وہ ہمیشہ جلتا اور روشنی دیتا رہے۔

Registered No. D. 1126

THE MONTHLY TALIM-O-TARAQQI.

OCTOBER 1965.

ماہنامہ تعلیم و ترقی

جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

● ــــــ بالغوں کی تعلیم جمہوریت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

● ــــــ بالغوں کی تعلیم کے مرکز قائم کیجئے اور جہالت کے خلاف اس مقدس جہاد میں پڑھے لکھے لوگوں کو شرکت کی دعوت دیجئے۔

● ــــــ رسالہ تعلیم و ترقی اس نیک مہم میں آپ کا ہر قدم پر ساتھ دے گا۔

● ــــــ اس کا سالانہ چندہ صرف چار روپے ہے اور اردو اور ہندی میں الگ الگ شائع ہوتا ہے۔

● ــــــ ہر سال تعلیم بالغان کے ایک نہ ایک موضوع پر اس کا ایک اسپیشل نمبر شائع ہوتا ہے جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

● ــــــ اگر آپ مستقل خریدار رہوں گے تو آپ کو یہ ضخیم شمارہ خصوصی بھی سالانہ چندے ہی میں ملے گا۔

منیجر

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq
Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI.

تعلیم و ترقی

(سوشل ایجوکیشن کا رسالہ)

ادارہ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

نومبر ۱۹۶۵ء

جلد ۱۶ شمارہ ۱۱

بانی :- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر :-

پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر :-

تعلیم و ترقی ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ ۔ نئی دہلی ۲۵

فون : ۴۴۶۴۴۷

سالانہ چندہ چار روپے فی پرچہ ۴۰ پیسے

ترتیب

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے یونین پریس جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ناخواندگی کا خاتمہ

پلاننگ کمیشن حکومت ہند کا کُل ہند سیمینار

ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ میں شاید یہ موقع پہلی ہی مرتبہ آیا ہے کہ ملک سے ناخواندگی کی لعنت کو ختم کرنے کے باب میں خالصۃً سرکاری اہتمام میں غور و بحث کی نشست منعقد ہوئی۔ ستمبر ۱۹۶۴ء میں کل ہند پیمانے پر اسی طرح کا ایک اجتماع "نیشنل اسٹڈی گروپ آن اڈلٹ لٹریسی اینڈ اڈلٹ ایجوکیشن" کے نام سے نئی دہلی میں منعقد ہوا تھا لیکن اس میں اصل تحریک یونیسکو کی تھی، حکومتِ ہند کی وزارتِ تعلیم نے یونیسکو کے ساتھ تعاون کرنے کی غرض سے اس میں حصہ لیا تھا۔ اس اعتبار سے پلاننگ کمیشن کے اس پونا سیمینار سے بجا طور پر کامیابی کی امید بندھتی ہے اور ہماری دل سے خواہش ہے کہ یہ امید پوری ہو۔

اس سیمینار کے پونا (مہاراشٹر) میں منعقد کرنے کی ایک خاص وجہ تھی اور وہ یہ کہ مہاراشٹر نے اپنی گرام شکشن مہم کے ذریعے خاتمۂ ناخواندگی کی ایک قابلِ ذکر مہم چلا رکھی ہے اور اس کا عزم ہے کہ پانچ سال کی مدت میں مہاراشٹر سے ناخواندگی کی لعنت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے۔ سیمینار کے مہاراشٹر میں منعقد کرنے سے مہم کی حوصلہ افزائی مقصود تھی اور یہ فائدہ بھی پیشِ نظر تھا کہ سیمینار میں حصہ لینے والے نمائندوں کو گرام شکشن مہم کا رنگ روپ قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا۔

سیمینار میں اور اس کے ساتھ مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم میں اتنی کشش تھی کہ پلاننگ کمیشن نے سرکاری یا غیر سرکاری جس کسی ادارے یا شخص کو مدعو کیا تھا، وہاں موجود تھا، اور ریاستوں میں سے تو شاید کوئی ایسی ریاست نہیں تھی جس نے اپنے نمائندے نہ بھیجے ہوں چنانچہ نمائندوں کی تعداد سوا اور ڈیڑھ سو کے درمیان تھی اور ان کی علمی اور تعلیمی سرگرمیوں

کی بدولت تین چار دن تک ایم۔ ای۔ ایس کالج پونا میں بڑی رونق اور چہل پہل رہی۔

سیمنار کے سامنے غور و فکر کے لئے جو امور رکھے گئے تھے (جو اسی شمارے میں کسی جگہ شائع کئے جا رہے ہیں) وہ اس اعتبار سے بہت اہم تھے کہ کسی سرکاری سیمنار کے سامنے غور و فکر کے لئے پہلی بار آئے تھے، لیکن جہاں تک اڈلٹ لٹریسی کی تحریک سے ان کے وابستہ ہونے کا تعلق ہے، ان میں سے ایک ایک پر اس سے پہلے تفصیل سے بات چیت اور بحث ہو چکی ہے اور ان کے نتائج اُن کی رپورٹوں میں محفوظ ہیں۔ اِس سیمنار میں ان امور پر جو باتیں ہوئیں، اُن کا رُخ بھی کم و بیش وہی تھا جو اب سے پہلے کی بات چیت اور غور و فکر کا رہ چکا ہے۔

لیکن اس کے باوجود اِن باتوں کی اور اُن نتائج کی جو بات چیت کی مجلسوں سے اخذ کئے گئے، اہمیت ہے اور بہت بڑی اہمیت اس لئے کہ یہ باتیں زیادہ تر سرکاری نمایندوں کی زبان سے نکلی ہیں جنھیں ان کے اوپر عمل کرنا ہے مثلاً بالغوں کی ناخواندگی کو ختم کرنے کے سلسلے میں ایک قومی پالیسی کے اعلان کا معاملہ ہے۔ یہ بات اب تک زیادہ تر غیر سرکاری پلیٹ فارم سے کہی جاتی رہی ہے۔ اب بعینہٖ یہی بات سیمنار کے گروپ اوّل میں کہی گئی اور اس کی سیمنار کے مشترک کھلے اجلاس میں تائید و تصدیق کی گئی۔ اسی طرح اڈلٹ ایجوکیشن کو فروغ دینے کی غرض سے مرکز اور ریاستوں میں قانون بنانے کی ضرورت کا مسئلہ ہے۔ یہ ضرورت بھی بار بار جتلائی جا چکی تھی اور راجستھان میں تو اس طرح کا ایک قانون بن بھی چکا ہے (اگرچہ ابھی تک اُس کے نفاذ کی نوبت نہیں آئی) مگر اب یہی بات پلاننگ کمیشن کے اس سیمنار میں بھی کہی گئی ہے اور چونکہ ریاستوں اور مرکز کے نمایندوں کی اکثریت نے یہ بات کہی ہے اس لئے اس کی بڑی اہمیت اور قدر و قیمت ہے، اور امید ہوتی ہے کہ حکومتِ وقت ان ضرورتوں پر اب سنجیدگی سے غور کرے گی۔

سیمنار کے ایک گروپ کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ کار آمد خواندگی (فنکشنل لٹریسی)، خواندگی اور اڈلٹ ایجوکیشن سے متعلق لٹریچر کی ترتیب و تالیف اور کتب خانوں کے ایک جامع نظام کے مسائل پر بات چیت کرے۔ اس گروپ نے بڑے گہرے غور و فکر کے ساتھ فنکشنل لٹریسی کی تعریف کی، نو سکھ بالغوں کو اس کے معیار تک پہنچانے کی غرض سے موزوں لٹریچر کی تالیف و تصنیف پر زور دیا اور کتب خانوں کا ایک جامع نظام قائم کرنے کی سفارش کی اور یہ سب سفارشات جوں کی توں سیمنار کے مشترک کھلے اجلاس میں منظور ہو گئیں۔ لیکن ہمارے خیال میں فنکشنل لٹریسی کے مسئلے کا ایک پہلو پھر بھی تشنہ رہ گیا، اور یہی وہ پہلو ہے جس پر اس سیمنار میں سب سے زیادہ توجہ دی جانی چاہئے تھی، اور اگر ایسا ہو جاتا تو اِسے پونا سیمنار کی ایک دین سمجھا جاتا۔ یہ پہلو نوخواندہ بالغ کو فنکشنل لٹریسی کے معیار تک پہنچانے کے طریقۂ کار سے متعلق ہے۔ مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم کے سامنے بھی کام کا یہی پہلو ہے جس کا ابھی تک کوئی حل نہیں نکل سکا ہے۔ ہمارے خیال میں

حکومت مہاراشٹر کو جس کے اہتمام میں یہ سیمینار منعقد کیا گیا تھا۔ بجا طور پر یہ امید رہی ہو گی کہ سیمینار اس کے درد کا درماں ضرور تجویز کرے گا۔ مگر ان مسائل پر غور و فکر جس گروپ کے سپرد کیا گیا تھا، اس نے اپنی رپورٹ میں صرف اس قدر کہا کہ

"کافی غور و خوض کے بعد یہ رائے قائم کی گئی کہ عبارت شناسی اور عبارت فہمی کی ابتدائی منزل کے بعد خواندگی کا پروگرام کچھ اس نہج پر چلایا جانا چاہیئے کہ (نوخواندہ طلبار کا) ایک طبقہ اس قابل ہو جائے کہ آگے چل کر مراسلاتی کورسوں اور شبینہ اسکولوں کے ذریعے رسمی تعلیم کی منزلیں بھی طے کر سکے۔ اس بات پر اتفاق ظاہر کیا گیا کہ علمی اعتبار سے نوخواندہ کی صلاحیتِ خواندگی کا وہ معیار سامنے رکھا جائے جو چوتھی جماعت کا ہوتا ہے اور معلوماتِ عامّہ کے اعتبار سے وہ جو ساتویں جماعت کا ہوتا ہے۔"

ہمارے خیال میں اتنی مختصر اور مبہم سفارش سے مسئلے کا صحیح حل سمجھ میں نہیں آسکتا۔ فنکشنل لٹریسی کے معیار تک، نوخواندہ بالغ کو پہنچانے کے لئے اُسی طرح اور اسی اہتمام سے مہم کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے جس لگن اور تیاری کے ساتھ ابتدائی خواندگی کی مہم کو۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جسے ہم پہلی بار کہہ رہے ہیں۔ بلکہ یہی نقطۂ نظر یونیسکو کا بھی ہے جس کی تشریح و تعبیر سے اس کی کتاب "ٹیچنگ آف ریڈنگ اینڈ رائٹنگ" کا ایک پورا باب بھرا ہوا ہے۔ ممکن ہے یہ سفارش کرتے وقت گروپ کے ذہن میں یہ بات رہی ہو کہ مطالبہ کم سے کم مقدار میں کرنا چاہیئے تاکہ اُسے تسلیم کرنے میں پس و پیش نہ ہو، لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ جب عمل کرنے کا وقت آئے گا تو اُس وقت کم سے کم مطالبے میں بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور اگر کمی کر دی گئی تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ خواندگی کی قومی مہم کے سامنے جو معیار ہو گا اس کی کیا حیثیت ہو گی۔ ہماری اس معاملے میں بہرحال یہ پختہ رائے ہے کہ جب تک پوسٹ لٹریسی (ثانوی خواندگی) کی منزل میں بھی یکساں طور پر منظم پڑھائی (ORGANISED STUDY) کا بندوبست نہیں کیا جائے گا اُس وقت تک نوخواندہ بالغ کے لئے فنکشنل لٹریسی کے معیار تک پہنچنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو گا اور اِس کا ہر وقت خطرہ رہے گا کہ وہ اپنی ابتدائی خواندگی کی صلاحیت کھو بیٹھے۔

سیمینار نے اپنے موضوعات بحث کی فہرست میں وہ مشکل مسئلہ بھی شامل کیا تھا جس کے بارے میں ایک مدت سے بحث ہوتی آئی تھی لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا تھا۔ وہ مسئلہ ہے اڈلٹ ایجوکیشن کے لیے ایک قومی بورڈ بنانے کا۔ اس واحد پہلو پر بحث کرنے کے لئے ایک پورے گروپ کا تقرر کیا گیا تھا۔ گروپ نے جو سفارشات منظور کی ہیں

اندرجن کی مشترک کھلے اجلاس میں تصدیق و تائید بھی ہوگئی ہے وہ بھی کم سے کم اس اعتبار سے اہم ہیں کہ اس سرکاری اجتماع نے اُس بات کی ایک حد تک تائید کردی جواب تک غیر سرکاری پلیٹ فارم سے کہی جاتی رہی ہے چنانچہ امید ہوتی ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے قومی بورڈ کا، وہ مشاورتی ہی سہی، افتتاح تو ہو ہی جائے گا، آئندہ ضرورت محسوس کی جائے گی تو اُس کی نوعیت میں بھی وسعت اور تبدیلی کرلی جائے گی۔

سیمنار میں ایک نہایت دلچسپ مگر ساتھ ہی ساتھ بہت اچھی بات یہ ہوئی کہ خاتمۂ ناخواندگی کی قومی مہم جو اس سیمنار نے تجویز کی ہے، اُس کے خرچ کا مسئلہ کسی موقعے پر بھی زیر بحث نہیں آنے پایا۔ یہ بڑا اختلافی مسئلہ ہے اور اگر اُسے اُٹھایا جاتا تو سوائے اُلجھاؤ پیدا ہونے کے کوئی کام کی بات شاید نہ نکل پاتی۔ جیسا کہ سیمنار کے فاضل چیرمین ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ نے اطلاع دی، چوتھے پنجسالہ پلان کے دوران میں اڈلٹ ایجوکیشن کے لئے ۷۱ کروڑ روپیہ منظور ہونے کی امید ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہئیے کہ اس سرمائے کو ایک ایک پیسے کا حساب لگاکر خرچ کیا جائے۔ اگر خرچ کے معاملے میں کفایت شعاری اور احتیاط سے کام لیا گیا تو ۷۱ کروڑ روپئے بھی کچھ کم رقم نہیں ہے۔

ہم پلاننگ کمیشن کو مبارک باد دیتے ہیں کہ اس کو ملک سے ناخواندگی کی لعنت کو ختم کرنے کا خیال آیا اور اس اہتمام اور وابستگی کے ساتھ آیا کہ اس کے اوپر غور و بحث کرنے کی غرض سے کُل ہند پیمانے کا سیمنار بُلا لیا گیا۔ خدا مبارک کرے۔

خواندگی یا ناخواندگی کا خاتمہ

چند اشارے

شفیق صاحب مرحوم نے بالغوں کی تعلیم میں جس قدر تجربے کئے تھے، اسی مناسبت سے انھوں نے لکھا بھی ہوتا تو غالباً تعلیم بالغان کی تحریک کی فلسفیانہ بنیاد بہت کچھ مضبوط ہو گئی ہوتی۔ وہ اپنے خیالات اور تجربات کو ضبطِ تحریر میں لانے سے بہت کتراتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ۱۹۳۸ء اور ۱۹۵۳ء کے درمیان کی ۱۵ سال کی مدت کا کل حاصل دو تین نہایت مختصر مضامین، ایک خطبۂ صدارت اور اپنے کام کے سلسلے کی چار چھ تجاویز ہیں اور بس۔

البتہ وہ بلند آواز میں سوچنے کے بہت عادی ہیں اور باتوں ہی باتوں میں ان کے ساتھیوں کے لئے بڑے بڑے پروگرام مرتب ہو جاتے تھے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایک موقعے پر اُن سے ہندوستان میں ڈنمارک کے فوک ہائی اسکول کا تجربہ کرنے کا ذکر آ گیا۔ مسلسل دو ڈھائی گھنٹے تک باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں فرمایا "اگر ان باتوں کا خلاصہ تمھارے ذہن میں محفوظ ہو تو اُسے لکھ لو اور دیکھو کہ یہ باتیں کچھ کام کی تھیں یا یوں ہی گپ ہی گپ میں دو ڈھائی گھنٹے ضائع ہو گئے۔" میں فوراً قلم لے کر بیٹھ گیا اور تین چار گھنٹے میں ایک خلاصہ تیار کر لیا۔ دوسرے دن جب انھوں نے دیکھا تو کہنے لگے "بھئی باتیں تو معلوم نہیں ایسی ہوئی تھیں یا نہیں مگر یہ تو اچھی خاصی اسکیم بن گئی!"

مرحوم کا زیرِ نظر مضمون جو ناخواندگی کے انسداد سے متعلق ہے، انھوں نے (۱۹۴۹ء میں) خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور اسی کی بنیاد پر اپنے ایک عزیز ترین دوست سے کئی گھنٹے باتیں کی تھیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہی باتیں انگریزی کا لباس پہن کر پہلے مینشل سیمنار (جبل پور) کا ورکنگ پیپر بن گئی تھیں چنانچہ اس سیمنار

کی سفارشات کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ انہی چند اشاروں کی تفصیلات ہیں۔

خوشی کی بات ہے کہ شفیق صاحب مرحوم کا خواب عمل کا روپ اختیار کرکے اب ملک کے سامنے آرہا ہے اور بالغوں کی تعلیم کے مفکرین اسے پورا کر دکھانے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں۔ مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم کی شکل میں تو وہ خواب جلوہ گر بھی ہوچکا ہے اور اب پورے ملک میں ناخواندگی کے خاتمے کی مہم منظم کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں شفیق صاحب کے اشارات پر ایک بار پھر پلٹ کر نظر کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا اس لئے ہم ان کو تعلیم و ترقی کی اس اشاعت میں شریک کر رہے ہیں۔

(برکت علی فراق)

حصہ اوّل

چند تمہیدی باتیں

۱۔ باوجود ہر قسم کی سرکاری اور غیر سرکاری، نجی اور سماج سیوا کی سنستھاؤں کی کوششوں کے لٹریسی کے کام میں کوئی نمایاں فرق اور ترقی نظر نہیں آتی۔

۲۔ لٹریسی کے کام میں بھی ہندوستان کی ۹۰ فی صدی آبادی کا مسئلہ ہے۔ ابتدائی تعلیم چونکہ ابھی جبریہ اور لازمی نہیں ہے، اس لئے اِل لٹریٹس، کی تعداد میں مجموعی حیثیت سے دن بہ دن اور سال بہ سال اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

۳۔ تجربات شاہد ہیں کہ بالغوں کو لٹریٹ بنانے کے لئے زیادہ مدت درکار نہیں ہوگی۔ اگر بالغ پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے آمادہ ہوجائیں تو صرف بیس اکیس دن میں ان کو لٹریٹ بنایا جاسکتا ہے۔

۴۔ اسی وجہ سے لٹریسی کا کام ایک وقتی اور عارضی حیثیت کا کام ہے: جب اور جس پیمانے پر یہ مہم شروع ہو، ایک مدت مقررہ کے اندر ختم ہوجانی چاہیئے۔ اس کے بعد پھر سلسلۂ تعلیم زندگی بھر جاری رکھنے کا کام ہے لیکن اس کو لٹریسی کے کام سے الگ رکھنا چاہیئے۔

۵۔ بالغوں کو لٹریسی کے لئے آمادہ کرنے کے دو ہی قوی محرکات ہیں

(۱) وہ خود لٹریسی کی ضرورت کو محسوس کریں (۲) اِل لٹریسی کو باعثِ ذلت سمجھیں۔ یہ دونوں محرکات اس وقت مفقود ہیں۔

۶ - جہاں تک کارکنوں کا تعلق ہے باوجود اخلاص اور محنت، شوق اور انہماک کے، ان کی کوششیں زیادہ کامیاب اس لئے نہیں ہوتیں کہ

(۱) اتنے بڑے کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کام کی دشواریوں کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاتا ۔

(۲) بالغوں کی لٹریسی کی تنظیم بھی بچوں کی ابتدائی تعلیم کے اصولوں اور اسی نمونے پر معمولاً کی جاتی ہے اور "مدرسہ" "مدرس" اور "درسیات" کی ذہنیت اُس کی تنظیم میں کارفرما رہتی ہے (حالانکہ اس ذہنی مہم کے لئے نہ مستقل منتقل مدارس شبینہ کی ضرورت ہے، نہ ٹرینڈ مدرسوں کی، نہ مروجہ طرز کی درسیات سے کام چل سکتا ہے)

(۳) بالغوں کی تعلیم کا بنیادی اصول، خود پڑھنا اور خود سیکھنا ہے۔ اس کے لئے سہولتیں اور مواد فراہم کرنا کارکنان تعلیم بالغان کا کام ہے لیکن لٹریسی کی تمام کوششوں کے ساتھ لٹریسی کی مشق اور لٹریسی کی قابلیت کو مستحکم کرنے اور اس قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے فراوانی کے ساتھ مناسب اور موزوں، اچھے اور دلچسپ لٹریچر کی فراہمی کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا ۔

۷ - لٹریسی کا کام بالعموم (EXTENSIVE) طریقے پر کیا جاتا ہے اس لئے باوجود اس کے کہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لٹریٹ بنائے گئے ہیں، لیکن پھر بھی چونکہ یہ نتائج منتشر ہیں، مرکوز نہیں ہیں اس لئے لٹریسی کی تحریک میں اب تک کوئی قوت اور حرکت (MOMENTUM) نہیں پیدا ہوسکا اور لٹریسی کی تحریک میں جمود جوں کا توں قائم ہے ۔

حصّہ دوم

لٹریسی کی مہم

۱ - لٹریسی کی مہم منصوبہ بندی اور اہتمام کے ساتھ شروع کی جائے، اس مقصد کو سامنے رکھ کر کی جائے کہ ایک مقررہ علاقے یا آبادی میں ہر بالغ کو ایک مقررہ مدت کے اندر لٹریٹ بنا دیا جائے گا (COMPLETE ERADICATION- OF ILLITERACY)

۲ - اس علاقے میں زمین کو ہموار کرنے کے لئے کچھ سوشل ایجوکیشن کا کام اور بنیادی لٹریسی کی مہم سے پہلے شروع کرنی ہوگی مثلاً

(۱) وسائل کو ملحوظ رکھ کر لٹریسی کی مہم کے لئے علاقے کی حد بندی۔

(۲) اس علاقے میں بچوں کے لئے لازمی جبری تعلیم کا انتظام

(۳) علاقے میں کسی مرکزی جگہ پر سوشل ایجوکیشن سنٹر یا ایک سبھا کا قیام

(۴) علاقے کا ایک تعلیمی جائزہ

(۵) لٹریسی کی مہم کے لئے کارکنوں اور رضاکاروں کا انتظام

(۶) ضروری سامان تعلیم کا انتظام

(۷) سازگار فضا کی تیاری

لٹریسی کی مہم کی ابتدا

(۱) اگر وسائل کافی ہوں تو پورے علاقے کی پوری بالغ ال لٹریٹ آبادی کی جماعت بندی ایک ساتھ کی جائے (فی جماعت ۲۵ طلبا کے حساب سے) ورنہ وسائل کے مطابق پہلے بستی کے ایک حصہ آبادی کو لیا جائے اور پھر دوسرے حصے کو

(۲) چھپے ہوئے اسباق روزانہ طلبا کو تقسیم کئے جائیں اور انہیں اسباق کے پوسٹر گلی کوچے میں لگائے جائیں۔ اور بچوں کے بھی اسباق روز تقسیم کئے جائیں تاکہ وہ اپنے اپنے گھروں پر اس کا چرچا کریں۔

(۳) لٹریسی کی مہم کے زمانے میں سوشل ایجوکیشن کا عام پروگرام سنٹر کے ذریعے جاری رکھا جائے بالخصوص بڑا اخبار سوشل ایجوکیشن کے کارواں کا گشت، تفریحی پروگرام وغیرہ۔

(۴) لٹریسی کی مہم کی مدت کے ختم پر ایک مطبوعہ سند مرکز کی طرف سے لٹریٹ کو دی جائے اور لٹریٹ کی طرف سے ایک دستخطی سند بطور نشان مرکز کے لیے حاصل کی جائے۔

(۵) "اس گھر میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا"، "اس گلی میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا"، "اس بستی میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا"۔ یہ مطبوعہ اعلان ہر گھر اور ہر گلی میں لگایا جائے اور بستی کے متعلق یہ اعلان اخبارات میں کیا جائے چاروں طرف ڈھنڈورا پیٹا جائے۔

مہم کے بعد

۱۔ کم از کم دو مہینے تک مسلسل روزانہ سادہ اور سہل زبان میں مشاہیر کی طرف سے خطوط، اچھے اچھے مضامین، کام کی باتیں خبروں کے بلیٹن ہر لٹریٹ کے نام بنام تقسیم کیے جائیں۔

۲۔ سوشل ایجوکیشن سنٹر ریڈنگ روم کا اچھا انتظام کرے اور لائبریری کی طرف سے مناسب اور موزوں کتابوں کی تقسیم کا

بھی معقول انتظام کرے۔

۴۔ سنٹر کی طرف سے شائقین کے لئے یکے بعد دیگرے درسی حلقے قائم کئے جائیں:

(۱) مزید توسیعی تعلیم کے لئے

(۲) صرف لکھنا سکھانے کے لئے

(۳) معمولی حساب کتاب کے لئے

(۴) مذہبی کتابیں پڑھانے کے لئے

وغیرہ وغیرہ، جو لوگ پڑھنا چاہیں یا سیکھنا چاہیں، اس کا انتظام کیا جائے۔ مگر ان درسی حلقوں کا نصاب بہت مختصر رکھا جائے مدت تعلیم کم سے کم ہو۔

لٹریسی کی مہم کے بعد درسی حلقوں کی مانگ ہوگی۔ اسی پر تعلیمی مرکز کی تعلیمی خدمات اور تعلیمی ترقی کا انحصار ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۲

شریمتی شاستری نے کوآپریٹیو ٹریننگ میں کامیاب ہونے والی طالبات کو سندیں عطا کیں۔ آخر میں شریمتی سمتر اپنڈت نے مہمانوں کا اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس طرح جوش اور مسرت کی فضا میں عورتوں کا یہ کامیاب جلسہ ختم ہوا۔

بالک ماتا سنٹر نے پردہ پوش عورتوں میں کوآپریٹیو تحریک سے فیض اٹھانے کی جو کوشش شروع کی ہے، وہ قابل تعریف ہے، اس سے تنگ و تاریک مکانوں میں پردے میں رہنے والی عورتوں میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔

مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم

زیرِ نظر مضمون مقالہ نگار نے پلاننگ کمیشن کے کل ہند سیمینار کے موقعے پر جو ۸ر سے ۱۰ر نومبر ۱۹۶۵ء تک پونا میں منعقد ہوا تھا، لکھا تھا۔ پلاننگ کمیشن نے یہ سیمینار خاتمۂ ناخواندگی کے موضوع پر مدعو کیا تھا اور غور و فکر کے لیئے مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم کو بنیاد قرار دیا تھا۔ اس اعتبار سے بالغوں کی خواندگی کا کام کرنے والے احباب کے لئے یہ مضمون دلچسپ رہے گا

——— ایڈیٹر

تعارف

مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم کا مطالعہ کرنے کے لئے پلاننگ کمیشن نے جو ٹیم مقرر کی تھی اس کی رپورٹ سے ایک یہ نتیجہ آسانی سے نکالا جاسکتا ہے کہ اس مہم نے انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے جبل پور سیمینار سے تحریک اور رہنمائی حاصل کی ہے جو ۱۹۵۰ء میں خاتمۂ ناخواندگی کے موضوع پر منعقد ہوا تھا اور اس وقت سے اب تک یہ پہلا موقع ہے کہ کسی ادارے نے اس سیمینار کے تجویز کئے ہوئے طریقۂ کار کے اتنے بڑے پیمانے پر تجربہ کرنے کا حوصلہ کیا اور کامیاب رہا چنانچہ اس ہمت اور حوصلہ کے لئے حکومت مہاراشٹر کے سوشل ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کی جتنی بھی تعریف و تحسین کی جائے بجا و درست ہے۔

یہ مہم اپنی کامیابیوں کے پیش نظر، اس اعتبار سے کہ اُسے دیہی علاقوں کی تعمیر و ترقی کا کام کرنے والی قریب قریب تمام سرکاری اور غیر سرکاری سنستھاؤں کا اشتراک و تعاون حاصل ہوا، روس کی خاتمۂ ناخواندگی کی مہم سے مشابہ ہے جو اب سے بہت پہلے ۱۹۲۴ء میں لینن کی رہنمائی میں منظم کی گئی تھی۔ اس کی تحریک، اس میں شک نہیں،

حکومت کی طرف سے ہوئی، اور حکومت ہی کی طرف سے ہونی بھی چاہیے تھی اس لئے کہ ملک کی تمام بالغ آبادی کو خواندہ بنانے کی ذمہ داری تمام تر حکومت کے اوپر عاید ہوتی ہے جیسے بچوں کے معاملے میں ——— ناخواندگی کے خلاف روس کا فاتحانہ اقدام جو حکومت کی کمان میں عمل میں آیا تھا، ہرگز کامیاب نہ ہوتا اگر اس کی پشت پر عوام کے اداروں اور نمایندوں۔ اسکولوں کے بچوں، تعلیم یافتہ عورتوں اور مردوں، طالب علموں، مزدور رہنماؤں، کسانوں کی انجمنوں وغیرہ کا پورا پورا اور مستعدانہ اشتراک و تعاون نہ ہوتا۔ ہمارا شٹر کی اس مہم میں بھی معلوم ہوتا ہے، زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے مردوں اور عورتوں کے دل میں ناخواندگی کی لعنت کے خلاف اسی قسم کا جذبہ کارفرما تھا۔ ہمارے ملک کے تعلیمی کارکنوں اور منصوبہ سازوں کے دماغ میں اب تک یہ خیال جما رہا ہے کہ یہاں کے عوام خواندگی کے معاملے میں ابدی بددلی اور سرد مہری کا شکار ہیں، جسے ختم کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔ گرام شکشن مہم کے تجربے نے اس خیال کو بے بنیاد ثابت کر دیا ہے اور مہم کے کم سے کم اس پہلو کے پیش نظر بھروسے کے ساتھ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ملک کی عوامی تعلیمی تحریک میں مہارا شٹر نے ملک کو راہ دکھائی ہے۔

بہتری کی چند تجاویز

مہم میں، جیسا کہ خود پلاننگ کمیشن کی رپورٹ میں اشارہ کیا گیا ہے، خوبیوں کے ساتھ چند خامیاں بھی ہیں جن میں سب سے تشویشناک خواندگی کے بعد کی مشقی یا تسلسلی تعلیم کی منزل کی صورت حال ہے۔ اگر مہم کا حقیقی معنی میں یہ منشا ہے کہ اس سے اچھے نتائج برآمد ہوں ——— ایسے نتائج کہ ان کے زیرِ اثر نو خواندہ بالغ اپنی زندگی کو بہتر بنا سکے ——— تو اس خامی کو دور کرنا مہم کا ایک لازمی اور ناگزیر پہلو تصور کیا جانا چاہیے۔ یہ خامی کس طرح دور کی جائے؟ یہ ایک سوال ہے جو قدرتاً دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کوئی مہم کے باب میں کارسازانہ انداز میں غور و فکر کرتا ہے۔ اس کے اوپر غور و فکر کرنا تو تعلیم کے پنڈتوں کا کام ہے جو اس سیمنار میں شرکت کرنے کی غرض سے تشریف لائیں گے تاہم میں اپنے طور پر چند حقیر تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں جو شاید مہم کے اپنی مطلوبہ منزل تک پہنچنے میں کسی حد تک مددگار ثابت ہوں۔

ثانوی خواندگی کا پروگرام

الف۔ خواندگی کے بعد کا مشقی یا فالو اپ پروگرام، جسے مذکورہ بالا رپورٹ کے مطابق زیادہ تر گشتی کتب خانوں

کے سپرد کر دیا جاتا ہے: ثانوی خواندگی (پوسٹ لٹریسی) کی کلاسوں میں چلایا جانا چاہیئے جو ایک مقررہ مدت (مثال کے طور پر دو مہینے) تک اسی اہتمام اور اسی جوش و خروش کے ساتھ جاری رہے، جو چار مہینے کی ابتدائی خواندگی کے زمانے میں رہا ہوگا۔ اس کے لیئے "ثانوی خواندگی کی ریڈر" کے نام سے ایک درسی کتاب ہو، اور اس کو سہارا دینے کے لئے چار پانچ ابتدائی کتابوں کا ایک سلسلہ منظور کیا جائے، بالکل اُسی نہج پر جو ابتدائی خواندگی کے لئے اختیار کیا گیا ہوگا۔

اس تجویز پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ یہ ناقابلِ عمل ہے اور اس کے لئے دلیل کے طور پر اُسی فرسودہ اور نام نہاد مشکل کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ خواندگی کی یہ منزل بالغ طالب علموں کے لیے بہت زیادہ صبر آزما ثابت ہوگی، جسے وہ جھیل نہیں سکیں گے اور یہ تجربہ ناکام رہے گا لیکن اگر گرام شکشن مہم کی رپورٹ کی یہ تحقیقیں صحیح ہیں کہ "اب وہ نوبت آ گئی تھی کہ پڑھنا لکھنا سیکھنے کی رغبت دلانے کے لیے بالغوں کے پاس ٹیچر نہیں جاتے تھے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہو گیا تھا اور خود بالغ لوگ ٹیچروں کے پاس انھیں پڑھانے پر آمادہ کرنے کے لئے جانے لگے تھے" (صفحہ ۲) "اِس (گرام گورو سماروہ کی) تقریب میں پورا گاؤں حصّہ لیتا ہے اور نوخواندہ بالغ اپنی خواندگی کو بحال و برقرار رکھنے کا حلف اُٹھاتے ہیں" (صفحہ ۶) اور "ایک بار جب ابتدائی دشواریوں پر قابو حاصل ہو جاتا ہے تو پھر عوام میں خاصہ جوش و خروش پیدا ہو جاتا ہے" (صفحہ ۱۲) تو بھروسے کے ساتھ امید کی جا سکتی ہے کہ نوخواندہ لوگ ثانوی خواندگی کی کلاسوں میں آنے کے لئے آمادہ ہی نہیں بلکہ اس سے خوش ہوں گے خصوصاً اُس وقت جب انھیں یقین دلا دیا جائے گا کہ ثانوی خواندگی سے وہ صحیح معنی میں تعلیم یافتہ ہو جائیں گے۔

اس منزل میں تھوڑا سا امکان اس بات کا ہے کہ ہر عمر کے نوخواندہ بالغوں کو آمادہ کرنے میں محنت اور سرمائے کا شاید نقصان ہو جائے۔ اس اندیشے سے بچنے کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ "خواندگی کی پختگی کے اس پروگرام" میں صرف انھیں نوسکھوں کو داخل کیا جائے جو ۱۴ سے ۲۰ اور ۲۰ سے ۳۵ سال کے زمرۂ عمر میں آتے ہوں، رہے ۳۵ سے ۵۰ سال کے نوسکھ بالغ تو انھیں اختیار دیا جائے کہ اگر وہ چاہیں تو ثانوی خواندگی کے کورس میں داخلہ لیں اور نہ چاہیں تو نہ لیں۔

(ب) یہ ثانوی خواندگی کا کورس، بہتر ہوگا کہ، سوشل ایجوکیشن کے سنٹروں میں منعقد ہو نہ کہ گشتی کتب خانے کے توسط سے ان کتب خانوں میں محکمۂ تعلیمات کی اور دوسرے اچھے ناشروں کی شائع کی ہوئی کتابوں کا

اچھا خاصہ ذخیرہ ہوگا اس لئے یہ کتب خانے طلبا کو امدادی کتابیں فراہم کرنے کے لئے نہایت کارآمد رسدی ایجنسی کا کام انجام دے سکیں گے۔

(ج) جن گاؤں میں مہم شروع کی جانے والی ہو گی ان میں بہت سے بالغ ایسے ہوں گے جو بچپن میں اسکول پڑھنے جاتے ہوں گے اور ابتدائی منزل کی تکمیل کئے بغیر ہی تعلیم چھوڑ بیٹھے ہوں گے اور اب اپنی پڑھنے لکھنے کی صلاحیت بہت کچھ کھو بیٹھے ہوں گے۔ یہ "سن رسیدہ بچے" یا نیم خواندہ ہوں گے یا زیادہ سے زیادہ خواندہ جنہیں اپنی خواندگی کو پختہ کرنے کے لئے ثانوی خواندگی کے کورس کی ضرورت ہو گی۔ ان پہلے سے خواندہ بالغوں کے لئے ثانوی خواندگی کی کلاسیں اُسی زمانے میں منعقد کی جانی چاہئیں جس زمانے میں ناخواندہ بالغوں کے لئے ابتدائی خواندگی کی کلاسیں جاری ہوں تاکہ ابتدائی خواندگی کے ان طالب علموں کے سامنے ثانوی خواندگی کی ضرورت اور افادیت کی ایک مثال پہلے سے موجود رہے اور ان طالب علموں کے تعلیمی فائدے سے سبق لے کر اُن کے اندر ثانوی خواندگی کے کورس میں داخلہ لینے کا شوق پیدا ہو جائے۔ پروگرام کا یہ پہلو اس قدر اہم ہے کہ اسے مہم کے ایک لازمی حصّے کے طور پر اختیار کیا جانا چاہیئے۔

سوشل ایجوکیشن سنٹر

نوخواندہ بالغوں کی تسلسلی تعلیم اور عوام کے ذہنوں میں وسعت پیدا کرنے والی اڈلٹ ایجوکیشن کی دوسری سرگرمیاں منظم کرنا چونکہ عوام کی ذمّے داری ہے (اس طرح کہ اسے حکومت کی پشت پناہی حاصل رہے) اس لئے ان کاموں کے ادارے اور مرکز اصولاً خود عوام کو قائم کرنے چاہئیں۔ لیکن چونکہ ہمارے ملک کے عوام ابھی تک اپنا کام اپنے آپ کرنے کے عادی نہیں ہیں، چاہے وہ کام اُن کے کتنے ہی فائدے کا کیوں نہ ہو، اس لئے ضروری ہے کہ حکومت آگے بڑھ کر سوشل ایجوکیشن کے سنٹر خود قائم کردے اور اسے کچھ عرصے تک چلا بھی دے لیکن اس کے ساتھ واضح طور پر یہ شرط لگادے کہ ایک مقررہ مدّت کے بعد وہ سنٹر کو مہم کی انتظامی مجلس (MOHIM EXECUTIVE COMMITTE) کے سپرد کرکے خود پیچھے ہٹ جائے گی اور انتظامی مجلس کے اوپر سنٹر کو قائم و برقرار رکھنا فرض ہوگا۔ یہی طریقہ کار غیر ترقی یافتہ ملکوں کو ڈیولپمنٹ کے نئے نئے طریقے سکھانے کے لئے یونیسکو اختیار کرتا ہے اور اسے عام طور پر اس میں کامیابی ہوتی ہے۔
سوشل ایجوکیشن کے سنٹروں کو جب مہم کی انتظامی مجلس جیسی غیر سرکاری مقامی سنستھاؤں کی

نگرانی اور رہنمائی میں کام کرنے کا موقع ہوگا اُس وقت اور صرف اسی وقت ان کے لئے کمیونٹی سنٹروں کے روپ میں بستی کا فائدہ کر دکھانا ممکن ہوگا ورنہ یوں تو کمیونٹی سنٹر کے تجربے کو ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک میں ایک ناکامیاب تجربہ قرار دے کر قریب قریب ٹاٹ باہر کر دیا گیا ہے۔

۳- چارماہی ابتدائی خواندگی کا پروگرام

(الف) قابلیت کا معیار

اگرچہ مہم نے بڑی شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں، مگر پھر بھی یہ دیکھ کر دل ٹوٹ جاتا ہے کہ چار ماہ کی مسلسل محنت کے بعد نوخواندہ بالغ کو خواندگی کی جو صلاحیت حاصل ہوتی ہے اس کا معیار تکلیف دہ حد تک پست ہے۔ اس پست معیاری کے اسباب کیا ہیں، اس معاملے میں رپورٹ بالکل خاموش ہے۔ ان اسباب کی تحقیقات کی جانی چاہئے اس لئے کہ رپورٹ کے مطابق گرام شکشن مہم سے جس معیار کی خواندگی حاصل ہوتی ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹، پیرا ۲۱ (۱)) وہ معیار، ملک کے مختلف حصّوں میں کئے جانے والے بہت سے تجربوں کا دعویٰ ہے، صرف ایک گھنٹہ روزانہ کی دو مہینے کی تعلیم سے حاصل ہو جاتا ہے۔ جب چار مہینے کی محنت کے بعد پڑھنے لکھنے کی لیاقت کا معیار اتنا پست ہوگا تو نوخواندہ بالغوں کے لئے ثانوی خواندگی کا معیار حاصل کرنا جو یقیناً کارآمد خواندگی (فنکشنل لٹریسی) کا معیار ہوگا، قریب قریب ناممکن ہوگا۔ ایسی حالت میں ضروری ہوگا کہ ثانوی خواندگی کا معیار بھی اسی حساب سے نیچا رکھا جائے اور کارآمد خواندگی کے معیار تک پہنچانے کے لئے خواندگی کی ایک اور یعنی تیسری منزل کا انتظام کیا جائے اس لئے کہ خواندگی جب تک کارآمد خواندگی کے معیار کی نہ ہو، بالکل بے معنی چیز ہے۔

(ب) بچّوں کی لازمی ابتدائی تعلیم

جبل پور سیمنار کی سفارشات کا ایک بنیادی پہلو یہ تھا کہ اگر خاتمۂ ناخواندگی سے ناخواندگی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ مراد ہے تو جس علاقے یا بستی میں یہ مہم منظم کرنی ہو، اس میں بچّوں کی ابتدائی تعلیم کا لازمی کیا جانا ناگزیر ہوگا تاکہ ناخواندگی کا آسیب جسے ایک مرتبہ کے منتر سے اُتار دیا گیا ہو، پھر دوبارہ بھوت بن کر بستی کے سر پر سوار نہ ہونے پائے۔

رپورٹ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جن گاؤں میں گرام شکشن مہم کا نفاذ کیا جاتا ہے ان میں اسکول کی عمر کے بچّوں کی

ابتدائی تعلیم کو لازمی قرار دینے کا بندوبست کیا جاتا ہے یا نہیں۔ یہ انتظام خاتمۂ ناخواندگی کی گرام شکشن مہم جیسی مہموں کے لئے پہلی شرط کا درجہ رکھتا ہے اور گرام شکشن مہم سے اس معاملے میں بھول ہو گئی ہو تو اس کے منصوبہ سازوں اور منتظم کاروں کو چاہیئے کہ آیندہ اس کی طرف سے اطمینان کر لیا کریں اس لیئے کہ مہاراشٹر کی حکومت ہو یا کوئی اور حکومت، اس کے لئے ممکن نہ ہو گا کہ ہر چھٹے ساتویں سال ناخواندگی کے خلاف مہمیں منظم کرتی رہے۔

اگر مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم کی رپورٹ کا مطالعہ کرنا مقصود ہو تو ماہنامہ تعلیم و ترقی کا اکتوبر ۱۹۶۵ء کا شمارہ منگوا لیجئے جو ۶۰ پیسے میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔

منیجر

بقیہ صفحہ ۲۴

"ہم سبھی گھبراتے ہیں، بیچارے کانوں میں کام کرنے والے مزدور تو سر سے پیر تک کالے نظر آتے ہیں۔"

"مگر اس کے کارنامے کتنے شاندار ہیں۔"

اس کتاب میں کوئلے کے کارناموں کی داستان دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے۔ آپ کو یہ معلوم کر کے تعجب ہو گا کہ پتھر کا کوئلہ صرف چولہا جلانے کے کام نہیں آتا، اس سے طرح طرح کی خوشبو تیار کی جاتی ہے اور طرح طرح کے رنگ بھی بنائے جاتے ہیں۔

پلاننگ کمیشن حکومت ہند کے نیشنل سیمنار کے

موضوعات بحث

۱۔ خواندگی کی تعریف اور صلاحیت کا مطلوبہ معیار

۲۔ ملک میں خواندگی کے ارتقا کی سست رفتاری: اس کے اسباب

۳۔ (۱) خواندگی کے حق میں رائے عامہ پیدا کرنے کی ضرورت — ناخواندگی کے انسداد کے لئے ایک قومی پالیسی بنانے کی ضرورت۔ وہ حالات جو بالغوں میں پڑھنا لکھنا سیکھنے کا ذوق و شوق پیدا کر سکتے ہیں:

(الف) دیہات میں کام کرنے والے مزدوروں میں

(ب) عورتوں میں

(ج) قبائلیوں میں

(۲) خواندگی کو فروغ دینے کے لئے بہترین کوششیں کیا ہو سکتی ہیں؟ ایسی تجاویز جن پر عمل کرکے نتائج کے لحاظ سے خواندگی کی مہموں کو زیادہ سے زیادہ موثر بنایا جا سکتا ہے۔

۴۔ (۱) خواندگی اور ثانوی خواندگی (پوسٹ لٹریسی) کے لئے عوام کی تائید اور تعاون حاصل کرنے کا مسئلہ

(۲) گاؤں کے اسکول کو خواندگی کے سنٹر میں ڈھالنے کا مسئلہ

۵۔ (۱) انتظامی اور تنظیمی مسائل۔ مرکز اور ریاستوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے خود مختار بورڈ بنانے کی ضرورت تاکہ ان کے ذریعے خواندگی کے معاملے میں مختلف سرکاری اور غیر سرکاری کوششوں میں تال میل قائم کیا جا سکے، ان کا اشتراک و تعاون حاصل کیا جا سکے اور خواندگی کی تنظیم کی سمتیں مقرر کر سکیں۔

(۲) خواندگی کی مہم میں مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کے مختلف محکموں اور غیر سرکاری تنظیموں کا کیا کردار ہونا چاہئے اس کی وضاحت۔

۶ - (۱) نوخواندہ بالغوں کے لئے موجودہ کتابوں اور دوسرے لٹریچر کا جائزہ اس نظر سے کہ آیا وہ موزوں اور مفید ہیں یا نہیں؟ ان میں سے استعمال کے لئے انتخاب کا مسئلہ، اس قسم کے لٹریچر کی بہم رسانی اور تقسیم کے سلسلے میں کیا انتظام کیا جائے کہ اس میں تسلسل اور روانی قائم رہے۔

(۲) دیہی علاقوں میں کتابیں اور دوسری مفید معلومات بہم پہنچانے کی غرض سے کتب خانوں اور ریڈنگ روموں کا ایک مؤثر نظام قائم کرنے کا مسئلہ۔

(۳) خواندگی کی مہم میں تسلسلی تعلیم کا مقام مثلاً اڈلٹ اسکول اور مزید تعلیم (فردر ایجوکیشن) کے دوسرے ادارے مراسلاتی کورس وزیا بیٹھ، کم مدت میں تعلیم کو مکمل کرانے والی ایجنسیاں وغیرہ۔

(۴) خواندگی کی کوشش کے سلسلے میں اخبارات و رسائل، ریڈیو، ٹیلی وژن، فلم اور اطلاع رسانی کے دوسرے عوامی وسائل کا کردار۔

۷ - (۱) خواندگی کی تعلیم دینے والے کارکنوں اور ٹیچروں کی ٹریننگ کا پروگرام خواندگی کے مختلف طریقوں کی جانچ اور ریسرچ کا کام، ریسرچ کے موضوعات اور ان کے حدود کا تعین۔

(۲) بالغوں کی خواندگی اور اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں ٹیچروں، ٹریننگ کے اداروں، اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور ٹیچروں کی تنظیموں کا مقام اور منصب۔

۸ - لٹریسی کے موجودہ پائلٹ پروجیکٹوں کے تجربات کا جائزہ، اگر انھیں کچھ مشکلات پیش آئی ہوں تو ان کا تجزیہ اور انھیں دور کرنے کی تجاویز۔

۹ - خواندگی کی مہموں کی مسلسل جانچ اور آنک کی ضرورت مثلاً ان کے طریقہ کار اور کام کی راہوں کا تجزیہ۔

۱۰ - ناخواندگی کے خاتمے کے لئے قسطوں میں پورے کئے جانے والے ایک قومی منصوبے کی ترتیب جو اس سلسلے کی ضروریات اور تقاضوں کو ــــ جیسے کارکنوں اور ٹیچروں کی ٹریننگ ہے، کتابوں اور دوسری مطبوعات کی تالیف و طباعت ہے، چھاپے خانوں کی استعداد اور کاغذ کی سپلائی ہے۔ کتب خانوں، دکھا سنا کر تعلیم دینے کے آلات اور مشینوں کی فراہمی ہے، کام کرنے کے لئے انسانوں کی قوت کا میسر آنا اور سرمائے کی فراہمی ہے ــــ ذہن میں رکھتے ہوئے بنایا جائے۔

(پلاننگ کمیشن کا یہ سیمینار ۱، سے ۱۰ نومبر تک، پونا میں منعقد ہوا تھا۔ سیمنار کی رپورٹ اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمایئے)

پردہ پوش عورتوں میں کوآپریٹیو تحریک کو مقبول بنانے کے لئے

بالک ماتا سنٹر کی ایک کوشش

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ کے اہتمام میں عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کی تعلیم کے لیئے بالک ماتا سنٹر کے نام سے دہلی شہر میں تین مرکز گذشتہ ۴ سال سے چل رہے ہیں۔ یہ سنٹر ایسے محلوں میں قائم ہیں جہاں عورتیں بیشتر پردوں میں رہتی ہیں یہاں بچوں کے لئے نرسری اسکول چلتا ہے اور عورتوں کے لیئے دست کاری اور لکھائی پڑھائی کی کلاسیں چلتی ہیں۔ لڑکیوں کو امتحانوں میں شرکت کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے تفریحی اور مجلسی پروگرام باقاعدگی کے ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ ان سنٹروں میں دست کاری کی کلاسیں کافی مقبول رہی ہیں۔ یہاں سے دست کاری سیکھنے والی عورتیں اپنے گھروں میں مفید کاموں میں لگی ہوئی ہیں۔

عورتوں کی کوآپریٹیو سوسائٹی کا قیام

ادھر چند مہینوں سے بالک ماتا سنٹر نے دہلی کی کوآپریٹیو انجمن کا سہارا لے کر ان پردہ پوش عورتوں میں کوآپریٹیو تحریک کو فروغ دینے کی کوشش شروع کی ہے۔ ٹیا محل کے علاقے میں جو عورتیں گھر پر دست کاری کا کام کرتی تھیں اُن کی ایک کوآپریٹیو سوسائٹی بنائی گئی ہے اور گذشتہ مہینے علاقے کی عورتوں کے لئے کوآپریٹیو ٹرننگ کا پندرہ روز کا ایک باقاعدہ کورس چلایا گیا۔ اس ٹرننگ کا اہتمام دلی اسٹیٹ کی کوآپریٹیو یونین کے عورتوں کے سکشن نے کیا تھا۔

کوآپریٹیو ٹرننگ

ٹرننگ میں کامیاب ہونے والی طالبات کو جس میں بالک ماتا سنٹر کی ڈائرکٹریس بیگم حبیبہ قدوائی صاحبہ

بھی شامل تھیں، عورتوں کے ایک بہت بڑے جلسے میں کوآپریٹیو ٹریننگ کی سندیں دی گئیں۔ یہ جلسہ ۹ رنومبر کو بالک ماتا سنٹر مٹیا محل میں ہوا تھا۔ اس جلسے کی خاص مہمان مسز للتا شاستری جی تھیں۔ راجیہ سبھا کی نائب صدر مسز وائلٹ الوا نے جلسے کی صدارت کی۔ مہمانوں کا سواگت کرتے ہوئے سنٹر کی ڈائرکٹر بیگم حبیبہ قدوائی نے جو تقریر کی تھی اس سے علاقے کی عورتوں میں کوآپریٹیو تحریک سے جو دلچسپی پیدا ہوئی ہے اور پردہ پوش عورتوں میں جو بیداری پیدا ہوئی ہے اس کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ انھوں نے مہمانوں کا سواگت کرتے ہوئے کہا

سواگت

"مجھے بڑی خوشی ہے کہ اس علاقے کی طرف سے اور مٹیا محل انڈسٹریل کوآپریٹیو سوسائٹی کی طرف سے اپنی معزز مہمان شریمتی وائلٹ الوا ڈپٹی چیرمین راج سبھا اور شریمتی للتا شاستری جی اور دوسرے مہمانوں کا استقبال کرنے کا موقع مل رہا ہے جیسا کہ آپ جانتی ہیں کوآپریٹیو ہفتہ سارے دیس میں منایا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں دلّی کوآپریٹیو یونین نے مہلا دیوس یہاں منانے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ عورتوں میں کوآپریٹیو تحریک کو مقبول بنایا جائے اور اُن کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کیا جا سکے۔ اس علاقے کی ۲۰ عورتوں نے کوآپریٹیو کی ٹریننگ حاصل کی ہے جو ابھی مسز للتا شاستری کے مبارک ہاتھوں سے سرٹیفکٹ حاصل کریں گی۔ مجھے خوشی ہے کہ کوآپریٹیو یونین نے اس مقصد کے لئے اس علاقہ کو چنا اور یہاں کی عورتوں میں اس تحریک کو پھیلانے کے لئے قدم اٹھایا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اگر اس علاقہ کی عورتیں اس تحریک کی افادیت سے واقف ہو جائیں تو وہ ضرور اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گی کیونکہ اس تحریک سے ان میں آپس میں مل جل کر کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی اور ان کی آمدنی میں اضافہ بھی ہوگا۔

امدادِ باہمی کے فوائد:-

"یہ بات اب مان لی گئی ہے کہ الگ الگ کام کرنے کے بجائے اگر امدادِ باہمی کے طریقے پر کام کیا جائے تو اس سے کافی مالی فائدہ ہوتا ہے یورپ کے بہت سے ملکوں نے تو اپنے چھوٹے موٹے گھریلو مسائل بڑی حد تک کوآپریٹیو تحریک کے ذریعے حل کر لئے ہیں۔

آج کے حالات میں امداد باہمی

ہمارے ملک میں دولت کی کمی نہیں اور نہ محنت کرنے والوں کی کمی ہے۔ اگر کچھ کمی ہے تو اس دولت اور محنت سے مل جل کر فائدہ اُٹھانے کی ہے۔ اس کمی کو دور کرنا ہی کوآپریٹیو تحریک کا سب سے بڑا مقصد ہے اور آج کل جب کہ ہمارا دیس سیاسی آزادی پانے کے بعد معاشی آزادی بھی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کوآپریٹیو تحریک کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی ہے اس کے ذریعہ ایک شخص اور ایک خاندان کی دولت ہی نہیں بڑھے گی بلکہ پورے دیس کی دولت بڑھے گی جس کی وجہ سے ہمارا دیس اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہوگا اور دوسرے دیسوں کا محتاج نہ رہ کر ہر میدان میں ترقی کرے گا۔

پردہ پوش عورتوں میں کوآپریٹیو تحریک:-

جیسا کہ آپ جانتی ہیں اس علاقہ کی عورتیں پس ماندہ اور زیادہ تر غیر تعلیم یافتہ ہیں لیکن دست کاری وغیرہ کے کام جانتی ہیں اور وہ اپنے طور پر گھروں پر بھی کام کرتی ہیں اور اس سے اپنی روزی پیدا کرتی ہیں اُن کو منظم کرکے اس علاقے میں ہم لوگوں نے ایک انڈسٹریل کوآپریٹیو سوسائٹی بنائی ہے رفتہ رفتہ عورتیں اس کی طرف رجوع ہو رہی ہیں اس کام کی ابتدا ہو گئی ہے امید ہے آگے چل کر اس میں کامیابی حاصل ہوگی۔ اصل میں بہت سی عورتوں کو ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ کوآپریٹیو ہے کیا اور اس سے کس طرح فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس بارے میں انھیں پوری جان کاری دی جائے۔

میں کوآپریٹیو یونین کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے اس علاقے کو اس کے بارہ میں جان کاری دی۔ مجھے امید ہے کہ اگر مس شرما اور مس بخشی اور ان کے ڈپارٹمنٹ کی طرف سے ہمیں سہیوگ حاصل رہا تو ہم اسے بہتر طریقہ پر پورا کرنے کے قابل ہو سکیں گے اور اس طرح کی دوسری سوسائٹیاں بھی قائم کر سکیں گے۔ میں ایک مرتبہ پھر شریمتی للتا شاستری اور شریمتی وائلٹ الوا کا سواگت کرتی ہوں اور بہت ہی شکر گذار ہوں کہ وہ اپنا قیمتی وقت صرف کرکے یہاں تشریف لائیں اور ہمیں اپنے قیمتی تجربوں و خیالات سے فائدہ اٹھانے کا موقع عنایت کیا۔"

"جے ہند"

۹ ر نومبر کی شام کو بالک ماتا سنٹر میں عورتوں کی جو سبھا ہوئی تھی، اب ذرا اُس کا آنکھوں دیکھا حال بھی سنتے چلیے۔

سہ پہر ڈھائی بجے سے ہی سنٹر میں عورتیں آنے لگیں۔ تین بجتے بجتے دور دور کے علاقوں سے بھی عورتیں آنے لگیں اور ساڑھے تین بجتے بجتے راجدھانی کے تقریباً ہر علاقے کی عورتیں سنٹر میں جمع ہو گئیں۔ ٹھیک چار بجے شریمتی وائلٹ الوا اور پارلیمنٹ کی خاتون ممبر ڈاکٹر گوہا بھی آگئیں۔

عورتوں کی اس سبھا میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے سنٹر کی طرف سے ایک کلچرل پروگرام پیش کیا گیا۔ اس کی ابتدا ننھے منّے بچوں کے قومی ترانے سے ہوئی۔

معزز مہمانوں کا سواگت اس علاقے کی عورتوں کی طرف سے شریمتی حبیبہ قدوائی نے اور دلی اسٹیٹ کوآپریٹیو یونین کی طرف سے شریمتی تارا دیوی سکسینہ نے کیا۔

اس موقع پر شریمتی ڈاکٹر پھلرینو گوہا ایم۔ پی نے دفاع کی دوسری قطار کی حیثیت عورتوں کے پروگرام پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ غذائی پیداوار کی صحیح تقسیم اور قیمتوں کو بڑھنے سے روکنا آج کے حالات میں بہت ضروری ہے اور یہی وہ کام ہے جو عورتیں کوآپریٹیو بھنڈار قائم کرکے بہت کامیابی سے انجام دے سکتی ہیں۔

تقریباً ۵ بجے کماری شکنتلا بہن اس جلسے کی خاص مہمان شریمتی للتا شاستری کے ہمراہ سنٹر میں آئیں، امنگ اور مسرّت بھری فضا میں عورتوں نے عقیدت کے پھولوں سے اور مٹیا محل کے سنٹر میں کوآپریٹیو ٹریننگ حاصل کرنے والی طالبات اور بازار سیتا رام کی عورتوں نے مل جل کر ایک قوالی سے معزز مہمانوں کا سواگت کیا۔

شریمتی وائلٹ الوا نے اپنی صدارتی تقریر میں مسلم عورتوں میں بیداری کی جو لہر دوڑ گئی ہے، اس کی تعریف کی اور انھیں قومی سنکٹ کے زمانے میں ملک کی دفاعی کوششوں میں ہاتھ بٹانے کا مشورہ دیا۔

ملک کی حفاظت کے لئے عورتیں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں:-

دفاعی فنڈ کے لئے شریمتی حبیبہ قدوائی نے اپنے علاقے کی عورتوں کی طرف سے ۲۰۲ روپئے کا چیک شریمتی للتا شاستری کی خدمت میں پیش کیا۔ شریمتی اختر سلطانہ نے مٹیا محل انڈسٹریل کوآپریٹیو سوسائٹی کی طرف سے ۱۰۱ روپیہ نقد اور سوسائٹی کی ایک ممبر شریمتی کرشنا کماری نے ایک ناول "ثمر" کے ۱۰۱ نسخے جوانوں کے لیے پیش خدمت کئے۔ ان پورنا کوآپریٹیو بھنڈار کی سکریٹری شریمتی شکنتلا جی نے سونے کی انگوٹھی اور کلوکری کی کوآپریٹیو ٹریننگ کلاس کی عورتوں نے ۱۰۱ روپیہ نقد اور ۷۰ روپئے کے دوسرے سامان نذر کئے۔ اس طرح ۵۰۰ روپئے نقد اور ۳۵۰ روپئے کے سامان دفاعی فنڈ کے لئے شریمتی للتا شاستری کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ (باقی ص ۱۰۱ پر)

نوخواندہ بالغوں کے لئے ادارہ تعلیم و ترقی کی

تین نئی کتابیں

جامعہ میں تعلیم بالغان کا کام کرنے والوں کے سامنے ابتدا ہی سے نوسکھ بالغوں کے لئے خاص طرح کی کتابیں تیار کرنے کی ضرورت کا احساس تھا۔ اسی احساس کے پیش نظر ادارہ تعلیم و ترقی نے سب سے پہلے نوسکھ بالغوں کی دلچسپی، مذاق اور استعداد کو ملحوظ رکھ کر کتابوں کا ایک ایسا سلسلہ تیار کیا جس سے ان میں خواندگی کی مشق اور کتب بینی کا شوق پیدا ہو اور ساتھ ہی ساتھ معلومات میں اضافہ بھی ہوتا رہے۔ ادارہ تعلیم و ترقی اب تک نوخواندہ بالغوں کے لئے اردو اور ہندی میں کتابیں تیار کر چکا ہے، جو کافی مقبول ہو چکی ہیں۔ ادھر حال میں اردو کی تین چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ (۱) سستی دھاتیں (۲) قیمتی دھاتیں (۳) کوئلہ۔

یہاں ان کتابوں کا مختصر تعارف دیا جا رہا ہے۔

لکھنے والے: سید تقی رضا نقوی

سستی دھاتیں:۔

صفحات ۳۲ قیمت ۵۰ پیسے

"اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ کون سی دھات آپ کے لئے زیادہ ضروری ہے تو شاید آپ جلد اس کا جواب نہ دے سکیں۔ پہلے ذرا آپ اپنے گھر میں ہی دیکھئے۔ عمارت کی چھت ہو یا الماری۔ کھڑکی ہو یا دروازہ۔ میز کرسی ہو یا باورچی خانہ کا سامان۔ سینے کی سوئی ہو یا لکھنے کی نب۔ غریب کی بیل گاڑی ہو یا امیر کی موٹر۔ آپ کو ہر جگہ کوئی نہ کوئی چیز ضرور ملے گی۔

"گھر سے باہر نکل کر اگر ہم مشین کی دنیا میں آجائیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشینوں پر تو لوہے کا پورا قبضہ ہے۔ غرض یہی وہ دھات ہے جو اور دھاتوں کے مقابلے میں ہمارے اور آپ کے بہت زیادہ کام آرہی ہے۔ اور اب سے نہیں لگ بھگ چھ ہزار برس سے ہمارا اس کا ساتھ چلا آرہا ہے۔"

یہ لوہا کب دریافت ہوا، کہاں اور کیسے ملتا ہے، کس طرح صاف کیا جاتا ہے اور ان کا کیا استعمال ہے، یہ باتیں اسی طرح دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہیں ۔ اس چھوٹی سی کتاب میں لوہے کے علاوہ تانبا، پیتل، سیسہ، نکل، المونیم، رانگ، جست اور پارہ غرض روزمرہ کے استعمال کی سستی دھاتوں کے بارے میں معلومات بہت دلچسپ انداز میں پیش کی گئی ہیں ۔

قیمتی دھاتیں :-

لکھنے والے : سید نقی رضا نقوی

صفحات :- ۱۶   قیمت :-

اس سلسلے کی دوسری کتاب ہے "قیمتی دھاتیں"۔ یہ کتاب سونے کے بیان سے اس انداز پر شروع ہوتی ہے۔
"بہت پرانی اور مشہور مثل ہے "زمین سونا اگلتی ہے"۔ عام طور پر اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ زمین کے اندر سے کروڑوں روپیہ کی قیمت کے اناج، پھل، ترکاریاں اور کیا کیا کچھ پیدا ہوتا ہے اور سینکڑوں طرح کی چیزیں زمین سے کھود کر نکالی جاتی ہیں۔ لیکن یہ مثل یوں بھی ٹھیک ہے کہ اس زمین سے سونا بھی نکلتا ہے۔ یہ مٹی سے نکلنے والی چیز انسان کو اتنی پسند آئی کہ بادشاہوں نے اس کو سر چڑھایا، تاج شاہی بنوائے اور اپنے نام کے سکے جاری کرائے، عورتوں نے اپنی خوبصورتی بڑھانے کے لئے اس سے طرح طرح کے زیور بنوائے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ یہ سنہری رنگ کی دھات خوبصورت اور چمک دار ہے۔ اس پر یہ خوبی کہ نہ ہوا سے خراب نہ پانی سے زنگ لگے ۔ نہ موسم کا اثر نہ اسے تیزاب گلا سکے ۔ نرم مزاجی کا یہ حال ہے کہ باریک سے باریک تار کھینچ لو اور کوٹ کوٹ کر باریک سے باریک ورق بنالو۔ یہ سن کر شاید آپ کو تعجب ہوگا کہ ایک انچ کی موٹائی میں سونے کے ڈھائی لاکھ (۲۵۰۰۰۰) ورق آجاتے ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ پھر اس ورق کی موٹائی کیا ہوگی۔ یہ تو باریک سے باریک کاغذ سے بھی زیادہ پتلا ہوگیا"۔

سونے کے علاوہ چاندی، سوڈیم اور ریڈیم دوسری قیمتی دھاتیں ہیں، جن کے بارے میں دلچسپ معلومات نوخواندہ بالغوں کی دلچسپیوں کے پیش نظر ۱۶ صفحے کی اس چھوٹی سی کتاب میں پیش کی گئی ہیں ۔

کوئلا

لکھنے والے :- سید قاضی محمد احمد

صفحات :- ۵۶   قیمت :-

"یہ کالا پتھر دیکھنے میں بہت بدنما ہے، کتنا بھدا ہے۔ اس نے کتنے شہروں کو کالا کر ڈالا ہے ۔ اس کے زہریلے دھوئیں سے

(باقی صفحہ ۲ پر)

Registered No. D. 1126

THE MONTHLY TALIM-O-TARAQQI,
November 1965.

ماہنامہ تعلیم و ترقی

جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

- ـــــــ بالغوں کی تعلیم جمہوریت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔
- ـــــــ بالغوں کی تعلیم کے مرکز قائم کیجئے اور جہالت کے خلاف اِس مقدس جہاد میں پڑھے لکھے لوگوں کو شرکت کی دعوت دیجئے۔
- ـــــــ رسالہ تعلیم و ترقی اس نیک مہم میں آپ کا ہر قدم پر ساتھ دے گا۔
- ـــــــ اِس کا سالانہ چندہ صرف چار روپے ہے اور اردو اور ہندی میں الگ الگ شائع ہوتا ہے۔
- ـــــــ ہر سال تعلیمِ بالغان کے ایک نہ ایک موضوع پر اس کا ایک اسپیشل نمبر شائع ہوتا ہے جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔
- ـــــــ اگر آپ مستقل خریدار رہوں گے تو آپ کو یہ ضخیم شمارۂ خصوصی بھی سالانہ چندے ہی میں ملے گا۔

منیجر

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq
Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI.

تعلیم و ترقی

(سوشل ایجوکیشن کا رسالہ)

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

دسمبر ۱۹۶۵ء

جلد ۱۶ —— شمارہ ۱۲

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:۔

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراقؔ

رفیق محمد شاستری

دفتر:۔

تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

سالانہ چندہ چار روپے فی پرچہ ۴۰ پیسے

ٹیلیفون ۷۴۴۶۴۰

ترتیب

پرنٹر و پبلشر برکت علی فراقؔ نے یونین پریس جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

دہلی کے گاؤوں سے ناخواندگی کا خاتمہ

دہلی کے گاؤوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کا پروگرام چلانے کی ذمہ داری دہلی ایڈمنسٹریشن کے محکمۂ تعلیم پر ہے چنانچہ محکمۂ تعلیمات میں سوشل ایجوکیشن کا ایک باقاعدہ سکشن قائم ہے۔ اس ڈپارٹمنٹ کے انتظام میں گذشتہ دو سال سے دہلی کے دیہی علاقوں سے ناخواندگی کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے کی ایک مہم چلائی جا رہی ہے۔

اس سال "سوشل ایجوکیشن ڈے" (یکم دسمبر ۱۹۶۵ء) کے موقع پر اس مہم کے ایک سال کے کام کی رپورٹ پیش کی گئی تھی، اس موقع پر محکمۂ تعلیمات کے ڈپٹی ڈائرکٹر اور دہلی میں سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے پرانے کارکن شری نیکی رام گپتا نے سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کو مبارک باد دیتے ہوئے مندرجہ ذیل بیان دیا

".....پورے گاؤں کو خواندہ بنانے کی اسکیم کے ماتحت آپ لوگوں نے ۲۲،۰۰۰ بالغوں کو خواندہ بنا کر دہلی کے ۱۱۳ گاؤوں سے ناخواندگی کی لعنت کو ختم کر دیا ہے۔ اب کچھ بہنوں اور تھوڑے سے بوڑھوں کے علاوہ سب لوگ پڑھنا لکھنا سیکھ گئے ہیں۔"

یہ واقعی خوشی کی بات ہے خصوصاً اس لئے کہ اس مہم کے ماتحت لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے بعد یونہی ان کے حال پر چھوڑ نہیں دیا جاتا بلکہ یہ بھی انتظام ہے کہ جو لوگ پڑھنا لکھنا سیکھ جائیں انھیں آئندہ اپنی خواندگی کی لیاقت کو برقرار رکھنے کا موقع ملتا رہے۔ اس مقصد کے لئے کتب خانوں کا قیام ایک عام اور مقبول پروگرام رہا ہے چنانچہ اس مہم کے ماتحت بھی جن گاؤوں سے ناخواندگی کا خاتمہ کر دیا گیا ہے، وہاں کتب خانے قائم کر دیئے ہیں۔ مگر ان کتب خانوں کی شان نرالی ہے۔ یہ کتب خانے محکمے نے بالکل سرکاری طریقے پر نہیں قائم کئے ہیں بلکہ ان کی ذمہ داری گاؤوں کی مقامی انجمنوں کو سونپ دی گئی ہے۔ گپتا جی فرماتے ہیں:

"پڑھائی لکھائی میں نوخواندہ لوگوں کی دلچسپی قائم رکھنے کے لئے تمام گاؤوں میں کتب خانے

قائم کر دیئے گئے ہیں اور انھیں چلانے کی ذمے داری "نوجوان منڈلوں" اور "مہیلا منڈلوں" کو سونپ دی گئی ہے۔ سماجی ترقی کے میدان میں یہ ایک نیا قدم ہے۔ گاؤں کے نوجوان اپنے گاؤں کے ترقیاتی منصوبوں کو چلانے کی ذمہ داری خود قبول کریں گے۔ اسی وقت ترقی کے کام مستقل طور پر ہو سکتے ہیں۔ اب کسی دوسرے کے بھروسے بیٹھے رہنے کا وقت نہیں رہا ہے۔"

یہ کارنامہ ان گاؤں کے لئے اور خود محکمۂ تعلیمات کے حوصلہ مند رہنماؤں، افسروں اور کارکنوں کے لئے بڑے فخر کی بات ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ڈائرکٹر یٹ کا کام یہیں ختم نہیں ہو جاتا ہے کہ اس نے چند گاؤں سے ناخواندگی کا خاتمہ کر کے وہاں کتب خانے قائم کر دیئے اور ان کی ذمہ داری گاؤں کی مقامی انجمنوں کو سونپ دی۔ یہ تو دراصل کام کی ابتدا ہے۔ ضرورت یہ بھی ہے ـــ اور اتنی ہی شدید ضرورت جتنی خواندگی کی مہم ہے کہ ان علاقوں کے نوخواندہ بالغوں کے لئے خواندگی کے بعد کے مرحلے کی تعلیم کا انتظام کیا جائے تاکہ وہ لوگ جن کے دل و دماغ کے تاریک گوشوں میں علم کی کرن پہنچائی گئی ہے اور انھیں حصولِ تعلیم کا شوق دلایا گیا ہے انھیں اس شوق کو آیندہ بھی پورا کرنے کا موقع ملے۔ یہ بات خاص طور سے اس لیئے بھی ضروری ہے کہ دہلی کے گاؤں کی زندگی بہت تیزی سے اپنا روپ بدل رہی ہے اور شری رام گپتا جی کے بیان کے مطابق دہلی کی زندگی کا تیزی سے بدلتا ہوا یہ روپ ہی خاتمۂ ناخواندگی کی تحریک کا محرک ہوا ہے۔ گپتا جی فرماتے ہیں:

"خواندگی کی تحریک کو یہ نیا روپ دینے کا فیصلہ ہم نے دو وجہوں سے کیا تھا۔ ایک دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقے کا تیزی سے بدلتا ہوا اقتصادی نظام ہے جس کے ماتحت شہر کا پھیلاؤ گاؤں کو ختم کر کے کھیتی کی جگہ صنعت کو رائج کرتا جا رہا ہے اور دوسری وجہ یہ بھی کہ چونکہ ادھر چند سال سے سوشل ایجوکیشن کے ماتحت گاؤں کی ہمہ گیر ترقی کے مختلف پروگراموں اور تہذیبی اور تفریحی مشغلوں پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جاتا رہا ہے اس لیئے خواندگی کی تعلیم کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ حالانکہ ان متضاد باتوں یعنی ایک طرف صنعتوں کا پھیلاؤ اور دوسری طرف خواندگی کے پروگراموں کی سست رفتاری کو ایک جگہ جمع نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ صنعتوں کی ترقی ناخواندگی کے ماحول میں نہیں ہو سکتی، اس لیئے ہم نے جلد سے جلد دہلی کے گاؤں سے ناخواندگی کو دور کرنے کا فیصلہ کیا۔"

یہ ہیں وہ دو بنیادی ضرورتیں جن کے ماتحت خواندگی کے پروگرام کو تیزی سے شروع کرنے کا فیصلہ محکمۂ تعلیمات نے کیا تھا۔ اب انھی باتوں کا تقاضا ہے کہ خواندگی کی منزل سے آگے بالغوں کی تعلیم کا مستقل اور باقاعدہ انتظام کیا جائے یہ دہلی کے بدلتے ہوئے حالات کا بھی تقاضا ہے اور اڈلٹ ایجوکیشن کا اپنا بھی۔

ابھی دہلی کے گاؤں سے ناخواندگی کا مکمل طور پر خاتمہ تو نہیں ہوا ہے مگر ڈائرکٹریٹ کو جو بھی کامیابی نصیب ہوئی ہے وہ قابل اطمینان ہے۔ گپتا جی کے بیان کے مطابق ابھی آدھا کام ہی ہوا ہے۔ جہاں یہ ضرورت ہے کہ ناخواندگی کو دور کرنے کی یہ کوشش اور بھی تیز کی جائے وہاں اسی کے ساتھ اس بات کا انتظام کرنا بھی ضروری ہو کہ نوخواندہ بالغوں کو اور ان بچوں کو جو اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر کام سے لگ جاتے ہیں باقاعدہ طور پر اپنی تعلیم کو جاری رکھنے کا موقع ملے۔ اس کے لئے پوسٹ لٹریسی کی کلاسوں کے ایک باقاعدہ نظام کے علاوہ بالغوں کے لئے مستقل اسکول قائم کرنے کے امکان پر بھی محکمے کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئیے۔

تعلیم کا منصب

"کسی انسان کی، وہ بچہ ہو یا بالغ، سب سے بڑی خدمت جو تعلیم انجام دے سکتی ہے، یہ ہے کہ اس کے فیض سے اُسے اپنی پیدائشی قوتوں کا پتہ چل جائے"۔ یہ ہے وہ نتیجہ جو مانچسٹر کالج کے کسی زمانے کے پرنسپل لارنس پرسل جیکسن نے اپنے تعلیمی تجربات سے اخذ کیا تھا۔ زیر نظر مضمون موصوف کی کتاب "ایجوکیشن تھرو پرائمری اسٹیشن" کے ایک باب کا ترجمہ ہے جس میں فاضل معلّم نے تعلیم کے منصب پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

—— ایڈیٹر

میرا بہت عرصے سے یہ پختہ عقیدہ ہے کہ جب مشکلات پر قابو یا برائیوں پر فتح حاصل کرنا ہو تو ان مشکلات یا برائیوں پر براہِ راست وار کرنے سے شاذ و نادر ہی کامیابی ہوتی ہے۔ ہمارے سماجی مسائل شاذ و نادر ہی کسی واحد سبب کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کے اوپر ہمیں کاری وار کرنا ہو تو ان تمام اسباب کو گھیرے میں لینے کی ضرورت ہے جنھوں نے انھیں جنم دیا ہے۔ گویا دشمن پر چاروں طرف سے گھیرا ڈالنے والی حکمت عملی زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوگی بہ نسبت اس تدبیر کے جس کے مطابق سامنے آکر وار کیا جاتا ہے۔ ہم آج کل کے زمانے میں جتنے بھی جہاد منظم کرتے ہیں، ان میں سے بیشتر کی بنیاد اس کے ایک بالکل برعکس نظریے پر ہوتی ہے۔ ان کی کوشش جو زیادہ تر قانون کی شکل میں ہوتی ہے، یہ ہوتی ہے کہ دشمن کے ہراول کو تہس نہس کر دیا جائے جہاں اس کے قدم مضبوطی سے جمے ہوتے ہیں۔ مگر اس کے مقابلے میں ان کوششوں کو کہیں زیادہ کامیابی ہوتی ہے جو صبر اور سوجھ بوجھ سے کام لیتی ہیں اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر دشمن کے بازوؤں پر حملہ آور ہوتی ہیں اور اُس کے عقب کو جا لیتی ہیں۔

بعینہٖ یہی کام تعلیم کرتی ہے۔ میں تعلیم کو سماجی برائیوں کے خلاف گھیرا ڈالنے والی حکمت عملی سمجھتا ہوں جس میں مجاہدانہ طریقۂ جنگ کے مقابلے میں شور و ہنگامہ اور طمطراق تو کم ہوتا ہے مگر آگے چل کر اس کا اثر زیادہ کارگر اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ تعلیم کے سامنے جو حل طلب مسئلہ ہوتا ہے اُسے ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ "کل انسان" کی تربیت کس طرح کی جائے کہ وہ اپنی زندگی کا نمایاں اور سب سے اہم فریضہ جماعت کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا تصوّر کرے؟" انسان فطری طور پر خود غرض واقع ہوا ہے۔ اس کی اس فطری بُرائی کے اوپر وار کر کے ہم مذکورہ بالا نصب العین میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس مقصد میں نہ پروپگنڈے سے کام چل سکتا ہے نہ سماجی فلسفے کے اصولوں اور مسلّمات کو بار بار دُہرانے سے، نہ یہ جتلانے سے کہ جماعت کے مشترک مفاد کے لئے کام کرنا انسان کا فرض ہے۔ کوئی چاہے کہ صرف زبان سے کہہ کر یہ مقصد حاصل کرلے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ مقصد اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب ٹریننگ، ڈسپلن اور تعلیم کے سست رو اور کم ہنگامہ خیز عمل کو اختیار کیا جائے۔ اور یہاں یہ واضح رہے کہ ٹریننگ، ڈسپلن کی تربیت اور تعلیم "کل انسان" کی ہونی ہے۔ اس "کل انسان" کو ذہن میں رکھئے تو بالغ ہو یا بچہ، اس کو تعلیم دینے میں آپ کو اس کی پوری شخصیت کا احاطہ کرنا ہوگا، دماغ اور جسم، روح اور سیرت، ان سب کو ایک ناقابل تقسیم وحدت تصوّر کرنا ہوگا۔ آپ کو ایک بڑا گھیرا بنا کر اُس کا احاطہ کرنا ہوگا تاکہ اس کے داہنے بائیں بازو، قلب، عقب، غرض اس کے وجود کا ہر پہلو زد میں آجائے۔

اب آیئے دیکھیں وہ تعلیم کیسی ہوگی جس سے یہ نتائج برآمد ہوں گے؟

اس باب میں پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں جابرانہ ڈھنگ سے تعلیم دینے کی کوشش نہیں کرنی ہوگی۔ میں اگرچہ خود بھی معلّم ہوں لیکن مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے جب میں اپنے ہم پیشہ احباب کو ایسی تعلیم کی تائید و حمایت کرتے دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک عیارانہ ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔ نفسیات کا علم جو اپنے مناسب مقام پر رہے تو اس کی میرے دل میں بڑی قدر ہے، اُسے ان دنوں تعلیم کے میدان میں بڑا امتیاز مقام حاصل ہو گیا ہے۔ اگر اس علم کا مناسب استعمال ہو تو اس سے ہمارے اندر اعتدال پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اُسے اتنی اجازت ہو کہ وہ ہمیں اپنے ساتھ بھگا لے جائے، تو پھر اس کا اثر اُلٹا ہوتا ہے۔ آج کل ایک خیال یہ عام ہو گیا ہے کہ اگر کوئی معلّم نفسیات سے مسلّح ہو تو وہ انسان کی فطرت کو جس سانچے میں چاہے ڈھال سکتا ہے۔ وہ ایک طرح کا خدا بن جاتا ہے اور اس کے شاگردوں کی حیثیت چاہے وہ بچے ہوں یا بالغ، خام مال کی سی ہو جاتی ہے۔ جیسے کمہار کے ہاتھ میں مٹّی کا لوندا جو بالکل اس کے رحم و کرم پر ہوتا ہے اور منتظر رہتا ہے کہ اُس کی دانائی اُس کے لئے کون سی شکل اور کون سی چھاپ پسند کرتی ہے۔ اگر وہ چاہے کہ

اس کے شاگرد مذہبی نہیں، تو مذہب کی نفسیات اس خواہش کی تکمیل میں اس کی رہنمائی کرے گی۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کے شاگردوں میں جماعت پسندی کی روح پیدا ہو تو گروہ کی نفسیات اس کی مدد کرے گی۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کے شاگردوں میں طباعی پیدا ہو، یا جمالیات کے ذوق کی نشوونما ہو، یا جذباتیت یا سماجیت کا ارتقا ہو تو وہ نفسیات کا مطالعہ کر لے، پھر جو چاہے گا ہو جائے گا۔

اور پھر نفسیات کا واحد علم نہیں ہے جو تعلیم پر اپنے اثرات ڈال رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ عورتیں ہوں یا مرد اپنے ماحول کا اثر قبول کر کے وہی کچھ بن جاتے ہیں جس کا وہ مقتضی ہوتا ہے۔ لہٰذا ماحول پر قابض ہو جانا چاہیئے، انسانوں کی قسمت آپ کی مٹھی میں ہے۔ آپ انھیں جس طرح کے سانچے میں جی چاہے ڈھال لیجئے۔ اس مہم میں کامیاب ہونے کے لئے دو علوم ہیں جو آپ کی رہنمائی کریں گے ـــ حیوانات (بائیالوجی) جو جسمانی ماحول کا انتخاب کرتی ہے اور سماجیات جو سماجی ماحول کو منتخب کرتی ہے۔ ان تینوں علوم۔ حیوانیات، سماجیات اور نفسیات سے مسلح ہو کر ہم انسان کی فطرت پر کوئی بھی جراحی عمل کر سکتے ہیں جو سائنس کی رُو سے اس کے لئے مفید قرار پائے۔

اس میں شک نہیں کہ ان عقائد میں بڑی حد تک سچائی ہے۔ مگر مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ اہم بات تصویر سے خارج کر دی گئی ہے۔ جو اہمیت کے اعتبار سے انسانوں ـــ ہاں بدنصیب انسانوں کی شخصیتوں سے کم نہیں ہے۔ جن کے اوپر سائنس کے ماہرین اسی طرح کا جرّاحی عمل برابر کر رہے ہیں۔

میں اپنے متعلق جب تک یہ سوچتا ہوں کہ لوگوں کی بھلائی کرنے کی غرض سے سائنس نے جو سازش کر رکھی ہے اس میں میں بھی شریک ہوں تو اس تصویر کو دیکھ کر میں اپنے آپ کو بھی ایک طاقتور انسان سمجھنے لگتا ہوں اور میری گردن فخر کے احساس سے اونچی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب میں صورتِ حال کو پلٹ کر دیکھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ جرّاح نہیں ہوں بلکہ جن غریبوں کے اوپر چیر پھاڑ کا عمل کیا جا رہا ہے، انھی میں سے ایک ہوں یعنی عمل جرّاحی کا شکار، تو میرے احساسات میں یکایک تکدر پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ نفسیاتِ مذہب کے ماہرین مجھے بھیڑوں کی طرح ہانک کر جنت میں پہنچا دیں۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں دوسروں کی چیر پھاڑ کے عمل سے ایک اچھا، خوشحال بلکہ عقل مند انسان بن جاؤں۔ اس کے برخلاف میں "تھاریو" کے انداز میں سوچنے لگتا ہوں۔ جس نے کہا تھا کہ اگر اسے معلوم ہو کہ کوئی شخص اس کے گھر اسے خوشحال بنانے کی نیت سے آ رہا ہے، تو وہ بھاگ کر اسفل السافلین میں چلا جائے تاکہ اس شخص سے اس کا سابقہ نہ پڑنے پائے۔ میری بشری جبلّت سائنس کے اُن ماہروں کے تسلّط کے خلاف بغاوت کرنے لگتی ہے اگر میں انسان ہوں تو وہ انسان جو کسی دوسرے شخص نے "بنایا" ہے، تو میں سرے سے انسان ہی نہیں ہوں بلکہ صرف

ایک مال مصنوعہ ہوں۔ اور چونکہ میں خود اس صورتِ حال کو تسلیم نہیں کرتا اس لئے مجھے پکا یقین ہے کہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت بھی تعلیم کے ماہروں کے ہاتھ میں خام مال بننا پسند نہیں کرے گی کہ وہ اس کا جوان کے جی میں آئے، کریں، تعلیم انسان کے لئے کتنا ہی کچھ کر سکتی ہو، لیکن اس حد تک نہیں جا سکتی کہ انھیں اپنی قسمت کا آپ مالک ہونے کے اختیار سے محروم کر دے اور انھیں ایک خارجی جرّاح کے ہاتھوں میں منتقل کر دے، چاہے وہ نفسیات کے ماہرین ہوں یا حیوانیات کے، یا سماجیات کے یا بہ یک وقت تینوں کے۔ میرے خیال میں اسکولوں یا کالجوں میں تعلیم کا منصب انسانوں کو قابو کر کے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا نہیں ہے — جیسے کمہار مٹّی کے لوندے کو اپنی مٹھی میں لے کر اسے جس شکل میں چاہتا ہے ڈھال دیتا ہے، جو ایک ایسا عمل ہے کہ انسان کی فطرت اسے ہرگز قبول نہیں کرے گی اور اگر قبول کرے گی تو اپنے پیدائشی حق سے ہاتھ دھو بیٹھے گی — یہ نہیں بلکہ تعلیم کا منصب یہ ہے کہ انسانی فطرت کے اندر "اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی" قوت پیدا کر دے۔ کسی انسان کی، وہ بچّہ ہو یا بالغ، سب سے بڑی خدمت جو تعلیم انجام دے سکتی ہے، یہ ہے کہ اس کے فیض سے اسے اپنی پیدائشی قوتوں کا پتہ چل جائے۔ اور یہ کرنے کے لئے آپ کو دو کام کرنے ہوں گے، ایک یہ کہ کسی طرح اس کی قوتوں کو آزاد کر دیجئے۔ جو ہر انسان کے اندر بہت بڑی مقدار میں موجود ہوتی ہے، اور دوسرے یہ کہ اس کی مدد اس طرح کیجئے کہ اسے ان ذرائع کا پتہ چل جائے جو قدرت نے اس کے اندر اس کی قوتوں کو خوش اسلوبی سے قابو میں رکھنے کی غرض سے ودیعت کئے ہیں۔ اگر آپ تعلیم کے متعلّق یہ سوچ لیں کہ اس کا کام "آزاد کرنا" اور "زندگی پیدا کرنا" ہے تو آپ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ تعلیم انسانوں کے لئے کیا کچھ کر سکتی ہے۔

اس تمام بحث میں اب تک میں اس سوال کا جواب عرض کر رہا ہوں کہ جن لوگوں کے ساتھ، وہ بچّے ہوں یا بوڑھے، آپ کو رہنا سہنا ہے، اُن میں ایک دوسرے سے مل جل کر رہنے کی روح کس طرح پیدا کی جائے۔ قاعدے کی بات پوچھیے تو یہ روح پیدا کرنے کا سوال اٹھتا ہی نہیں اس لیے کہ جماعت میں مل جل کر رہنے سہنے کی روح پہلے سے ہر انسان میں موجود ہوتی ہے، اور یہ انھیں نامعلوم قوتوں میں سے ہے جن کا میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ذکر کر رہا تھا، ایک قوت ہے اور اپنے آزاد ہونے کی منتظر رہتی ہے۔ انسان قدرتاً تعاون پسند واقع ہوا ہے وہ پیدائشی تعاونی ہوتا ہے۔ یہ حقیقت اکثر نظر انداز کر دی جاتی ہے، حالانکہ یہی وہ حقیقت ہے جس کے اوپر تعلیم میں، چاہے وہ بچّے کی ہو یا بالغ کی، سب سے زیادہ زور دیا جانا چاہیئے۔ آپ چاہے اس کے دماغ کی ساخت کا مطالعہ کیجئے یا جسم کی ساخت کا، ہر جگہ یہی دیکھیں گے کہ اس کی ساخت اس سے جس حرکت و عمل کا مطالبہ کرتی ہے وہ سب سے

الگ تھلگ کوئی تنہا عمل نہیں بلکہ ایک مشترک عمل ہے۔ مرد بنا ہی اس لیئے ہے کہ عورت کے ساتھ تعاون کرے اور اسی طرح عورت مرد کے ساتھ۔ والدین بچّے کے ساتھ، بڑے چھوٹوں کے ساتھ، فرد اپنے پڑوسی کے ساتھ۔ اور انسان کو یہ بات کرنے کی قوت بخشی کس لیے گئی ہے؟ وہ جب دوسروں کے ساتھ کام کرتا ہے تو سب سے اچّھا کرتا ہے، جب کسی دوسرے کھلاڑی کے مقابلے میں کھیلتا ہے تو بہت اچّھا کھیلتا ہے۔ اس کا یہ مقابلے میں کھیلنا دراصل "اس کے ساتھ کھیلنا" ہے۔ اس لئے کہ جب تک کوئی مقابلہ کرنے والا نہ ہو اس وقت تک کھیل ہو ہی نہیں سکتا۔ انسان کو کھیلنے اور کام کرنے، دونوں کے لئے "ایک مقابلہ کرنے والے کی ضرورت ہوتی ہے" اور اس کا یہ مقابلہ کرنے والا اکثر اس کا بہترین دوست ہوتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳۱ کا)

اور خود ہی تمام پروگرام چلاتی ہیں۔ اس سال پہلی بار ان عورتوں نے اسٹیج پر آکر ایک ڈرامہ بھی پیش کیا۔ مردوں کے گروپ اس سال اجنتا اور الورا کی سیر کو گئے۔ پرتشٹھان کے پاس اپنا فلم پروجیکٹر ہے۔ مزدور بستیوں میں اچھی فلموں کے دکھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ پردیسی پُڑوا اور نہرو نگر کے کمیونٹی سنٹروں میں ریڈیو بھی لگے ہوئے ہیں۔ ریڈیو پروگرام ان سنٹروں میں بہت مقبول ہیں۔ ریڈیو پروگرام کی مقبولیت اس وقت سے اور بھی بڑھ گئی ہے جب سے شرم پرتشٹھان میں زیرِ تربیت عورتوں اور یہاں کی بال واڑی کے بچّوں کے دو چھوٹے چھوٹے ڈرامے اندور ریڈیو سے نشر کیئے گئے

سوشل ایجوکیشن کے ماتحت آنے والے ان مستقل پروگراموں کے علاوہ وقتاً فوقتاً کچھ دوسرے پروگرام بھی ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے مشاعرے اور کوی سمیلن۔ سوشل ایجوکیشن کے موضوع پر کارکنوں کا سمپوزیم۔ تصویروں کی نمائش وغیرہ

غرض شرم پرتشٹھان مزدوروں میں سوشل ایجوکیشن کا جو تجربہ کر رہا ہے وہ قابلِ تعریف ہے ضرورت ہے کہ دوسرے صنعتی مرکزوں میں بھی اس طرح کے ادارے قائم کئے جائیں۔

آسام کے ایک ضلعے میں

خاتمۂ ناخواندگی کی مہم

مہاراشٹر کی گرام شکشن مہم نے ملک کو ناخواندگی کے خاتمے کی ایک نئی راہ دکھائی ہے۔ اس مہم کا لوگوں کو خواندہ بنانا نہیں بلکہ ایک چنے ہوئے علاقے سے ناخواندگی کا مکمل خاتمہ کردینا ہے۔ اس کی دوسری خصوصیت اس کے طریق کار کی ہے۔ اس مہم کے ماتحت ناخواندگی کے خاتمے کی مہم صحیح معنی میں ایک عوامی تحریک کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یعنی یہ پروگرام بستی کے تمام لوگوں اور بستی کی زندگی سے تعلق رکھنے والے تمام سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی مشترک ذمہ داری بن جاتا ہے۔ اس تحریک میں تمام سرکاری محکمے، صوبے اور ضلعے کے افسر، تمام سرکاری محکموں کے ملازمین، پنچایت سمتی اور پنچایتیں، اسکول کے ٹیچر اور طالب علم، سماجی اور سیاسی کارکن غرض خواندہ اور ناخواندہ تمام لوگ مل کر ناخواندگی کے مورچے پر زور لگاتے ہیں۔

اسی گرام شکشن مہم کے نمونے پر پچھلے سال آسام کے ایک ضلع نوگاؤں .... ایک چنے ہوئے علاقے میں خاتمۂ ناخواندگی کا پروگرام شروع کیا گیا ہے۔ آسام میں اڈلٹ ایجوکیشن کے پس منظر میں نوگاؤں ضلعے کے اس تجربے کو یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ —— ایڈیٹر

آسام میں اڈلٹ ایجوکیشن کی ابتدا

آسام میں اڈلٹ ایجوکیشن کا پروگرام پچھلے تیس سال سے جاری ہے۔ ملک کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں بھی

اس کی ابتدا خواندگی کی تحریکوں سے ہوئی یعنی یہاں اس وقت اڈلٹ ایجوکیشن کے نام سے خواندگی کے کچھ سنٹر چلائے جاتے تھے۔ یہ سنٹر کبھی کبھار قائم ہو جاتے تھے اور کچھ دن چل کر اپنے آپ بند بھی ہو جاتے تھے۔ ان سنٹروں کا مقصد بس اتنا ہوتا تھا کہ وہاں جو لوگ آئیں انھیں معمولی سا پڑھنا لکھنا سکھا دیا جائے۔ کھیل کود اور دوسرے تفریحی اور دلچسپ مشغلوں سے ان سنٹروں کا کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا تھا۔ ان سنٹروں کے ذریعے خواندگی کے پھیلانے میں کچھ کامیابی ضرور ہوئی۔ مگر ایک حد سے آگے نہیں۔ ان سنٹروں کے سہارے اڈلٹ ایجوکیشن کا پروگرام عوام کا پروگرام نہیں بن سکا۔ ان سنٹروں کو معمولی تنخواہ پانے والے کارکن چلاتے تھے۔ سرکاری ملازمین ہی ان کی نگرانی اور معائنہ کرتے تھے۔ مقامی بستی کے لوگوں کا ان سنٹروں سے کوئی تعلق نہیں ہوپاتا تھا اور نہ ان سنٹروں میں اتنی کشش تھی کہ لوگ ان کی طرف خود بخود کھنچے چلے آتے۔ ان کے پاس ایسا کوئی پروگرام بھی نہیں تھا جس میں سب لوگ دلچسپی لے سکیں۔ ان سنٹروں سے بس اتنا نتیجہ نکلتا تھا کہ کوئی ہزار ہزار آدمی معمولی سا پڑھنا لکھنا سیکھ جاتے تھے۔ مگر ان کی خواندگی کا معیار اتنے کم درجے کا ہوتا تھا کہ وہ اس خواندگی سے روزمرہ کی ضرورتوں میں کام نہیں لے پاتے تھے۔ خواندگی کی مشق کا موقع نہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ جلدی ہی نا خواندگی کی طرف لوٹ آتے تھے۔ خواندگی کی توسیع کے ساتھ ہی ساتھ پڑھ لکھ کر ان پڑھ بن جانے والوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

خواندگی سے سوشل ایجوکیشن کی طرف

یہ حالت بہت دنوں تک جاری رہی۔ آزادی ملنے کے بعد جب ملک کی تعمیر و ترقی کے منصوبے سوچے جانے لگے تو اس وقت بالغوں کی تعلیم کے مسئلے پر بھی غور کیا گیا اور ملک میں اڈلٹ ایجوکیشن (یعنی اڈلٹ لٹریسی) کی جگہ سوشل ایجوکیشن کی اصطلاح وضع کی گئی اور سارے ملک میں سوشل ایجوکیشن کا پروگرام شروع ہو گیا۔
سوشل ایجوکیشن پروگرام صرف خواندگی تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے ماتحت صحت و صفائی اور شہری زندگی کی اصلاح و بہبود کی تعلیم کے ساتھ ساتھ بالغوں کی تفریحی سرگرمیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ یعنی بالغوں کو ایسی تعلیم دینا جس سے کہ وہ اپنی سماجی اور اقتصادی زندگی کو بہتر بنانے کے قابل بن سکیں۔

آسام میں سوشل ایجوکیشن

پہلی پنج سالہ یوجنا کے ماتحت حکومت آسام کے افسروں نے بھی اڈلٹ ایجوکیشن کی اسکیمیں تیار کیں۔

اس وقت ان لوگوں کو اڈلٹ ایجوکیشن کے کام کو پھیلانے کا احساس تھا مگر سرمائے اور وسائل کی کمی کی وجہ سے اس وقت کوئی ہمہ گیر پروگرام نہیں بن سکا۔ اس طرح پہلی پنج سالہ یوجنا کے دوران اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں کوئی اصلاح نہیں ہو سکی۔ مگر اس دوران یہ خیال پکا ہو گیا کہ اگر اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام میں بالغوں کی خواندگی کے روکھے پھیکے پروگرام کو ہی رکھا گیا تو اس میں کامیابی محال ہے اس لئے اس پروگرام کو زیادہ سے زیادہ وسیع بنانے کی ضرورت ہے۔ غرض اڈلٹ ایجوکیشن نے اس دوران سوشل ایجوکیشن پروگرام کی شکل اختیار کر لی۔

سوشل ایجوکیشن کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور محکمۂ تعلیم کی مشترک ذمہ داری

آسام میں سوشل ایجوکیشن کا وسیع پروگرام دوسری پنج سالہ یوجنا کی ابتدا کے ساتھ ہی شروع ہو سکا۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور محکمۂ تعلیم دونوں کو اس کی مشترکہ ذمہ داری سونپی گئی۔ پروگرام کی توسیع و اشاعت کا خاکہ اس طرح تیار کیا گیا کہ دونوں محکموں کی ملی جلی کوششوں سے سوشل ایجوکیشن پروگرام کا مقصد پورا ہو جائے۔

اس اسکیم کے ماتحت مختلف پروگرام چلائے گئے۔ ان میں سے ایک پروگرام بالغوں کی خواندگی بھی تھا۔ خواندگی کی تعلیم کے سلسلے میں ایک بار پڑھنا لکھنا سیکھ کر لوگوں کے دوبارہ ناخواندہ بن جانے کے مسئلے پر اب زیادہ توجہ دی گئی۔ اس مسئلہ کی روک تھام کے لئے گاؤں گاؤں کتب خانے اور کمیونٹی سنٹر قائم کئے جانے لگے۔ جہاں نوخواندہ لوگ ایک دوسرے سے مل جل سکیں، کچھ گپ شپ اور تفریح کر سکیں اور کتابیں اور اخبار وغیرہ پڑھ کر خواندگی کی مشق کو بحال رکھ سکیں۔

سوشل ایجوکیشن کی اس وسیع اسکیم کا خیال پہلی پنج سالہ یوجنا کے دوران ابھرا، دوسری پنج سالہ یوجنا کے دوران اس پر کچھ کام بھی شروع ہوا مگر اس پر تیسری پنج سالہ یوجنا سے پہلے پوری طرح کام نہیں شروع ہو سکا۔ اس لئے کہ اس وقت تک ریاست میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے بلاک کافی تعداد میں قائم ہو چکے تھے۔ ڈیولپمنٹ بلاکوں نے گاؤں کی سطح پر ایک تنظیم قائم کی اور گاؤں میں کتب خانے اور کمیونٹی سنٹر کھولے۔ محکمۂ تعلیم نے ان کے لئے کارکنوں کو ٹریننگ دینے اور ان مقامی اداروں کو چلانے کے انتظامات کئے۔

واپس خواندگی کی طرف

اس پروگرام کے بارے میں جلدی ہی یہ بات محسوس کی جانے لگی کہ اس سوشل ایجوکیشن میں، سماجی پہلو پر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور ایسا کرنے میں اس کے سب سے اہم پہلو یعنی ”خواندگی“ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جب کہ خواندگی کی

اپنی جگہ خود بہت اہمیت ہے۔ یہ بات بھی کہی جانے لگی کہ خواندگی کے بغیر سماجی زندگی کے اداب و اطوار کی تعلیم بالکل کھوکھلی رہے گی۔ غرض جلدی ہی لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو چلا کہ محکمۂ تعلیم کو سوشل ایجوکیشن کے اگر کسی ایک پہلو پر سب سے زیادہ توجہ دینی چاہیئے تو وہ خواندگی اور صرف خواندگی کا پروگرام ہے۔

محکمہ تعلیم کو خواندگی کی طرف واپس لانے کی اور بھی کئی وجہیں تھیں۔ آج سے کوئی دس سال پہلے تک عوام کو سماجی زندگی کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے مقامی سطح پر کوئی تنظیم قائم نہیں تھی اور نہ اس وقت تک شہری زندگی کی ذمّہ داریوں سے لوگوں کو باخبر رکھنے اور لوگوں کو انفرادی اور سماجی زندگی میں صحت و صفائی کی سہولتوں اور قاعدوں سے واقفیت کرانے کے لیئے علیحدہ سے کوئی مشنری قائم تھی۔ مگر اب صورتِ حال مختلف ہے۔ سوشل ایجوکیشن کے ماتحت آنے والے دوسرے تمام پروگرام کسی نہ کسی شکل میں دوسرے محکموں کی ذمّہ داری بن چکے ہیں۔ ایک خواندگی کا کام ہی ایسا رہ جاتا ہے جو خالصتاً محکمۂ تعلیم کے منصب میں آتا ہے۔ بالغوں میں خواندگی کی توسیع و اشاعت ہی وہ کام ہے جسے محکمہ تعلیم کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ لوگوں کی اور بہت سی توقعات ہوسکتی ہیں مگر محکمہ تعلیم ان کے بدلے خواندگی کا سودا نہیں کر سکتا ہے۔

نوگاؤں کا تجربہ

محکمہ تعلیم نے خواندگی کے مسئلے پر اب سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا۔ اب صرف خواندگی کے سنٹر قائم کرکے بالغوں میں خواندگی کی توسیع و اشاعت کے کام کو ادر تیزی سے شروع کرنے کی ہی نہیں بلکہ بالغوں کی خواندگی کا پروگرام چلانے کے لیے ایسی تنظیم قائم کرنے کی بات بھی سوچی جانے لگی جس سے کم سے کم مدت میں ناخواندہ بالغوں کی ایک قابلِ لحاظ آبادی پڑھنا لکھنا ضرور سیکھ جائے۔ اس مسئلے پر سوچ بچار کرکے کوئی عملی پروگرام طے کرنے کی غرض سے جولائی ۱۹۶۴ء میں نوگاؤں کے بیسک ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں ایک سیمنار منعقد کیا گیا۔ اس سیمنار نے سوشل ایجوکیشن اور خواندگی کی توسیع و اشاعت کے پروگرام کے بارے میں مندرجہ ذیل پانچ باتوں کو بنیاد بنا کر خاتمۂ ناخواندگی کی ایک اسکیم شروع کرنا تجویز کیا۔

(۱) ہمارا مقصد حالانکہ سوشل ایجوکیشن کا وسیع پروگرام ضرور ہونا چاہیئے مگر سر دست اس پروگرام کے سب سے اہم پہلو یعنی بالغوں کی خواندگی کے پروگرام پر ہی توجہ دینی چاہیے۔ سوشل ایجوکیشن کے پانچ نکاتی پروگرام میں سے ہر ایک پروگرام پر یکساں توجہ نہیں دی جاسکتی، اس لیئے اس وسیع اور ہمہ گیر پروگرام کے صرف ایک پہلو — اور اس کے سب سے اہم پہلو — بالغوں کی خواندگی کو سب سے پہلے لینا چاہیئے سوشل ایجوکیشن

پروگرام کی بنیاد بالغوں کی خواندگی ہے۔ اس بنیاد کو چھوڑ کر یہ پروگرام اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ سوشل سروس یا سوشل ایجوکیشن کے ماتحت چلنے والا ڈیولپمنٹ کا کوئی بھی پروگرام ناخواندہ بالغوں کے سہارے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

(۲) دوسری بات یہ اس وقت روپے پیسے اور کارکنوں کی شکل میں جتنے وسائل موجود ہیں ان کے پیش نظر ریاستی حکومت کے لیئے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ تمام ریاست سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے کسی منصوبے کے ماتحت فوراً عمل کرنا شروع کر دے۔ اسی لیئے ضروری ہوگا کہ خاتمۂ ناخواندگی کی مہم چلانے کے لیئے شروع میں ایک حد بند علاقہ چن لیا جائے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اس حد بند علاقے سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے اتنے وسائل فراہم ہو سکیں گے کہ صرف سرکاری امداد کے سہارے سارا پروگرام چلایا جا سکے۔ اس لیئے یہ اسکیم عوام کے تعاون پر مبنی ہونی چاہیئے یعنی اسکیم اس طرح تیار کی جانی چاہیئے کہ خواندگی کے سنٹروں کو چلانے کے لیئے رضا کاروں کی خدمات حاصل کی جا سکیں۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ خاتمۂ ناخواندگی کے اس پروگرام کی نگرانی اور معائنے کے لیئے علیحدہ سے اسٹاف کا تقرر ممکن نہیں ہوگا۔ خاتمۂ ناخواندگی کی یہ اسکیم اس صورت میں کامیاب ہوگی جب محکمۂ تعلیم کا موجودہ اسٹاف اس فاضل کام کی ذمہ داری اٹھائے۔ اس سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ خاتمۂ ناخواندگی کی اس نیک مہم میں مقامی بستی کے لوگ اور سرکاری ملازمین اور افسر دونوں تعاون اور اشتراک سے کام کریں۔

(۵) آخری بات یہ کہ خاتمۂ ناخواندگی کا یہ پروگرام ایک آزمائشی اسکیم کی حیثیت سے سب سے پہلے نوگاؤں ضلعے کے کسی علاقے میں شروع کیا جائے۔ یہ مان کر کہ اس پروگرام کے لیئے سازگار فضا بن جانے کے بعد پورے ضلعے میں دو سال کے اندر یہ اسکیم لاگو کر دی جائے گی اور اس مدت میں ۱۴ سے ۴۰ سال کی عمر کے لوگوں کے درمیان سے ناخواندگی کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

خاتمۂ ناخواندگی کی اسکیم کی ابتدا

سیمینار نے مندرجہ بالا باتوں کی بنیاد پر خواندگی کا ایک آزمائشی پروگرام شروع کرنے کی منظوری دے دی۔ مگر اس سیمینار کا سب سے اہم فیصلہ جس نے سب کو چونکا دیا، یہ تھا کہ گاندھی جی کے جنم دن کے موقع پر یعنی ۲ اکتوبر سے خاتمۂ ناخواندگی کی یہ تحریک نوگاؤں کے ایک علاقے میں ضرور شروع کر دی جائے۔ اس طرح ساری تیاریاں مکمل کرنے کے لیئے بس دو مہینے کا وقت رہ گیا تھا۔

ساری دنیا میں ناخواندگی کے خلاف جنگ

یونیسکو کی تہران کانفرنس

دنیا سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے یونیسکو کی طرف سے ایک دس سالہ منصوبہ شروع کیا گیا ہے اس سلسلے میں ستمبر میں تہران میں تعلیم کے وزیروں کی ایک عالمی کانگریس منعقد ہوئی تھی۔ ستمبر کے شمارے میں آپ اس کانگریس کے منعقد ہونے کی خبر پڑھ چکے ہیں۔ اکتوبر اور نومبر کے شماروں میں گرام شکشن مہم پر خاص مضامین کا سلسلہ شائع ہوا اور اس کانگریس کے اہم فیصلے شریک اشاعت نہیں ہو سکے۔ اس کانگریس میں جو اہم فیصلے ہوئے اور مختلف ملکوں کے نمائندوں نے اپنے اپنے ملکوں میں خواندگی کی توسیع و اشاعت کے سلسلے میں جن منصوبوں کا ذکر کیا، ان میں سے کچھ اہم باتیں یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

—— ایڈیٹر

شہنشاہ ایران کی دعوت پر:-

ستمبر کے دوسرے اور تیسرے ہفتہ میں تعلیم کے وزیروں کی ایک عالمی کانفرنس تہران میں منعقد ہوئی تھی یہ کانفرنس شہنشاہ ایران کی دعوت پر یونیسکو نے منعقد کی تھی۔ ۱۲ دن کی اس کانفرنس کا افتتاح شہنشاہ ایران نے ۸ ستمبر کو کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں شاہ ایران نے فرمایا کہ آج دنیا میں ناخواندہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے

یہ ہماری دنیا پر ایک بدنما دھبّہ ہے .... اپنے اپنے ملکوں سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کی طرف حکومتوں کو فوراً توجہ کرنی چاہیئے۔ وہ ممالک جہاں ناخواندگی کا مسئلہ ایک تشویشناک صورت اختیار کر چکا ہے' وہاں کی حکومتوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے فوجی خرچوں میں تھوڑی سی تخفیف کرلیں' جس سے کہ ملک سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے وسائل مہیا ہو سکیں۔

خواندگی کے لیے فوجی بجٹ کا صرف تیسواں حصّہ چاہیئے :۔

شاہ ایران نے اپنی افتتاحی تقریر میں یہ بات خاص طور سے کہی کہ اس وقت دنیا کے تمام ملکوں کا فوجی بجٹ ۵۵۰۰ کروڑ روپئے[1] ہے۔ دنیا کے ۷۰ کروڑ ناخواندہ بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے پر خرچ اس رقم کے تیسویں حصّے کے برابر آئے گا۔ گویا فوجی بجٹ میں ایک بٹا تیس حصّے کی تخفیف سے دنیا کے تمام ناخواندہ بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کا خرچ نکالا جا سکتا ہے۔

خواندگی اقتصادی ترقی کے پلانوں میں مددگار :۔

اس کانفرنس میں ۸۸ ملکوں کے نمایندوں نے شرکت کی تھی۔ شروع کے چار دنوں میں ان نمایندوں نے اپنے اپنے ملک کے تجربوں اور منصوبوں پر روشنی ڈالی (ان میں سے کچھ ملکوں کے بارے میں حاصل ہونے والی اہم معلومات اس مضمون کے بعد شریک اشاعت کی جا رہی ہیں)

تمام نمایندوں نے اس بات پر زور دیا کہ خواندگی کے پروگرام کا ملک کے ڈیولپمنٹ کے پروگراموں سے ناتہ جوڑنا ضروری ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی وضاحت کردی کہ خواندگی کی اہمیت کو صرف اقتصادی ترقی کی ضرورت کے معیار پر نہیں جانچنا چاہیئے۔ خواندگی لوگوں کی تہذیبی اور ذہنی ترقی کا وسیلہ بھی ہے' جو لوگوں کو ایک شہری کی حیثیت سے اپنے حقوق و فرائض سے باخبر بناتی ہے۔

کانفرنس نے ترقی پذیر ملکوں میں تعلیم کی عام حالت کا جائزہ لیا۔ سب نمایندے اس بات پر متفق تھے کہ بچوں کی اسکولی تعلیم کی طرح یہاں بالغوں کو خواندہ بنانے کے لئے انتظامات کرنا بھی ضروری ہے۔ ان ملکوں میں خواندگی کے پروگرام کو ڈیولپمنٹ کے عام پروگراموں کے اندر پورے نظام تعلیم کے ترقیاتی پروگراموں کے ساتھ جڑا ہونا چاہیئے۔

---

[1] ایک دوسرے بین الاقوامی ادارے (UNICEF) کے اعداد و شمار کے مطابق یہ خرچ ۸۲۰۰ کروڑ روپئے ہے۔ (ادارہ)

خواندگی کے پائلٹ پروجیکٹ :-

خواندگی کی توسیع و اشاعت کے تجرباتی پروگرام کے سلسلے میں یونیسکو نے جو پائلٹ پروجیکٹ چلا رکھے ہیں کانفرنس نے ان پروجیکٹوں کی تعریف کی اور یو۔ این۔ او سے اپیل کی کہ وہ اپنے اسپیشل فنڈ سے خواندگی کی توسیع و اشاعت کے اس طرح کے منصوبوں کو زیادہ سے زیادہ امداد فراہم کرے۔

ملک کے اندرونی وسائل :-

یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل مسٹر رینے ماہیو نے اس بات پر بار بار زور دیا کہ ملکوں میں عوامی تعلیم کا پروگرام صرف بین الاقوامی امداد کے سہارے نہیں چلایا جا سکتا ہے۔ اس پروگرام میں کامیابی اسی حد تک ملے گی جس حد تک کوئی ملک اس کام کے لئے روپئے وغیرہ اپنے اندرونی وسائل سے فراہم کر کے اسے اپنے اقتصادی ڈیولپمنٹ کی اسکیم کا جزو بنا سکے گا۔

اس کام کے لئے روپیہ کہاں سے آئے :-

دنیا سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے اس پروگرام کے لئے روپیہ کہاں سے آئے؟ اس کے جواب میں کانفرنس نے یو۔ این۔ او اور اس کی مخصوص تنظیموں جیسے یونیسکو اور علاقائی انجمنوں، غیر سرکاری اداروں اور نجی اداروں سے اپیل کی کہ وہ مختلف ملکوں کے ذمہ دار رہنماؤں پر اثر ڈالیں کہ وہ اپنے علاقے میں مندرجہ ذیل باتوں پر خاص توجہ دیتے رہیں :-

(۱) ان تمام ملکوں میں جہاں ناخواندگی کا مسئلہ آج موجود ہے، وہاں خواندگی کی توسیع و اشاعت کا پروگرام اقتصادی ڈیولپمنٹ کا ایک حصہ بنے۔

(۲) ناخواندگی کے خلاف جنگ چھیڑنے کے لئے قومی اور بین الاقوامی ادارہ سے ملنے والے وسائل میں جہاں تک ممکن ہو اضافہ ہوتا رہے۔

(۳) فوجی اخراجات میں تخفیف کی وجہ سے جو بچت ہو اُسے ملک کی عام ترقیاتی منصوبوں اور خاص طور سے خواندگی کی توسیع و اشاعت کے منصوبے پر خرچ کیا جائے۔

(۴) خواندگی کے سلسلے میں نئی نئی معلومات اور نئے نئے خیالات کی توسیع و اشاعت کے لئے اطلاعات کی نشر و اشاعت کے تمام وسائل کا پورا پورا استعمال ہو۔

مادری زبان پہلے سکھائی جائے

خواندگی کے طریقوں پر جب بات چلی تو بہت سے ملکوں کے نمایندوں نے جہاں بہت سی زبانیں اب تک ایسی چلی آرہی ہیں جن کا کوئی رسم الخط متعین نہیں ہو سکا ہے بتایا کہ اب ان میں سے اکثر زبانوں کے لئے رسم الخط وضع کئے جا چکے ہیں۔ کچھ ملکوں کے نمایندوں نے لسانیات کے ماہرین سے اپیل کی کہ وہ ان زبانوں کے لئے رسم الخط کے انتخاب میں مدد پہنچائیں مگر سب لوگ اس بات پر متفق تھے کہ سب سے پہلے مادری زبان ہی میں پڑھنا لکھنا سکھانا چاہیئے اس صورت میں بھی جب کہ ایک بالغ انسان کے لیئے بعد میں کوئی دوسری زبان سیکھنا لازمی ہو۔

کانفرنس کے اختتامی جلسے میں یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل مسٹر رینے ماہیو نے بتایا کہ یہ کانفرنس اس لحاظ سے بہت اہم تھی کہ اس نے یونیسکو کے سامنے کچھ بہت اہم اور فیصلہ کن باتیں پیش کی ہیں اس سے بھی بہت زیادہ اہم بات یہ تھی کہ دنیا سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے سلسلے میں ملکی اور عالمی پیمانے پر اس کانفرنس نے جو حکمت عملی متعین کی اس میں بہت بڑی حد تک تمام نمایندے ایک دوسرے سے متفق رہے۔

انھوں نے اعلان کیا کہ دنیا سے ناخواندگی کا کم سے کم مدت میں خاتمہ کیا جا سکتا ہے اگر وہ لوگ جو ملکوں کو تیزی سے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں، وہ خواندگی کو ان منصوبوں کا ایک لازمی حصہ بنا لیں یہی بات دو ملکوں کے ترقیاتی پروگراموں پر بھی پوری اترتی ہے اور عالمی ترقیاتی پروگراموں پر بھی۔

دنیا کو ناخواندگی کے بوجھ سے بچانے کے لئے مختلف ملکوں کی کوششیں

(۱)

یونیسکو کی تہران کانفرنس کے موقع پر مختلف ملکوں کے نمائندوں نے اپنے اپنے ملکوں میں تعلیم اور خواندگی کی توسیع و اشاعت کے سلسلے میں جو تفصیلات بیان کی تھیں ان میں سے چند ملکوں کے بارے میں اہم معلومات یہاں دی جا رہی ہیں۔

— ایڈیٹر

لیبیا

لیبیا میں یکم نومبر ۱۹۶۵ء سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے ایک قومی تحریک شروع کی جا رہی ہے۔ یہ تحریک عرب ممالک میں خواندگی کی توسیع و اشاعت ایک وسیع منصوبے کا حصہ ہے۔ یہ تحریک جو ۱۵ سال تک چلے گی سب سے پہلے ۲۵ سے ۴۹ سال کی عمر میں آنے والی اس آبادی کے درمیان ناخواندگی کا خاتمہ کرے گی جو گنجان علاقوں میں آباد ہیں اور براہِ راست ملکی ترقی کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ ہر سال یہ تحریک آبادی کے دوسرے حصوں میں پھیلتی جائے گی یہاں تک کہ ۱۳ سے ۴۵ سال کی عمر کے تمام مرد و عورت خواندگی کی کلاسوں میں داخل ہو جائیں۔ یہ تحریک فی الحال ایک تجرباتی اسکیم کی حیثیت سے تین سال کے لئے چلائی جا رہی ہے۔ یعنی ناخواندگی کے مکمل خاتمے کی ہمہ گیر اسکیم ۱۹۶۸ء سے ۱۲ سال کے لئے چلے گی۔ تین سال کی تجرباتی اسکیم کے دوران ضروری اعداد و شمار حاصل ہو جائیں گے جن کی بنا پر خاتمہ ناخواندگی کی ہمہ گیر تحریک کا منصوبہ تیار کیا جائے گا۔

اس تحریک کی رہنمائی اور نگرانی اڈلٹ ایجوکیشن اور لٹریسی کی ایک قومی کمیٹی کے سپرد ہو گی جس میں حکومت کے مختلف شعبوں اور اسلامی یونیورسٹی کے نمایندے شامل ہوں گے۔ اس سلسلے میں ایک قانون بھی بنایا جائے گا جس کی رو سے ایک خاص عمر تک کے لوگوں کے لیئے اڈلٹ ایجوکیشن لازمی قرار دے دی جائےگی۔

پڑھنا لکھنا اور معمولی حساب کتاب سکھانے کے علاوہ اس کے ماتحت لوگوں کو عام معلومات، شہری زندگی سے متعلق حقوق و فرائض اور اسلام کی بنیادی باتوں کی تعلیم بھی دی جائے گی۔ اس تحریک میں عورتوں کی تعلیم کا خاص طور سے انتظام کیا گیا ہے۔

اس تحریک میں کام کرنے کے لئے استادوں کو ٹرننگ دی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں فوہات کے ٹرننگ سنٹر کے کام کو پھیلانے کا منصوبہ زیر غور ہے۔ گرمی کی تعطیل میں استادوں کے لیئے ریفرلیشرز کورس منعقد کیئے جائیں گے جہاں اُستادوں کو آڈیو ویژول کے سامانوں کا استعمال اور نئے طریقے سے خواندگی کی تعلیم دینے کی ٹرننگ دی جائے گی۔

نیو گنی

نیو گنی کا انتظام حکومت اس وقت اسٹریلیا کے تحفظ اور نگرانی میں چل رہا ہے اس ملک میں خواندگی کی توسیع و اشاعت کے راستے میں سب سے بڑی دو رکاوٹیں ہیں ایک تو زبان کی رکاوٹ ہے۔ یہاں کوئی ۵۰۰ زبانیں بولی جاتی ہیں مگر رسم الخط ایک زبان کا بھی نہیں ہے۔ اور دوسری رکاوٹ دور دراز بسے ہوئے گاؤوں اور بستیوں تک پہنچنے کی ہے۔ گہری وادیوں میں آباد گاؤں اور جنگلوں سے گھری ہوئی بستیوں میں آج بھی ہر وقت پہنچنا مشکل ہے۔

تحریر میں یہاں صرف ایک زبان مستعمل ہے اور وہ ہے انگریزی زبان۔ یہی زبان بچّوں کو اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس وقت اسکولی عمر کے کوئی ۵۰ فی صدی بچّے اسکولوں میں داخل ہیں، نیو گنی کے تعلیمی منصوبے میں سب سے زیادہ اہمیت بچّوں کی تعلیم کو دی گئی ہے، یعنی پہلا کام اسکولی عمر کے تمام بچوں کو اسکولوں میں داخل کرنے کا انتظام کرنا ہے۔ اہمیت کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر بالغوں کی تعلیم آتی ہے جس میں خواندگی کے علاوہ صحت و صفائی اور زراعت کی تعلیم شامل کی گئی ہے۔

آج کل ان ہی علاقوں میں بڑے پیمانے پر خواندگی کا پروگرام چل رہا ہے جہاں ترقیاتی پروگراموں

پر اس سے اچھے اثرات مرتب ہونے کے مواقع سب سے زیادہ ہیں اور جہاں لوگ پڑھنا لکھنا سیکھ کر اس سے فائدہ بھی اُٹھا سکتے ہیں۔

نائیجیریا

نائیجیریا میں ۱۹۴۵ء میں خواندگی کی بڑے پیمانے پر تحریک شروع کی گئی تھی۔ ۱۹۵۰ء تک یہ تحریک اسی انداز پر چلتی رہی اور آج ملک کے تعمیری منصوبوں میں اسے نمایاں مقام حاصل ہے۔

بالغ طالب علموں کو پہلے مادری زبان میں پڑھنا لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد انھیں انگریزی اور دوسرے سماجی اور شہری علوم اور سائنس اور فن خانہ داری وغیرہ کی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے۔

ترکی

ترکی میں ۶۲ء سے ملک کی تعمیر و ترقی کا ایک پندرہ سالہ پلان چل رہا ہے۔ اس پلان میں تعلیم کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

ترکی میں خواندگی کی توسیع و اشاعت کے سلسلے میں کافی کام ہو رہا ہے۔ دوسری عام سرگرمیوں کے علاوہ خواندگی کی تحریک میں یہاں "فوجی اسکولوں" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ اسکول ۱۹۵۹ء میں شروع کئے گئے تھے۔ ان اسکولوں کا مقصد ان پڑھ فوجیوں کو خواندہ بنانا اور انھیں دوسرے عام مضامین کی ابتدائی تعلیم دینا ہے۔ ہر سال ۵۰ سے ۶۰ ہزار تک فوجی ان اسکولوں میں خواندہ بنائے جاتے ہیں۔

عوامی تعلیم کی تحریک میں ترکی میں دوسری قابل ذکر بات ہے ۱۹۶۰ء کا تعلیمی قانون۔ اس قانون کی رو سے ہائی اسکول یا اس کے مساوی امتحان پاس کرنے والے طالب علموں کو دو سال کی فوجی خدمت سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے مگر ان کے لئے یہ لازمی کر دیا گیا ہے کہ وہ اس مدت میں دور دراز کے گاؤں میں جاکر بچوں اور بالغوں کے اسکول چلائیں۔

کیوبا

کیوبا میں ۱۹۶۱ء کا سال "تعلیمی سال" کہلاتا ہے۔ اس سال ملک نے ساری توجہ ان پڑھ شہریوں کو

پڑھانے پر صرف کی۔ اس ایک سال میں کوئی سات لاکھ عورتوں اور مردوں نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا اور ناخواندگی کا اوسط گھٹ کر ۳ء۹ فی صدی رہ گیا۔ ۱۹۶۲ء میں گاؤں کے کسانوں اور مزدوروں کی تعلیم کا ایک پروگرام چلایا گیا۔ ۱۹۶۴-۶۵ء کے اسکولی سال کے دوران اس پروگرام کے ماتحت ۸ لاکھ بالغ کسانوں نے تعلیم حاصل کی۔ ان چار برسوں کے دوران ۲ لاکھ نوخواندہ بالغوں کو پرائمری اسکولوں کے امتحان پاس کرنے کا سرٹیفکیٹ دیا گیا۔ ان میں سے بہت سے مزدوروں اور کسانوں کو صنعتی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے اداروں میں داخلہ بھی مل گیا۔ بہت سے مزدور اور کسان اسپیشل سکنڈری اسکولوں میں داخل ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہزاروں یونیورسٹیوں اور دوسرے ٹکنیکل کالجوں تک پہنچ گئے ہیں۔

فلپائن

فلپائن میں خواندگی کا اوسط ۷۲ فی صدی ہے۔ یہ اوسط ایشیا کے لحاظ سے کافی اونچا ہے۔ مگر اس کے باوجود یہاں ۵۰ لاکھ آدمی ناخواندہ ہیں۔ فلپائن میں تمام لوگوں کو ۱۹۸۰ء تک خواندہ بنا دینے کا منصوبہ بنایا گیا ہے اس کا میعار کارآمد خواندگی کا ہوگا۔

اس وقت یہاں ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کی ایک مہم چل رہی ہے، یہ مہم جو پبلک اسکولوں کی رہنمائی میں چل رہی ہے۔ اس کے حلقۂ عمل میں ۱۵ سے ۳۵ سال کی عمر کے ۲۰ لاکھ آدمی آتے ہیں۔

فلپائن کے بہت سے سرکاری غیر سرکاری اور نجی ادارے خواندگی کی توسیع و اشاعت کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیہی تعمیر نو کی انجمن کی ۲۰۰ ٹولیاں گاؤں میں اس وقت کام کر رہی ہیں۔

پچھلے سال چند با اثر ماہرین تعلیم اور سرکاری عہدہ داروں نے فلپائن میں خواندگی کی توسیع و اشاعت کے لئے ایک انجمن کی تشکیل کر لی ہے۔ یہ انجمن خواندگی کے حق میں یونیورسٹیوں کا تعاون حاصل کرنے اور حکومت سے قانون پاس کرانے کے لئے کام کرے گی۔

تنزانیا

تنزانیا، جہاں کی اقتصادی زندگی کا انحصار بیشتر زراعت پر ہے آبادی بہت بکھری ہوئی ہے اور ۸۰ فی صدی کسان ناخواندہ ہیں، اسی تنزانیا میں قومی تعمیر و ترقی کا ایک پنج سالہ منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اس ترقیاتی منصوبے میں اڈلٹ ایجوکیشن کی ایک وسیع اور جامع اسکیم بھی شامل ہے۔ گاؤں، ضلع اور ملکی سطح پر اڈلٹ ایجوکیشن کا

انتظام اس ترقیاتی منصوبے کے ماتحت موجود ہے۔

یہاں اس وقت گاؤں میں خواندگی کے حلقے چل رہے ہیں۔ ان حلقوں میں اس وقت پانچ لاکھ آدمی شامل ہیں یہ کام ابھی اور پھیلایا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ شہری علاقوں میں بھی اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام شروع کیے جانے والے ہیں۔ منصوبے کے ماتحت جلدی ہی گاؤں اور ضلعے میں ٹریننگ سنٹر اور کمیونٹی سنٹر قائم کردیئے جائیں گے جہاں مقامی لیڈروں کے لئے زراعت، گاؤں سدھار اور شہریت کی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔

نوخواندہ لوگوں کو پڑھنا لکھنا سیکھ جانے کے بعد مطالعے کے لئے کوئی نہ کوئی کتاب برابر ملتی رہے، اس کا انتظام بھی کیا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں نوخواندہ لوگوں کے لیئے کتابیں اور دوسرے مطالعے کے سامان تیار کرنے کے لئے ایک شعبہ قائم کردیا گیا ہے۔ یہ شعبہ کم پڑھے لکھے لوگوں کی دلچسپی اور ضرورت کے مطابق کتابیں تیار کرے گا۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں کام کرنے والے تمام اداروں کے کاموں میں تال میل قائم کرنے کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کی ایک قومی کمیٹی کی تشکیل کی گئی ہے۔ اس کمیٹی کے صدر کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے وزیر ہوں گے۔

میکسکو

میکسکو میں ۱۹۴۴ء میں خواندگی کی قومی تحریک شروع کی گئی تھی۔ اس وقت ۱۸ سے ۶۰ سال کی عمر میں آنے والے تمام پڑھے لکھے لوگوں کے لیئے یہ لازمی کردیا گیا تھا کہ وہ کم سے کم ایک شہری کو پڑھنا لکھنا ضرور سکھائیں اس تحریک کے بعد اب محدود پیمانے پر اور زیادہ وسائل کو مرکوز کرکے ایک اور تحریک شروع کی گئی ہے۔ دس مہینے کی یہ مہم اس وقت ان علاقوں میں چلائی جارہی ہے جو سماجی اور اقتصادی حیثیت سے ترقی یافتہ علاقے ہیں۔

اب تک مرکزی حکومت کی جانب سے ۱۱ ہزار خواندگی کے مرکز کھل چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ریاستی حکومتوں اور مقامی بورڈوں اور میونسپلٹیوں کی جانب سے ۲۸۰۰ خواندگی کے مرکزوں کی سرپرستی کررہے ہیں۔ ٹریننگ کالجوں کے زیرتربیت اُستادوں کا نام اس مہم میں کام کرنے والوں کی فہرست میں شامل کرلیا جاتا ہے۔ گذشتہ ۹ نو مہینوں کے اندر اس مہم کے ماتحت ۳ کروڑ ۵۴ لاکھ درسی کتابیں مفت تقسیم کی جاچکی ہیں۔

کسانوں اور مزدوروں کی انجمنیں اس مہم میں بہت مدد پہنچارہی ہیں۔ یہ انجمنیں ناخواندہ لوگوں کو کلاسوں میں داخل کراتی ہیں اور ان کی حاضری پر کڑی نظر رکھتی ہیں اور خواندگی کی کلاسوں کے انتظام اور نگرانی میں مدد دیتی ہیں۔ اس مہم میں اسکولوں اور کالجوں کے طلباء کا تعاون بھی حاصل کیا گیا ہے۔

اس وقت ۶۰۰ طالب علموں کے ایک محدود حلقے کے اوپر ٹیلی ویژن کے ذریعے خواندگی کی تعلیم کا تجربہ کیا جارہا ہے۔

کویت

کویت ایک ترقی پذیر ملک ہے جہاں اقتصادی ترقی کے کافی وسائل موجود ہیں۔ یہاں ۲۰ فی صدی آبادی اسکولوں میں داخل ہے۔ ان ۹۰ ہزار طالب علموں میں لڑکیوں کی تعداد ۴۰ ہزار ہے۔ اسکول کی عمر کے تمام بچوں کے لئے ۸ سال کی ابتدائی تعلیم لازمی کردی گئی ہے

بالغوں کی خواندگی کا کام یہاں ۱۹۵۳ء میں شروع ہوا جب کہ فوج اور پولیس کے سپاہیوں کے لیے خواندگی کے مرکز قائم کئے گئے تھے ۱۹۵۸ء میں سماج سدھار کی وزارت اور تعلیم کی وزارت کے اشتراک سے خواندگی کے پروگرام کی توسیع کی گئی ۱۹۶۲-۶۳ء میں عورتوں کے لئے خواندگی کے مرکز قائم کئے گئے۔ اس وقت خواندگی کے مرکزوں میں ۸۴۸ ۸ مرد اور ۱۷۱۶ عورتیں داخل ہیں۔ خواندگی کے مرکزوں میں پرائمری اسکول کے پہلے چار سال کا نصاب مکمل کرایا جاتا ہے۔ اس نصاب کو مکمل کرلینے کے بعد آگے تعلیم جاری رکھنے کی سہولتیں بھی موجود ہیں۔

اس سال کے آخر تک ملک سے ناخواندگی کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے کی ایک پنج سالہ تحریک شروع ہورہی ہے۔ اس سلسلے میں ایک قانون بنانے پر بھی غور ہورہا ہے، جس سے کہ بالغوں کی تعلیم لازمی قرار دے دی جائے۔ ایسی خواتین جو کلاس میں آکر پڑھ نہیں سکتی ہیں تو ان کے لیے ٹیلی ویژن پر خواندگی کے پروگرام شروع کرنے کے امکانات پر بھی غور کیا جارہا ہے۔

(مسلسل)

(بقیہ صفحہ ۳۲ کا)

خطاب کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ یونیورسٹیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے آس پاس کے چند گاؤں کو اپنالیں۔ طالب علموں کا ایک گروپ ایک گاؤں کو اپنا لے جہاں وہ گاؤں کی ترقی کے مختلف کام کریں اور گاؤں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی معلومات بھی حاصل کریں۔

مزدوروں کی سماجی تعلیم کا ادارہ

ورکرس انسٹی ٹیوٹ اندور

سوشل ایجوکیشن اور مزدور طبقہ

ملک کی آزادی مٹھی بھر لوگوں کی خوشحالی کا نام نہیں ہے۔ جب تک ملک کے تمام طبقوں کو ترقی کے یکساں مواقع حاصل نہیں ہوتے، اس وقت تک ہم اپنی اصلی منزل سے دور ہی رہیں گے۔ ہم ابھی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ ایک زندہ قوم ہمیشہ آگے بڑھتی رہتی ہے۔ ہم ایک زندہ قوم ہیں ہمیں یقین ہے کہ ہم ترقی کے مرحلوں کو طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں گے، مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ہم میں سے ہر آدمی اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھے۔ ہمیں اپنی مشکلات کا ایک متحد اور ہوشمند قوم کی حیثیت سے مقابلہ کرنا ہے۔ اس مقابلے کی طاقت کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ راستہ تعلیم کا ہے۔ یعنی عوام کی تعلیم کا راستہ، سوشل ایجوکیشن کا راستہ،

ہم ایک ایسے ملک کے شہری ہیں جو ترقی کے راستے پر گامزن ہے، اس لئے اس وقت ہر طبقے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اپنی ذمہ داری کو پوری ہوشمندی اور پابندی کے ساتھ نبھائے۔ مزدوروں کی سماجی تعلیم کے اس ادارے "شرم پرتشٹھان" یا ورکرس انسٹی ٹیوٹ کا یہی مقصد ہے کہ اس کے ذریعے فیکٹریوں اور کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے درمیان سوشل ایجوکیشن کا مختلف پروگرام چلایا جائے تاکہ ان میں سماجی بیداری پیدا ہو اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو ایک ہوشمند شہری کی حیثیت سے پورا کرسکیں۔

گدڑی کے لال

آپ ذرا مزدور بستیوں میں جا کر دیکھئے۔ ان میں سنگیت کا راگ الاپنے والے گویئے بھی ملیں گے اور

ڈراموں میں کام کرنے والے اداکار بھی اور شاعر اور مصور بھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مزدور طبقہ اقتصادی اعتبار سے غریب ضرور ہے مگر ذہنی اعتبار سے پست نہیں ہے۔

یہ جواہر پارے دھول مٹی سے اٹے ہوئے بکھرے پڑے ہیں، ضرورت ہے کہ ان جواہرات کو جلا بخشی جائے، اُن کو ایک جگہ جمع کیا جائے، ان میں اتحاد اور یگانگت کا رشتہ قائم کیا جائے۔ اگر ان پھولوں کو ایک دھاگے میں پرو دیا جائے تو وہ خوبصورت مالا مادر ہند کا سنگار بن جائے گی۔ مزدوروں کی سماجی تعلیم کا یہ ادارہ اسی عظیم الشان کوشش میں لگا ہوا ہے۔

مزدوروں کی سماجی تعلیم:-

ورکرس انسٹی ٹیوٹ نے اپنی تعلیمی اور تربیتی اسکیموں کے سہارے مزدوروں میں سماجی، ذہنی، اخلاقی اور کلچرل بیداری پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس طرح کی تربیت کے بغیر مزدور طبقے کی ہمہ گیر ترقی رکی رہے گی اور مزدور طبقے کی ترقی کے بغیر ملک کی ترقی کی رفتار بھی سست رہے گی

مزدوروں کی تعلیم کی اس اسکیم کا مقصد عام تعلیمی اسکیموں سے کچھ مختلف ہے۔ سماجی تعلیم کے دوسرے اداروں کے مقابلے میں اس کا حلقہ کار اتنا پھیلا ہوا نہیں ہے بلکہ صرف مزدور طبقے تک محدود ہے مگر اس طبقے کی ہر طرح کی تعلیمی ضرورت کی تکمیل کرنا اس انسٹی ٹیوٹ کا ایک بنیادی مقصد ہے۔

مزدوروں کی زندگی کا پس منظر

مزدور بیشتر گاؤں کو چھوڑ کر شہروں میں آتے ہیں۔ گاؤں کے ماحول میں زندگی گذار کر شہر میں آنے پر ان کی زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل جاتا ہے۔ کوئی ساتھی نہیں، دوست اور عزیز نہیں، خانگی زندگی کا لطف نہیں، گھر نہیں، مرضی کے مطابق کام نہیں اور محنت کا ٹھیک ٹھیک معاوضہ نہیں۔ سماجی اخلاق و آداب کی وہ پابندیاں نہیں، ایسے گنوار لوگ جب شہر کے اس ماحول میں آتے ہیں تو ان کی زندگی عجیب و غریب شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مگر ان کو یہاں اس حال میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ ان کا ایک سماج ہو جس میں وہ اپنایت محسوس کریں مزدوروں کی سماجی تعلیم کا یہ منصوبہ انہی ضرورتوں کے پیش نظر تیار کیا گیا ہے۔ ایک تو مزدوروں کی انفرادی صلاحیتوں کو جلا دینا اور دوسرے انھیں شہر کی سماجی زندگی کی برائیوں سے بچاتے ہوئے اس انجان ماحول میں ان کے لئے ایک ایسے سماج کی تشکیل کرنا

اپنے گاؤوں سے دور ہو کر بھی اپنائیت محسوس کریں۔

...میں اجتماعی ترقی کے منصوبے کی ضرورت

...پنج سالہ پلان کے ماتحت گاؤوں میں رہنے والوں کے لئے کیمونٹی ڈیولپمنٹ کی اسکیم چلائی گئی۔ مگر شہروں کے ...میں ایسا کوئی منصوبہ نہیں بنا، حالانکہ شہروں کی زندگی آجتماعی اور بستی کی زندگی کا تصور جس طرح ختم ہو رہا ہے ...پیش نظر یہ ضروری تھا کہ وہاں کیمونٹی ڈیولپمنٹ کے قسم کی اسکیم شروع کی جاتی۔ کیمونٹی ڈیولپمنٹ ...صرف اقتصادی زندگی کو بہتر بنانا نہیں ہے بلکہ مجموعی اعتبار سے بستی کی زندگی کے معیار کو اونچا اٹھانا ہے ...م اس طرح انجام دینا ہے کہ بستی کے تمام لوگ تمام تفرقات کو بھول کر پڑوسی کی حیثیت سے پوری بستی ...کو اونچا اٹھانے میں کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے ہو جائیں۔ یہ ضرورت کہیں جا کر ۱۹۵۸ء میں پوری ہوئی ...ید شہری علاقوں کے لئے کیمونٹی ڈیولپمنٹ کی ایک اسکیم منظور کی گئی۔

...ں کی ہمہ گیر تعلیم کا مرکز: اندور میں

...ہری کیمونٹی ڈیولپمنٹ اسکیم کے ساتھ ہی مرکزی وزارت تعلیم نے صنعتی مزدوروں کی اجتماعی ترقی ...اسکیم تیار کی۔ سوال یہ تھا کہ اس اسکیم کو سب سے پہلے کس شہر میں شروع کیا جائے۔ مزدوروں کی تعلیم ...یہ مشعل سب سے پہلے کہاں روشن کی جائے؟ لوگوں کا دھیان اندور کی طرف گیا، اس لئے کہ اندور میں مزدوروں ...یک نے گاندھی جی کے افکار و خیالات سے متاثر ہو کر بہت سے شاندار کارنامے انجام دیئے تھے۔ اسی ...مزدوروں کی ساجی تعلیم کی اس اسکیم کی ابتدا کی گئی۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ تجربہ اگر یہاں کامیاب ثابت ...ملک کے دوسرے حصوں میں بھی شروع کیا جائے گا۔

...ٹ کی ابتدا:-

...دوروں کے درمیان سوشل ایجوکیشن کی یہ اسکیم جو اس وقت صرف اندور شہر میں رائج ہے، اس کا تجربہ کرنے ...داری حکومت ہند نے مدھیہ پردیش کی حکومت کے سپرد کی۔ مدھیہ پردیش کی حکومت نے اس مقصد کے لئے ...رس انسٹی ٹیوٹ یا "شرم پرتشٹھان" کے نام سے مئی ۱۹۶۰ء میں یہ ادارہ قائم کیا اور اس اسکیم کی رہنمائی کے لئے

ایک کونسل کی تشکیل کردی جو مرکزی اور ریاستی حکومت کے نمائندوں، مزدوروں اور صنعت کاروں کے
اور سوشل ورک کے ماہروں پر مشتمل ہے۔ ورکرس انسٹی ٹیوٹ ایک خود مختار ادارے کی حیثیت سے اسی کی
نگرانی میں مزدوروں کے درمیان سوشل ایجوکیشن کے مختلف پروگرام گذشتہ ۵ سال سے پابندی سے چ

مزدوروں کی کلچرل بیداری :-

مزدور طبقے میں خداداد صلاحیتوں کی کمی نہیں ہے لیکن ان صلاحیتوں کے اجاگر ہونے کے وسائل موجود نہیں ہیں
نہ اس کے لیے سازگار ماحول ہے اسی لیے یہ صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ان کے اندر کا سنگیت کار، اداکار، شاعر اور فن کار
منظر عام پر نہیں آپاتا۔ ان کی زندگی بے رنگ اور بے کیف ہو جاتی ہے۔ ورکرس انسٹی ٹیوٹ کے سامنے مزدور
تصور نہیں ہے۔ اس کا مقصد مزدوروں میں محض تعلیم کو پھیلانا نہیں ہے بلکہ ان میں سماجی اور کلچرل بیداری پیدا کرنا بھی ہے
ان کی زندگی مجموعی اعتبار سے رنگا رنگ اور خوشحال رہے۔

ورکرس انسٹی ٹیوٹ چاہتا ہے کہ مزدوروں کی زندگی میں ادب، سنگیت، ڈرامے، ناچ رنگ وغیرہ داخل ہو۔ جو
جس طرح کا جوہر موجود ہو اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ جس سے کہ مزدوروں کی کلچرل زندگی سدھر اور سنور جائے۔
کی زندگی اگر ایک مشینی پرزے کی طرح بنی رہی تو زندگی بے کیف اور بے رنگ رہے گی۔

تخلیقی کام کے سہارے نئے سماج کی تشکیل :-

مزدوروں کو تخلیقی کام کے مواقع نہیں ملتے۔ اس لیے ان کا رجحان تخریبی کارروائیوں کی طرف ہو جاتا
ہر مزدور کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق مشغلوں میں حصہ لینے کے وسائل فراہم ہوں گے تبھی مزدور سماج ترقی
راہ پر گامزن ہو سکے گا۔ گاؤں کی زندگی کو چھوڑ کر آنے والے مزدوروں کو نئے ماحول میں نئے ڈھنگ سے ... کو
اجاگر کرنے کا موقع دینا ضروری ہے۔ صرف ایسی صورت میں ایسے سماج کی تشکیل ممکن نہیں ہوگی جس کی بنیاد
یک جہتی پر ہو۔

انسٹی ٹیوٹ کی سرگرمیاں :-

شرم پرتشٹھان گذشتہ ۵ سال سے مندرجہ بالا اصولوں کی بنیاد پر مزدور بستیوں میں تعلیمی، ادبی

بیداری پھیلانے اور مزدور اور مزدوروں کے خاندان کی ہمہ گیر ترقی کے کاموں میں لگا ہوا ہے۔ یہاں ان کے عملی کاموں کی کچھ جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ جو پرتشٹھان کی ۱۹۶۴ء کی سالانہ رپورٹ پر مبنی ہیں۔

سنگیت کلاس :-

سنگیت کی کلاس مارچ ۱۹۶۱ء سے شروع ہوئی۔ اس وقت یہ کلاس دو پالیوں میں چل رہی ہے۔ یہ کلاس ... "سنگیت سمیتی" کے تیار کیے ہوئے نصاب کے مطابق چلتی ہے۔ سنگیت کی کلاس نے اکثر موقعوں پر اپنے خاص پروگرام کیے جس میں مزدور فنکاروں کے علاوہ شہر کے موسیقی کے استادوں نے بھی شرکت کی۔

مصوری کی کلاس :-

مصوری کی کلاس فروری ۱۹۶۱ء سے چل رہی ہے۔ روزانہ ۶ بجے شام سے ۸ بجے تک یہ کلاس لگتی ہے۔ اس کلاس کی طرف سے اس سال بھی ایک انعامی مقابلہ ہوا اور یوم آزادی کے موقع پر نہرو جی کی تصویروں کی نمائش کی گئی۔

انگریزی کلاس :-

انگریزی کی کلاس بھی مارچ ۱۹۶۲ء سے جاری ہے۔ اس میں ابتدائی سے لے کر ہائر سکنڈری کی کلاس ... مزدور طالب علم داخل ہیں۔ مزدوروں میں کئی وجہوں سے انگریزی پڑھنے کی کافی خواہش رہی ہے۔ ... سے کافی بڑی تعداد میں مزدور اور مزدور خاندان کے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

سوشل ایجوکیشن کی کلاس :-

یہ کلاس اس مقصد سے چلائی جاتی ہے کہ مزدور بستیوں میں .... ایجوکیشن کا کام چلانے کے لیے کارکن مل جائیں۔ اور ان کارکنوں کو مختلف علوم کی وسیع معلومات کرادی جائے۔ ... ایجوکیشن کی یہ کلاسیں تین مہینے چلتی ہیں اور اس مدت میں سیاسیات، تاریخ، معاشیات اور سماجیات وغیرہ

کی ابتدائی معلومات کرادی جاتی ہے۔

خواندگی کی ٹریننگ

سوشل ایجوکیشن کے سنٹروں میں لوگوں کو پڑھنا لکھنا کیسے سکھایا جائے؟ اس کے لیئے یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ پرتشٹھان کے تمام معلّم اور عورتوں کے سنٹر چلانے والی کارکنوں کو ٹریننگ دی جائے۔ اس مقصد سے بھارتیہ ودیا پرچارنی سبھا کی ڈائرکٹر شریمتی جیکب کو ان کارکنوں کو ٹریننگ دینے کے لئے مدعو کیا گیا۔ شریمتی جیکب نے بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے مختلف طریقوں پر کارکنوں کے سامنے کئی لیکچر دیئے اور عملی مظاہر بھی کیا۔ اور کارکنوں سے عملی کام بھی کرائے۔ اسی طرح دہلی کے فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے لٹریسی یونٹ کے انچارج شری نذیر انصاری نے بھی سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کی ٹریننگ میں حصہ لیا۔

ادبی کلاسیں:-

مختلف ادبی امتحانوں نے مزدوروں کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کا شوق دلایا ہے۔ بہت سے مزدور اور ان کے خاندان کے لوگ ہندی ساہتیہ سمیلن الہ آباد کے مختلف امتحانوں میں شریک ہوتے رہے ہیں پرتشٹھان کی ادبی کلاسوں میں ان امتحانوں کی تیاری کا انتظام کیا جاتا ہے۔ امتحان میں شریک ہونے والوں کی سہولت کے لیئے ادب کے مختلف پہلوؤں پر ماہرین کے لیکچروں کا سلسلہ بھی منعقد کیا جاتا ہے۔

مزدوروں کے لیئے ہائر سکنڈری کی کلاسیں:۔

مدھیہ پردیش کا ایجوکیشن بورڈ ہائر سکنڈری کے امتحان میں پرائیوٹ طور پر شریک ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ ان امتحانوں میں شریک ہونے والے مزدور طالب علموں کو امتحان کی تیاری کرانے کے لیئے پرتشٹھان ہائر سکنڈری کی کلاسیں منعقد کرتا ہے۔ یہ کلاسیں شام کے وقت لگتی ہیں۔

خواتین کے لئے ہائی اسکول کے امتحان کی تیاری:-

مدھیہ پردیش کے ایجوکیشن بورڈ نے خواتین میں تعلیم کی توسیع واشاعت کی غرض سے ایک خاص نصاب شروع

تا ہے۔ ان امتحانوں میں کامیاب ہونے والی عورتوں کو ڈپلوما دیا جاتا ہے جو ہائی اسکول کے سرٹیفکٹ کے مساوی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اندور شہر میں ان عورتوں کو امتحان کی تیاری کرانے کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں تھا۔ شرم پرتشٹھان نے اس امتحان کی تیاری کے لئے عورتوں کی کلاس منعقد کی ہے۔ یہاں بغیر کسی فیس کے مفت تعلیم کا انتظام ہے۔

مہیلا کیندر:۔

شرم پرتشٹھان نے فروری ۱۹۶۱ء سے عورتوں کے مرکز (مہیلا کیندر) چلا رہا ہے۔ ان مرکزوں میں سلائی، کشیدہ کاری اور دوسری چھوٹی موٹی دستکاریوں کے علاوہ خواندگی کی کلاسیں بھی لگتی ہیں۔ یہاں اَن پڑھ عورتیں پڑھنا لکھنا بھی سیکھتی ہیں، اور کچھ چھوٹے موٹے کام بھی سیکھ جاتی ہیں، جس سے انھیں خانہ داری کے کاموں میں مدد ملتی ہے۔ اس وقت پرتشٹھان کے مرکزی دفتر "شرم شور" کے علاوہ پردیسی پورہ، نندا نگر، نہرو نگر اور ہنجم کی پھیل میں خواتین کے مرکز چل رہے ہیں۔

جو عورتیں ان مرکزوں میں پڑھنا لکھنا سیکھتی ہیں ان کی خواندگی کو پکا بنانے اور ان میں پڑھنا لکھنا سیکھنے کا شوق بنائے رہنے کے لئے عورتوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ ہندی کے آسان امتحانوں میں شریک ہو کر سند بھی حاصل کریں۔

کوآپریٹیو سوسائٹی:۔

عورتوں کی ایک کوآپریٹیو سوسائٹی بھی قائم ہے۔ یہ سوسائٹی دوسرے سامانوں کے علاوہ خاص طور سے پسے ہوئے مسالے تیار کر کے سپلائی کرتی ہے۔ مہیلا کیندر کی عورتیں یہ مسالے پیس کر تیار کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ مہیلا کیندر میں ٹریننگ پائی والی عورتیں لفافے، پیڈ اور فائل وغیرہ تیار کرتی ہیں ان کی نکاس کا انتظام بھی یہ سوسائٹی کرتی ہے۔

سیر اور ملاقات کی تقریبیں:۔

مزدور عورتوں کو آس پاس کے تاریخی مقامات اور قدرتی مناظر کی سیر کرانے کی غرض سے وقتاً فوقتاً تعلیمی سفر کئے جاتے ہیں۔ اس سال عورتوں نے آس پاس کی جگہوں کے علاوہ اذکار یشور اور ریڈولئے کا سفر بھی کیا۔
مہیلا کیندر میں اکثر ملاقات کی تقریبیں منعقد کی جاتی ہیں۔ ان جلسوں میں عورتیں شریک ہوتی ہیں (باقی ص۹ پر)

راجستھان یونیورسٹی میں بالغوں کی تسلسلی تعلیم کا مرکز

راجستھان یونیورسٹی نے تسلسلی تعلیم (CONTINUATION EDUCATION) کا ایک سنٹر قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جہاں بالغوں کے لئے تعلیم کو آگے جاری رکھنے کا انتظام کیا جائے گا۔ سنڈیکیٹ نے وائس چانسلر ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا کی صدارت میں آٹھ اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کر دی ہے۔ اس کمیٹی میں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن اور انٹر یونیورسٹی بورڈ کے سکریٹری، حکومت راجستھان کے چیف سکریٹری اور راجستھان یونیورسٹی میں اڈلٹ ایجوکیشن کے مشیر ڈاکٹر اوبی کڈ شامل ہیں۔ اس کمیٹی کی پہلی میٹنگ ۴ر دسمبر ۱۹۶۵ء کو جے پور میں منعقد ہوئی تھی۔ کمیٹی نے تسلسلی تعلیم کے سنٹر کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ تیار کر لیا ہے۔ ۲۳ر دسمبر کو سنٹر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔ کمیٹی نے یونیسکو، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، حکومت راجستھان اور حکومت ہند سے درخواست کی ہے کہ وہ اس سنٹر کو فراخدلی سے امداد دیں۔

چوتھے پنج سالہ پلان میں اڈلٹ ایجوکیشن

پلاننگ کمیشن کے رکن (تعلیم) ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی راؤ نے ایک بیان میں کہا ہے کہ چوتھے پنج سالہ پلان میں اڈلٹ ایجوکیشن کے لئے ۷ کروڑ روپئے رکھے گئے ہیں۔ موصوف نے فرمایا کہ چوتھے پلان میں خواندگی کے پروگرام کے علاوہ فالو اپ پر کافی توجہ دی جائے گی۔ خاص طور سے تمام زبانوں میں بالغوں کی دلچسپی کی کتابیں تیار کر کے انھیں تقسیم کرنے کا کام کافی بڑے پیمانے پر ہوگا۔

یونیورسٹیاں گاؤں کو اپنائیں

مرکزی وزیر تعلیم شری ایم۔ سی۔ چھاگلہ نے چنڈی گڑھ میں ۲۸ر اکتوبر کو مرکزی تعلیمی کمیٹی کو دیہاتی

Registered No. D. 1126

THE MONTHLY TALIM-O-TARAQQI,
December 1965.

ماہنامہ تعلیم و ترقی

جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

- بالغوں کی تعلیم جمہوریت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔
- بالغوں کی تعلیم کے مرکز قائم کیجئے اور جہالت کے خلاف اس مقدس جہاد میں پڑھے لکھے لوگوں کو شرکت کی دعوت دیجئے۔
- رسالہ تعلیم و ترقی اس نیک مہم میں آپ کا ہر قدم پر ساتھ دے گا۔
- اس کا سالانہ چندہ صرف چار روپے ہے اور اردو اور ہندی میں الگ الگ شائع ہوتا ہے۔
- ہر سال تعلیم بالغان کے ایک نہ ایک موضوع پر اس کا ایک اسپیشل نمبر شائع ہوتا ہے جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔
- اگر آپ مستقل خریدار رہوں گے تو آپ کو یہ ضخیم شمارۂ خصوصی بھی سالانہ چندے ہی میں ملے گا۔

منیجر

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq
Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI.